وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ

فلاحين

شرح اردو

اغراضِ جلالین

جلد ثانی

از افادات

حضرت العلامہ مولانا الشیخ عبد الغنی جاجروی نور اللہ مرقدہ

موسس جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان

تالیف و ترتیب ابو الاسعاد یوسف جاجروی

مکتبۃ الحسن

وفي نسختها هدى ورحمة للذين هم لربهم يرهبون

فلاحین

شرح اردو

اغراض جلالین

جلد دوم

از افادات

حضرت العلام مولانا الشیخ عبد الغنی جاجروی نور اللہ مرقدہ

موسس جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان

تالیف و ترتیب ابوالاسعاد یوسف جاجروی

مکتبۃ الحسن

۳۳ حق سٹریٹ اردو بازار، لاہور پاکستان

042-37241355, 0307-3339699

اِظہارِ تشکُّر

لاکھ لاکھ شکر ہے اُس ذاتِ بابرکات کا کہ اُس نے بندۂ ناچیز کو محض اپنے فضل وکرم و رحمت سے "تفسیر فلاحین شرح اُردو اغراض تفسیر جلالین" جلد دُوم کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی جو کہ پارہ دُوم کی ابتداء (یعنی سیقول) سے شروع ہو کر تکمیل سُورۃ البقرہ (یعنی فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْن) تک ہے۔

اُمید واثق ہے کہ جلد دُوم کو بھی عِنْدَ اللّٰہِ و عِنْدَ النَّاس خصوصًا علمی حلقوں میں وُہی پذیرائی حاصل ہوگی جو کہ جلد اوّل کو ملی ہے۔

"مکتبہ تحقیقاتِ علمیّہ" کوئی تجارتی وکاروباری ادارہ نہیں بلکہ حضرت الشیخ والد ماجد نوّر اللہ مَرقدھُما کی علمی تحقیقات کو تشنگانِ علومِ نبویہ کے لیے منظرِ عام پر لانا اصل مقصد ہے۔ جو کہ حسبِ توفیق ربّ ذُو الجلال جاری وساری ہے اور رہے گا۔ ان شاء اللہ!

چنانچہ "تفسیر فلاحین جلد دُوم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف پر تحقیقات کا کام بھی اسی سلسلہ کے تحت شروع ہے۔ قارئین سے اِستدعا ہے کہ فائدہ حاصل کرتے وقت مؤلف کے والدین مع مشائخہ کو دُعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ نیز مُطالعہ کے وقت اگر کوئی علمی غلطی محسوس کریں تو فی الفور مؤلف کو آگاہ فرمائیں۔!

واللہُ علیٰ ما نقول وکیل

اخوکم فی الدین

ابوالاسعاد یوسف جاجروی

رفیق شعبہ تالیف وتصنیف تحقیقاتِ علمیہ

جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان

رَبَّنَا
لَا تُؤَاخِذْنَآ
إِن نَّسِينَآ
أَوْ أَخْطَأْنَا

فہرست مضامین

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاءُ الجُهّال مِنَ النَّاسِ اى اليهود والمُشرِكين مَا وَلّٰهُمْ اىُّ شيئٍ صرفَ النبى و المُؤمنين عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا على استقبالها فى الصّلوٰة وهى بيتُ المقدّس والاتيان بالسين الدالة على الاستقبال من الاخبار بالغيب قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اى الجهات كلّها فيامر بالتوجّه الىٰ اى جهة شاء لا اعتراضَ عليه يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ هدايتُه اِلٰى صِرَاطٍ طريق مُّسْتَقِيْمٍ دين الاسلام اى ومنهم انتم دلّ على هٰذا

ترجمہ عنقریب کہیں گے بے وقوف (جاہل) لوگ (یہود و مشرکین) کہ کس چیز نے ان کو پھیر دیا آنحضرت صلعم اور اور مسلمانوں کو کس چیز نے تبدیل کر دیا) اس قبلہ سے جس کی طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے) نماز میں اس کا استقبال کیا کرتے تھے مُراد بیتُ المقدّس ہے۔

اور سین استقبالیہ کا لانا اخبار غیب کی طرف اشارہ ہے۔ آپ فرما دیجئے مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں (ساری سمتیں اسی کی ہیں جس طرف چاہے حکم دے سکتا ہے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے) خدا جس کو (جس کی ہدایت) چاہیں سیدھی راہ (دین اسلام) بتلا سکتے ہیں (چنانچہ اے مسلمانو تم بھی انہی میں ہو جیسا کہ اگلا جملہ کَذٰلِکَ اس پر دلالت کرتا ہے)

شان نزول

امام بخاریؒ نے آیت سَیَقُوْلُ کے ذیل میں حضرت براء بن عازبؓ کی روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن اصلاً دلی رغبت آپ کی اپنے آبائی قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف رہی تو حق تعالیٰ نے آیت قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ نازل فرمائی اور ابو اسحٰق اور عُبید ابن حمید اور ابو حاتم کی روایت میں آیت سَیَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ کا مزید اضافہ ہے۔

بیان ربط

نسخ قبلہ کی تمہید جو آیت مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ سے شروع ہو چکی تھی اور آیت وَاِذِ ابْتَلٰی میں اس کے بعض اجزاء پر روشنی ڈالی گئی تھی یہاں سے مستقلاً اس مصالح پر کلام کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے حاکمانہ جواب اور اس کی تمہید میں ان کے جاہلانہ اعتراض کی تصریح ہے اس کے بعد بطور جملہ معترضہ اُمّتِ محمدیہ کی مدح و منقبت ہے اور پھر سلسلہ کلام تحویل قبلہ کی حکمت کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

بیان اغراض جلالین

سیقول السفہاء یہاں سے تحویل قبلہ کا مسئلہ شروع ہے۔ اور اسلام میں پہلا نسخ تحویل قبلہ کا تھا۔ سَیَقُوْلُ یہ آیت دوسری آیت قَدْ نَرٰی سے نزولاً و تلاوۃً دونوں طرح مقدم ہے یا صرف تلاوۃً مقدم اور نزولاً

موخر ہے دونوں قول ہیں پہلی صورت میں صیغہ مستقبل (سیقول) اپنی اصل پر ہوگا اور مقصود پیشگوئی ہوگی تاکہ جواب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان تیار ہوجائیں اور اعتراض دشمناں زیادہ ناگوار نہ رہے۔ کما قالہ السیوطی والاتیان بالسین الخ ھکذا قالہ الجمھور یعنی علامہ سیوطیؒ جمہور کی تائید فرمارہے ہیں۔ اور دوسری صورت میں مضارع (معنیٰ) میں ماضی ہوگا۔

قولہ الجھال : سفہاء جمع ہے جس کا مفرد سفیہٌ ہے اور یہ سفہ سے مشتق ہے۔ اور سفہ کے دو معنیٰ ہیں : ۱۔ جہالت جو مقابل ہے علم کے۔ ۲۔ بمعنی بے وقوف جو مقابل ہے حلم کے۔ سیوطیؒ نے السفہاء کے بعد الجھال نکال کر اشارہ کیا کہ یہاں سفاہت مقابل علم ہے اور سفہاء سے مراد جاہل ہیں علماء کی اصطلاح میں اس کو تعیین احد المعانی کہتے ہیں۔

قولہٗ ای الیھود والمشرکین : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ النّاس کی الف لام عہد کی ہے۔ اس سے مراد یہود و مشرکین عرب ہیں۔ ثانیًا : ان لوگوں کی تردید کرنا بھی مقصود ہے جو النّاس سے صرف یہود یا مشرکین مراد لیتے ہیں۔ فیہ ردٌّ علیٰ من خصّص المنکرین بالیھود الخ وعلیٰ من خصّص بالمشرکین کیونکہ تحویل قبلہ کے مسئلہ میں دونوں جماعتیں معترض ~~تھیں~~ ہیں

سوال علامہ سیوطیؒ نے سفہاء کا معنیٰ جاہل کیا، پھر النّاس سے یہود و مشرکین مُراد لیے۔ یہ اشارہ ہے کہ یہ دونوں جماعتیں جاہل ہیں حالانکہ یہود تو جاہل نہیں تھے بلکہ عالم تھے گو بے عمل تھے۔ بلکہ قرآن پاک نے خود ان کے عالم ہونے کی تصریح فرمائی ہے:-

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ -

وَفِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ۔ لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ -

وَفِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

جواب یہ ہے کہ قرآن مقدس کی اصطلاح میں علم صرف دانستن (جاننا) کا نام نہیں بلکہ مقتضیٰ علم پر عمل کرنے کا نام علم ہے تو گویا کہ عالم بے عمل بھی جاہل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اسی لیے علامہ سیوطیؒ نے اَلنَّاس کا مصداق یہود و مشرکین کو بنایا ہے۔

قولہٗ اَیُّ شَیئٍ : علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مَا وَلّٰھُمْ کا مَا ترکیبی لحاظ سے اَیُّ شَیئٍ کے معنیٰ میں ہے اور مبتدا بن رہا ہے وَلّٰھُمْ اس کی خبر ہے یعنی ان ما استفہامیۃ لا نافیۃ ولا موصولۃ

قولہٗ صرف : یہ وَلّٰی کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے کیونکہ وَلّٰی کا صلہ جب عن آئے تو بمعنی صَرَف ہوتا ہے کما فی ہذا المقام۔

قولہٗ النبی والمؤمنین : ھُمْ ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے یعنی بیان ہے مرجع کا۔

قولہٗ علیٰ استقبالہا : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوال : حذف مضاف کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ —

جواب عموماً لغت عرب میں لفظ عَلیٰ کا استعمال استعلاء کے لیے ہوتا ہے تو اسی بنا پر آیت مبارکہ کا معنیٰ ہوگا کہ وہ قبلہ جس کے اوپر مسلمان تھے۔ حالانکہ مسلمان قبلہ کے اوپر تو نہیں تھے۔ بلکہ قبلہ ان کے سامنے تھا اس لیے سیوطیؒ نے حذف مضاف کر کے اشارہ فرمایا کہ نفس قبلہ مراد نہیں بلکہ استقبال قبلہ یعنی قبلہ کی طرف منہ کرنا مراد ہے۔

قولہٗ فی الصلوٰۃ : دفعیہ سوال ہے۔

سوال : قبلہ کی طرف استقبال و استدبار دونوں ہوتے ہیں لیکن یہاں پر استقبال کی تخصیص کیوں ہے ؟

جواب : استقبال دو قسم پر ہے۔ ۱ استقبال فی الصلوٰۃ ۲ استقبال

خارج عَنِ الصَّلٰوۃ علامہ سیوطیؒ نے فی الصلٰوۃ کا کلمہ نکال کر اشارہ کیا کہ استقبال فی الصلٰوۃ مراد ہے تو اس وقت استقبال ہوتا ہے نہ کہ استدبار و لھٰذا یختص الاستقبال۔

قولہ وھی بیت المقدس : یہاں سے علامہ سیوطیؒ قبلہ کی تعیین فرمارہے ہیں جس کی طرف اولاً مسلمان منہ کرکے نماز پڑھتے تھے، یعنی بیان تعیین قبلہ ہے۔

قولہ والاتیان بالسین : یہاں سے علامہ سیوطیؒ نے جمہور کی تائید فرمائی ہے کہ ان آیات کا نزول قبل از تحویل قبلہ ہے اور سیقول کی سین استقبال کے لیے ہے جو غیب کی خبر دینے پر دال ہے۔ یہ حضرتؐ کا معجزہ ہے کہ مستقبل میں آنے والے حکم کی اطلاع کی جارہی ہے تاکہ دلی طور پر مسلمان اُس حکم کے لیے تیار ہوجائیں۔ ثانیًا اس میں تسلّی بھی ہے کیونکہ اطلاع مصیبت قبل از آمد مصیبت تکلیف کو ہلکا کردیتی ہے۔

فائدہ : سائل کے سوال کو دو طریقوں پر حل کیا جاتا ہے یعنی اندازِ جواب دو طریقوں پر ہوتا ہے۔

۱۔ **جوابِ حاکمانہ** : کہ وہ حکم یا فعل جو واقع ہورہا ہے اس کی حکمت بیان نہ کی جائے۔

۲۔ **جوابِ حکیمانہ** : کہ اس فعل کی حکمت بیان کی جائے۔

قُلْ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ سے معترضین کو حاکمانہ جواب دیا جارہا ہے کہ تم کون ہوتے ہو تبدیلی قبلہ پر اعتراض کرنے والے میں حاکمِ مطلق ومالکِ یکتا ہوں میری مرضی جس طرف منہ کرنے کا حکم دوں مجھ سے کون پوچھ سکتا ہے۔ لا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔

قولہٗ ای الجھات کلھا : تمامی سمتیں میرے لیے ہیں۔ دفعیہ سوال ہے۔

سوال اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ مشرق و مغرب میرے لیے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب رب ذوالجلال کے لیے ہے اور شمال و جنوب غیر کے لیے ہے۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ "اِنَّ الْجِهَاتِ كُلَّهَا لِلّٰهِ" تمامی سمتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر تو مشرق و مغرب کا ہے لیکن مراد جمیع جہات ہیں یعنی ذکر طرفین (مشرق و مغرب) کا مراد کل اطراف و جہات ہیں۔

قولہٗ فَيَأْمُرُ بِالتَّوَجُّهِ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ شَاءَ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ ہماری سمتیں اسی کی ہیں جس طرف چاہے حکم دے سکتا ہے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ یہاں سے علامہ سیوطیؒ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ والی آیت کا حاصل معنیٰ بیان فرما رہے ہیں یعنی بیانِ حاصل معنیٰ ہے۔

قولہٗ هِدَايَتَهُ ؛ يَشَاءُ کا مفعول بیان فرمایا یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

قولہٗ طَرِيْقٍ ؛ صراط کی تفسیر بیان فرمائی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر ہے۔ قولہٗ دِيْنِ الْاِسْلَامِ ؛ راستے دو قسم ہیں۔ اوّل حسّی جیسے سڑکیں وغیرہ ان کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے۔ دوم معنوی جیسے دین و شریعت کا راستہ ان کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔ قرآن مقدس کے اندر مطلقاً صراط ہے جو دونوں راستوں کو شامل تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے دینِ الاسلام کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اس مقام پر حسّی راستہ مراد نہیں بلکہ معنوی راستہ دینِ اسلام والا مراد ہے۔

قولہٗ اَيْ وَمِنْهُمْ اَنْتُمْ ؛ (چنانچہ اے مسلمانو تم بھی انہی میں ہو) یہاں سے علامہ سیوطیؒ ماقبل سے ربط بیان کر رہے ہیں یعنی بیانِ ربط ہے۔ کیونکہ سیوطیؒ کے نزدیک مَنْ يَّشَاءُ سے مراد امتِ محمدیہ ہے۔

قولہٗ دَلَّ عَلٰى هٰذَا ؛ دفعیہ ہے سوال کا۔

سوال : مَنْ يَّشَآءُ تو عام ہے لیکن تم نے اس کو امتِ محمدیہ کے ساتھ کیوں خاص کیا - ؟

جواب علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ لکال کر اشارہ کیا کہ اُمتِ مُحمدیہ کو خاص کرنے کا قرینہ اگلی آیت ہے یعنی كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ گویا کہ دَلَّ عَلٰى هٰذَا سے بیانِ قرینہ ہے اور امتِ وسط ہونا یہ صفت خاص امتِ محمدیہ کی ہے نہ کہ دیگر امم کی -

---

وَكَذٰلِكَ كما هدينا كم اليه جَعَلْنٰكُمْ يا اُمّة مُحمّد اُمَّةً وَّسَطًا خيارًا عدولًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يوم القيامة ان رسلهم بلغتهم وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا انه بلغكم وَمَا جَعَلْنَا صيّرنا الْقِبْلَةَ لك الآن الجهة الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اوّلًا وهى الكعبة وكان صلّى الله عليه وسلّم يُصلّى اليها فلما هاجر امر باستقبال بيت المُقدّس تالفًا لليهود فصلّى اليه ستّة او سبعة عشر شهرًا ثم حول اِلَّا لِنَعْلَمَ علم ظهور مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ فيصدقه مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ اى يرجع الى الكفر شكًا فى الدين وظنًا ان النبى فى حيرة من امره وقد ارتدّ لذالك جماعة وَاِنْ مُخففة من الثّقيلة واسمها محذوف اى وانها كَانَتْ اى التولية

اَيْهَا لَكَبِيْرَةً شَاقَة على النَّاس اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ منهم وَمَا كَانَ اللّٰه لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اى صلاتكم الى بيتِ المُقدّس بل يثيبكم عليه لانّ سبب نزولها السوال عمّن مات قبلَ التحويل اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ المُؤمنين لَرَؤُفٌ رَّحِيْمٌ فى عدم اضاعة اعمالهم والرأفة شدّة الرحمة وقُدّمَ الاَبْلَغُ للفاصلة

ترجمہ اور ہم نے ایسے ہی (جس طرح تم کو ہدایت دی ہے) تم کو بنا دیا ہے (اے اُمتِ محمدؐ) نہایت اعتدالی جماعت (بہترین عادل) تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں (قیامت میں) گواہ بن سکو (کہ انبیاء نے اپنی اُمتوں کو تبلیغ فرمادی تھی) اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوسکیں (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو تبلیغ کردی ہے) اور ہم نے نہیں بنایا تھا (نہیں کیا تھا) قبلہ (آپ کے لیے اس وقت سمت) اس جانب کو جس پر آپ (اس سے پہلے) تھے (یعنی کعبہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی سمت نماز پڑھا کرتے تھے لیکن جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو یہود کی دلجوئی کے لیے آپ کو بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ سولہ یا سترہ ماہ آپؐ نے اس طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھیں پھر تبدیل ہوگئے) مگر اس مصلحت سے کہ ہم کو (ظاہری طور پر بھی) معلوم ہوجائے کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع (تصدیق) کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے (یعنی دین میں شک کرتے ہوئے اور یہ گمان کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درباره قبلہ

حیرت میں ہی مُرتد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک جماعت اسی بنیاد پر مرتد ہو گئی (اور یقیناً (اِن مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی وَ اِنَّھَا ہے) ، تھا۔ (تحویل قبلہ) بڑا دشوار امر (شاق لوگوں پر) بجز ان لوگوں کے کہ خدا نے (ان کو) ہدایت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دیں (یعنی بیت المقدس کی سمت پڑھی نمازیں بلکہ تم کو ان پر ثواب عنایت فرمائے گا۔ اس آیت کا سبب نزول تحویل قبلہ سے پہلے وفات شدہ لوگوں کی نمازوں کی بابت دریافت کرنا تھا۔ واقعی اللہ تعالیٰ لوگوں (مسلمانوں) پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں (کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دیتے۔ رأفة کے معنیٰ شدتِ رحمت کے ہیں اور باوجودیکہ اس لفظ میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ صرف رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

شانِ نزول

امام احمدؒ وغیرہ نے ابوسعید سے تخریج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں بعض انبیاء علیہم السلام اس حال میں آئیں گے کہ کسی کے ساتھ ایک دو یا اس سے زیادہ متبعین ہوں گے وہ اپنی قوم سے تبلیغ کی تصدیق چاہیں گے لیکن قوم جب انکار کرے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امتِ محمدیہ کو اپنی گواہی میں پیش کریں گے چنانچہ یہ امت انبیاء کے موافق گواہی دے گی۔ اصحاب امت سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ عرض کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان واقعات کی اطلاع ہم کو ہوئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدعا علیہ کے انسداد حرج کے لیے گواہوں کے معتبر ہونے کے متعلق سوال ہو گا آپ ان کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے اور معتبر ہونے کی شہادت دیں گے اس پر احکم الحاکمین کے اجلاس سے فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کما فی قولہ تعالیٰ ،

وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ

بیان اغراضِ جلالین

قولہٗ: کما ھد یٰنکم الیہ
ترجمہ: جس طرح تم کو ہدایت دی ہے اس کی طرف "کذالک" اسم اشارہ ہے اور ہر اسم اشارہ اپنے مشار الیہ کو تقاضا کرتا ہے۔ کما ھد ینکم یہ مشار الیہ ہے یعنی علامہ سیوطیؒ نے کما ھد ینکم نکال کر مشار الیہ کا بیان فرمایا ہے۔

قولہٗ: یَا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ: علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر تعیین مخاطب بیان کی ہے کہ جعلناکم کا خطاب صرف امتِ محمدیہ کو ہے۔

قولہٗ: خیاراً عدولاً بہترین عادل: علامہ سیوطیؒ نے خیاراً کا لفظ نکال کر وسط کا لازمی معنیٰ بیان کیا ہے کیونکہ جو چیز درمیان میں ہو اس میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ اسی بنار پر اس کو پسند کیا جاتا ہے تو گویا خیار وسط کا لازمی معنیٰ ہو گیا۔ اور لفظ وسَط بفتح السین بمعنیٰ اوسط ہے اور خیر الامور اور افضل اشیار کو وسَط کہا جاتا ہے۔

ترمذی شریف صـ۱۲۵ ج ۲ اَبْوابُ التفسیر منْ سُورۃِ البقرۃِ بروایتِ ابوسعید خدریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ وسَط کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے۔ جو بہترین کے معنیٰ میں آتا ہے (قرطبی)

قولہٗ عدولاً: اعتدال کے لفظی معنیٰ ہیں برابر ہونا۔ یہ لفظ عدل سے مشتق ہے۔ اس کے معنیٰ برابر کرنے کے ہیں۔ اور اعتدال کے اندر سب سے بڑی چیز یہ ہوتی ہے کہ وہ افراط اور تفریط سے خالی ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! ہم نے تم کو امتِ وسَط بنایا یعنی تم میں نہ افراط ہے نہ تفریط نہ زیادتی ہے نہ کمی یہ بھی وسَط کا معنیٰ بیان کیا ہے۔

فائدہ علامہ محمد نعیم صاحب مفسر دارالعلوم دیوبند اسی آیت کے تحت رقمطراز ہیں کہ وسَط درمیانی درجہ بہتر ہوتا ہے۔ جو کچھ آفات ہوتی ہیں وہ زیادہ تر اطراف اور کناروں تک محدود رہتی ہیں۔ اس لئے وسَط بمعنیٰ

اخیار ہے یا بمعنیٰ عدول ہے۔ کیونکہ وسطانی اور مرکزی چیز سب کناروں سے مساوی البُعد ہوتی ہے کسی سے قریب، کسی سے بعید نہیں ہوتی۔ کمالین ص۱۵۲ ج ا پ ۲)

قولہٗ یوم القیامۃ : بیانِ زمانہ شہادت ہے کہ اُمتِ محمدیہ کی شہادت کا تعلق دنیا کے ساتھ نہیں بلکہ آخرت کے ساتھ ہے۔ قیامت کے دن گواہی کے لیے ان کو کہا جائے گا۔

قولہٗ انّ رُسُلَھُمْ : علامہ سیوطیؒ نے یہاں سے مشہود بہ کا ذکر فرمایا ہے،

قولہٗ اَنّہٗ بَلّغتکُمْ : اس بات کی گواہی ہے کہ اُنبیاء نے اپنی امتوں کو تبلیغ فرمادی تھی۔ غرض اس کی محل شہادت ہے کہ آیا حق تبلیغ ادا کیا یا نہیں۔ یعنی بیانِ شہادت الرّسُول ہے۔

قولہٗ : انّہ بلّغکم : قدمرّ غرضہ آنفًا۔

قولہٗ : صیّرنا : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ جعل بسیط نہیں مرکب ہے۔ نیز جعل بمعنیٰ خلق نہیں بلکہ جَعَلَ بمعنیٰ صَیّر ہے۔ قولہ لک : (تیرے لیے) علامہ سیوطیؒ نے یہ لفظ مابعد کے ساتھ ربط پیدا کرنے کے لیے مقدر کیا ہے اور اس کے مابعد سے مراد کنت علیھا ہے،

قولہٗ الآن : الآن والی قید جعلنا کے ساتھ ہے۔ غرض اس کی یہ بتلانا ہے کہ جعلنا ماضی کے معنیٰ میں نہیں بلکہ بمعنیٰ الحال ہے۔

قولہٗ الجھۃ : جعل دو مفعولوں کو تقاضا کرتا ہے۔ القبلۃ مفعول اول الجھۃ مفعول ثانی یعنی بیانِ ترکیب ہے۔ نیز فیہ اشارۃ الی انّ التی کنت علیھا لیس صفۃ للقبلۃ بل ھی مفعول ثانٍ جعلنا الخ —

قولہٗ اوّلاً : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ کیا کہ کُنْتَ ماضی کے معنیٰ میں ہے حال کے معنیٰ میں نہیں۔ نیز اَوّلاً کی قید کا تعلق کنتَ کے ساتھ ہے۔

قولہٗ وھی الکعبۃ : ھِیَ کی ضمیر کا مرجع لفظ جہت ہے جو ماقبل میں مذکور ہے۔ غرض اس کی تعیینِ جہت ہے۔ یعنی جہت سے مراد کعبہ

کی جہت ہے۔

قولهٗ وكان صلّى الله عليه وسلّم يصلّي اليها الخ :-

یہاں سے علامہ سیوطیؒ ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں صحابہؓ وتابعینؒ کا اختلاف ہے کہ ہجرت سے پہلے مکۃ مکرمہ میں جب نماز فرض ہوئی تو اس وقت قبلہ بیتُ اللہ تھا، یا بیتُ المقدس۔ اس میں ۲ دو قول ہیں:

قولِ اوّل حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ اول ہی سے قبلہ بیت المقدس تھا جو ہجرت کے بعد بھی سولہ ۱۶ سترہ ۱۷ مہینہ تک باقی رہا اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے احکام نازل ہو گئے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مکہ مکرمہ میں یہ رہا کہ آپ حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز پڑھتے تھے تاکہ بیت اللہ بھی سامنے رہے اور بیت المقدس کا بھی استقبال ہوجائے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد یہ ممکن نہ رہا اس لیے تحویل قبلہ کا اشتیاق پیدا ہوا۔ جن حضرات نے یہ قول اختیار کیا ہے ان کے نزدیک بیتُ المقدس کی طرف منہ کرنے میں حکمت یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں تو مشرکین سے امتیاز اور ان سے مخالفت کا اظہار کرنا تھا اس لیے ان کا قبلہ چھوڑ کر بیت المقدس کو قبلہ بنا دیا گیا، پھر ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہود و نصاریٰ سے امتیاز اور ان کی مخالفت کا اظہار مقصود ٹھہرا تو ان کا قبلہ بدل کر بیتُ اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

قولِ دوم دیگر حضرات کے نزدیک جب نماز فرض ہوئی مکہ میں تو مسلمانوں کا ابتدائی قبلہ بیتُ اللہ تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کا قبلہ بھی بیت اللہ ہی رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے تو بیتُ اللہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر ہجرت کے بعد آپ کا قبلہ بیتُ المقدس قرار دیا گیا اور مدینہ منورہ میں سولہ ۱۶ یا سترہ ۱۷ مہینے آپؐ نے بیتُ المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس کے بعد پھر آپ کا جو پہلا قبلہ تھا یعنی بیتُ اللہ اس کی طرف نماز میں منہ کرنے کا حکم آگیا۔ تفسیر قرطبی میں

بحوالہ ابوعمر و اسی کو اصح القول قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے بھی اسی اصح القول کو نقل فرمایا ہے۔ قول اول کی صورت میں نسخ قبلہ ایک بار ہوگا۔ قول دوم کی صورت میں نسخ دو بار ہوگا۔ قول دوم کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد چونکہ قبائل یہود سے سابقہ پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف مانوس کرنے کے لیے انہی کا قبلہ باذن خداوندی اختیار کر لیا مگر پھر تجربہ سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آنے والے نہیں تو پھر آپ کو اپنے اصل قبلہ یعنی بیت اللہ کی طرف رخ انور کرنے کا حکم مل گیا جو آپ کو اپنے آباء ابراہیم و اسمٰعیل کا قبلہ ہونے کی وجہ سے طبعًا محبوب تھا۔ علامہ سیوطی نے بھی تالفًا للیہود سے اسی حکمت کی وضاحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ علم ظهور (ظاہری طور پر بھی معلوم ہو جائے) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر معتزلہ حضرات کا رد فرمایا ہے کیفیت تردید سے قبل ایک فائدہ ملاحظہ فرمائیں۔

فائدہ: اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے کہ جس طرح ذات باری تعالیٰ قدیم اور صفت حدوثیت سے پاک ہیں اسی طرح ان کی صفات مبارکہ بھی قدیم ہیں اور حدوثیت سے پاک ہیں جب کہ معتزلہ حضرات کے نزدیک ذات باری تعالیٰ تو قدیم ہے مگر صفات باری تعالیٰ قدیم نہیں بلکہ حادث ہیں مثلاً صفت رزاقیت (روزی دینے کی صفت) ہے قدیم لیکن جب ہم کو رزق ملے گا تو اسی وقت ہم اس کو رزاق کہیں گے۔ اس مقام پر بھی معتزلہ نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کیلئے آیت مذکورہ (اِلَّا لِنَعْلَمَ) سے دلیل باطل پکڑنے کی کوشش کی ہے۔

سوال: جب ذات باری تعالیٰ کا علم قدیم ہے تو پھر لنعلم کیوں فرمایا بلکہ اس کی جگہ استعمال فرماتے۔

جواب: علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر جواب دیا کہ یہ مفعول مطلق للنوع ہے یعنی حق تعالیٰ کا علم فی نفسہ تو قدیم ہے لیکن اس کا ظہور حادث ہو سکتا ہے جو یہاں مراد ہے یا یوں کہا جائے کہ اس علم کا متعلق یعنی بعض کا ایمان لانا اور بعض کا

کفر اختیار کرلینا یہ فی الحقیقت حادث ہے یہاں پر یہی مقصود ہے نہ کہ مطلقاً
علم ذات باری تعالیٰ۔

قولہٗ فیصدقہٗ : یتّبع اتباع سے مشتق ہے۔ اتباع دو قسم ہے۔
اوّل : اتباع حسّی کہ کسی آدمی کے پیچھے چلا جائے۔ دوم اتباع معنوی کہ جو بات وہ
کہے اس کی تصدیق کی جائے اور اسے سچا تسلیم کرے۔ سیوطیؒ نے فیصدقہ
کا کلمہ نکال کر اشارہ کیا کہ یتّبع الرّسول کے اندر اتباع حسّی مراد نہیں بلکہ معنوی اتباع
مراد ہے جس کا تعلق تصدیق کے ساتھ ہے۔

قولہٗ ای یرجع الی الکفر (کون لوٹتا ہے طرف کفر کے شک کرتے
ہوئے دین میں) ینقلب انقلاب سے ہے بمعنی پھرنا، رجوع کرنا، رجوع دو
قسم پر ہے۔ اوّل رجوع حسّی کہ آدمی پیچھے کی طرف پاؤں کے بل لوٹے۔ دوم معنوی
کہ سچے دین کو چھوڑ کر کفر کی طرف رجوع کرے۔ علامہ سیوطیؒ نے یرجع الی الکفر
نکال کر اشارہ کیا کہ رجوع (پھرنا) حسّی نہیں بلکہ معنوی ہے۔ بل ھو کنایۃ عن
الرّجوع للکفر کما جاء فی سُورۃ مُحَمَّدْ رکوع ۳ اِنَّ الّذینَ ارتدوا
علی ادبارھم من بعد ما تبیّن لھم الھُدیٰ۔

قولہٗ شکًّا فی الدّین : یہ انقلاب کی علت اوّل ہے کہ اصلاً ان کو سچے
دین میں شک ہے۔

قولہٗ و ظنًّا انّ النّبیّ فی حیرۃ من امرہٖ (اور یہ گمان کر کے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دربارہ قبلہ حیرت میں ہیں) یہ انقلاب کی علت ثانیہ ہے
کہ مشرکین و منافقین کا گمان یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) دعوئ نبوت کرنے والا خود پریشانی
اور حیرانگی کا شکار ہے کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کرتا ہے کبھی بیت اللہ کی طرف
لہٰذا ہم اس کی اتباع کیسے کریں۔

قولہٗ وقد ارتدّ لذالک جماعۃ (چنانچہ ایک جماعت اس بنیاد
پر مُرتد ہو گئی) بعض شارحین کے نزدیک علامہ سیوطیؒ کے یہ الفاظ صحیح نہیں کیونکہ اس

سے جماعت صحابہ کرامؓ کا ارتداد لازم آتا ہے جب کہ بروایت براءؓ بن عازب منقول ہے کہ ایک جگہ منادی کی آواز نماز میں رکوع کی حالت میں سُنی گئی اسی حالت میں سُنتے ہی سب کعبہ کی طرف مُڑ گئے۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ بنی سلمہ میں یہ اطلاع دوسرے روز صبح کی نماز میں پہنچی ایک رکعت ہو چکی تھی کہ آواز آئی خبردار رہو قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف کردیا گیا ہے۔ سُنتے ہی پوری جماعت گھوم گئی۔ لیکن جمہور شارحین کے نزدیک ارتداد جماعت کا تعلق منافقین کے ساتھ ہے نہ کہ مُسلمانوں کے ساتھ جیسے وظنًا ان النبیّ فی حیرۃ من امرہٖ منافقین کا قول ہے ایسے ہی ارتداد کا تعلق منافقین کی جماعت کے ساتھ ہے۔

قولہٗ ان مخففۃ من الثقیلۃ : یہاں سے علامہ سیوطیؒ لفظی تحقیق بیان فرمارہے ہیں کہ اصل میں یہ اِنْ اِنَّ تھا حروف از مشبہ بالفعل ثقل اور بوجھ کی وجہ سے اس کو اِنْ کردیا گیا۔ اور یہ اسم اور خبر کو تقاضا کرتا ہے تو اسم اس کا محذوف ہے اصل میں عبارت انہا ہے۔ ھا ضمیر اس کا اسم ہے۔ نیز اشارہ فرمایا کہ اِنْ نافیہ نہیں ہے دونوں کے استعمال میں فرق ہوتا ہے کہ اول کی خبر پر لام تاکید آتی ہے اور دوسرے کے بعد اِلَّا آتا ہے۔

قولہٗ ای التولیۃ الیہا یعنی تحویل قبلہ) کانَتْ کے ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے کہ کانت کی ضمیر قبلہ کی طرف ہے یا وَمَا جعلنا القِبلَۃَ سے جو ردّۃ اور تحویلیت اور جعلۃ سمجھی جاتی ہے اس کی طرف راجع ہے یعنی مرجع کا بیان ہے۔

قولہٗ شاقۃ علی الناس : اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل یہ جُملہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے تفسیر باللازم کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ بڑے کو بھاری ہونا لازم ہے یعنی کبیر کو ثقیل ہونا ہے۔ کمافی قولہٖ تعالیٰ " کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ " ای ثقل دوم یعنی لیس المُراد من الکبرۃ المعنی المتعارف وھو العظیم بل فی شاقۃ الناس ای المشقت۔

قولہٗ منہم : علامہ سیوطیؒ نے منہم ضمیر نکال کر ایک نحوی ضابطہ کی

طرف اشارہ کیا ہے۔ نحوی ضابطہ یہ ہے کہ صلہ کے اندر ضمیر کا ہونا شرط ہے جو راجع الی الموصول ہوتا ہے جب کہ اس مقام پر صلہ کے اندر ضمیر نہیں ہے یعنی اَلَّذِیْنَ موصول ھَدَی اللّٰہُ اس کا صلہ ہے جو خالی از ضمیر ہے تو مِنْھُمْ کا کلمہ نکال کر صلہ کے ضمیر کو بیان فرمایا یعنی بیان ضمیر صلہ ہے۔

قولہٗ ای صلاتکم الی بیت المقدس (یعنی نماز پڑھنا تمہارا طرف بیت المقدس کے) علامہ سیوطیؒ نے صلاتکم کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر ہے ایمان کا لیکن ارادہ نماز کا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایمان مرکب ہے لہٰذا ذکر ہے کل (ایمان) کا ارادہ ہے جزء (نماز) کا جب کہ احناف کے نزدیک ایمان بسیط ہے تو ذکر ہے کلی کا اور ارادہ ہے جزئی کا۔

سوال علامہ سیوطیؒ نے ایمان کی تفسیر صلاۃ کے ساتھ کیوں فرمائی ہے حالانکہ ایمان از قبیل اصول اور نماز از قبیل فروع و اعمال ہے۔

جواب اسلام کے ارکانوں میں سے شہادتین کے بعد اعظم رکن نماز ہے، ثانیاً وجوب صلوٰۃ اہل ایمان کے لیے ہے اسی طرح قبول صلوٰۃ بھی اہل ایمان کے لیے ہے۔ اور ادا بھی اہل ایمان کے لیے ہے تو تینوں مل کر دلیل ایمان بن جائیں گے۔ اس لیے علامہ سیوطیؒ نے ایمان کی تفسیر صلوٰۃ سے کی ہے کہ اصلاً صلوٰۃ ہے ہی مؤمنین کے لیے غیر مؤمنین کے لیے تو صرف اٹھنا بیٹھنا ہے۔

قولہٗ بل یثیبکم : یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : اللہ پاک نے فرمایا "مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ" کہ نمازیں ضائع نہیں ہوئیں یعنی صرف ادا ہوئیں۔ باقی ثواب اس کا ذکر تو نہیں ہے؟

جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے بَلْ یُثِیْبُکُمْ کا جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ صرف ادا نہیں بلکہ اس پر تمہیں جزا بھی ملے گی۔ یہی وجہ ہے صحابہ کرام کی وہ جماعت جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھی تھیں۔ وہ اس کو از قبیل تحدیث نعمت بیان فرماتے تھے "مَنْ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم

للقبلتين اعظم ممن اتى بعد ذالك -

قولهٗ لان سبب نزولها السوال : ایمان کی تفسیر صلوٰتکم کے ساتھ کرنے کی وجہ بتلانے کے لیے علامہ سیوطیؒ نے سبب نزول کا حوالہ دیا ہے یعنی ایمان کی تفسیر صلوٰتکم سے کرنے کی علت بیان کی ہے -

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ الخ والی آیت کا شانِ نزول

تفصیل شانِ نزول یہ ہے کہ حی بن الاخطب اور اس کے رفقاء یہود نے مسلمانوں کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ بیت المقدس کا استقبال دو حال سے خالی نہیں ہے - اگر ہدایت تھا تو اب تم گمراہی کی طرف گئے ہو اور اگر غلط تھا تو پہلے کیوں گمراہ رہے - نیز جن مسلمانوں کا انتقال تحویل قبلہ سے پہلے ہو گیا ان کی تمام نمازیں ضائع اور برباد ہوئیں یہ سن کر کچھ مسلمانوں کو بے چینی ہوئی - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں -

قولهٗ المؤمنين : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الناس کی الف لام عہدی ہے اس سے صرف مؤمنین مراد ہیں نہ کہ مطلق انسان -

قوله فی عدم اضاعة اعمالهم : (یعنی نہ ضائع کرنے کے ان کے اعمال کے) اس جملے کی دو غرضیں ہیں :

غرض اوّل بیانِ ربط کہ ما قبل میں عدم تضیع ایمان کا ذکر تھا اس کے بعد فرمایا لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کہ میں رؤف اور رحیم ہوں بظاہر ما قبل اور ما بعد والی کلام میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا - تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر ربط بیان فرمادیا کہ ما قبل میں عدم تضیع ایمان کا ذکر ہے - ما بعد میں بھی کہ میں رؤف و رحیم ہوں - لہٰذا میں کسی کے اعمال ضائع نہیں کروں گا بلکہ میرے ہاں تو شاکر لوگوں کی قدر ہے کما فی قوله تعالیٰ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ؁

غرضِ دوم : محلِ رأفت ورحمت کا بیان ہے یعنی مرکز رأفت (نرمی) ورحمت واقعی ذاتِ باری تعالیٰ ہیں۔

قولہٗ والرأفۃ شدۃ الرحمۃ : (رأفت زیادہ بہتر ہے رحمت سے) اس جملہ کی غرض دفعیہ سوال ہے۔

سوال رؤف میں بہ نسبت رحیم کے زیادہ مُبالغہ ہے اور قانون ہے کہ بلیغ کو پہلے اور أبلغ کو بعد میں لایا جاتا ہے۔ لہٰذا رحیم کو پہلے اور رؤف کو بعد میں لایا جاتا جبکہ یہاں عکس ہے۔

جوابِ اوّل علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رؤف رحیم دونوں لفظ مُبالغے کے لیے آتے ہیں لیکن اوّل صرف دفع ضرر کے لیے اور دوسرا عام معنیٰ کے لیے ہے جس میں دفع قہر بھی ہو اور جلب مِہر بھی لیکن جلبِ منفعت کے مقابلہ میں دفع مضرت چونکہ اہم ہوتا ہے اس لیے رؤف پہلے اور رحیم بعد میں لایا گیا۔

قولہٗ قدم الأبلغ للفاصلۃ (مقدم کیا گیا ہے زیادہ مُبالغہ والے کو رعایتِ فاصلہ کی وجہ سے) یہاں سے ماقبل والے سوال کا جواب ثانی دیا جارہا ہے

جوابِ ثانی علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ فاصلہ کے لیے یہ طرز اختیار کیا گیا ہے۔ اور فاصلہ کہتے ہیں آیت کے آخری حرف کو جیسے شعر کے لیے قافیہ ہوتا ہے۔ حاصل جواب ثانی یہ ہے کہ اگرچہ اوّل بہ نسبت دوسرے کے ابلغ ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہونی چاہیئے جیسے کہا جائے فُلَانٌ عَالِمٌ نِحْرِیْرٌ یہ کوئی نہیں کہتا کہ نِحْرِیْرٌ عَالِمٌ لیکن آیت سابق کا فاصلہ میم ہے یعنی یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اسی کی رعایت سے یہاں رؤف کو مقدم اور رحیم کو مؤخر لایا گیا۔

بیانِ فوائد

فائدہ اُولیٰ کیفیتِ شہادت

مفسرین حضرات میں اختلاف ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مقدس کے اندر جو فرمایا ہے کہ " وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ، تجھ یہ امت لوگوں پر گواہ ہوگی ۔ اس گواہی سے کیا مراد ہے یعنی شہادت کونسی مراد ہے ۔ شہادت دو قسم ہے :

اوّل شہادتِ اصل کہ میں نے زید کو اپنی آنکھوں سے یہ کام کرتے دیکھا ہے یہ اصل اور واقعہ کا گواہ ہے ۔

دوم شہادت تزکیہ : کہ قاضی گواہ کی شہادت پر کسی دوسرے آدمی سے اس کی صفائی ، توثیق اور تزکیہ کرائے کہ واقعی یہ گواہ سچا اور عادل ہے ۔ نیز جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے ۔ چنانچہ اکثر مفسرین حضرات شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ سے شہادتِ تزکیہ مراد لیتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ جب اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گواہی دے گی تو اُمم سابقہ کہیں گی کہ یہ اُمت جھوٹ بول رہی ہے ۔ کیونکہ یہ بعد میں آئی ہے ان کو کیا خبر تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کا تزکیہ فرمائیں گے اور اُمت کہے گی کہ ہم نے قرآن مقدس کے اندر پڑھا تھا اس میں لکھا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین حضرات شُهَدَآءَ بمعنیٰ مُزَکِّیًا کرتے ہیں ۔

فائدہ ثانیہ اعتدالِ اُمتِ محمدیہ

اُمت کا مُعتدِل ہونا بایں معنیٰ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ان میں افراط و تفریط نہیں پائی جاتی علیٰ ہذا ان کو احکام بھی معتدل دیے گئے ہیں ۔ افراط و تفریط سے خالی ہیں نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم اسی طرح یہاں تحویل قبلہ کے واقعہ میں بھی وہ اعتدال پسند رہے ہیں نہ لیے عامی اور معمول سمجھے کہ اگر حکم کی مصلحت

وحکمۃ سمجھائی جائے تب بھی نہ سمجھ سکیں اور نہ ایسے فلسفی کہ اگر کم نہ بتلائی جائے تو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں پس یہ ہر طرح معتدل ہیں اس لیے بڑے اچھے ہیں۔

قَدْ للتحقیق نَرٰی تَقَلُّبَ تصرفُ وَجْهِكَ فِي جهة السَّمَآءِ مُتطلعا الى الوحی ومُتشوّقًا للامر باستقبال الكعبة وكان يوُدّ ذالك لانّها قبلة ابراهيم ولانه ادعٰى الٰى اسلام العرب فَلَنُوَلِّيَنَّكَ نحولنك قِبْلَةً تَرْضٰهَا تحبها فَوَلِّ وَجْهَكَ استقبل فى الصلوٰة شَطْرَ نحو الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اى الكعبة وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ خطاب لاُمّة فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ فى الصّلوٰة شَطْرَهٗ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ اى التولّى الى الكعبة الْحَقُّ الثابت مِنْ رَّبِّهِمْ لما فى كتبهم من نعت النّبىّ صلّى الله عليه وسلّم من انّه يتحوّل اليها وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○ بالتاء ايّها المؤمنون من امتثال امره وبالياء اى اليهود من انكار امر القبلة

ترجمہ: یقیناً (تد تحقیق کے لیے) ہم دیکھ رہے ہیں بار بار اٹھانا (گھمانا) آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف (انتظار وحی اور استقبال کعبہ کے حکم کے شوق میں اور آپ کو یہ اس لیے مرغوب تھا کہ یہ آپ کا آبائی قبلہ تھا اور عرب کے اسلام لانے میں مؤثر ہوتا) اس لیے ہم آپ کو متوجہ کردیں گے (تحویل کا حکم دیں گے) اس قبلہ کی طرف جس کے لیے آپ کی مرضی ہے (آپ پسند کرتے ہیں) اب سے اپنا رخ (نماز میں استقبال) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجیے اور تم لوگ (خطاب امت کو ہے) جہاں کہیں بھی ہوا کرو کرلیا کرو اپنے چہروں کو (نماز میں) مسجد حرام کی جانب اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ کا حکم) بالکل ٹھیک (ثابت) ہے ان کے پروردگار کی جانب سے (ان کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے سلسلہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ آپ تحویل قبلہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی کارروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہیں (یَعْمَلُوْنَ تاء کے ساتھ ہے یعنی مؤمنین کا امتثالِ امر مراد ہے اور یاء کے ساتھ ہے تو یہود کا انکارِ قبلہ مراد ہے)

شانِ نزول

نسائی شریف کی روایت ابو سعید بن المعلّٰی سے یہ ہے کہ ایک دفعہ صبح کے وقت ہمارا گذر مسجد نبوی سے ہوا تو ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں ہم نے خیال کیا کہ ضرور کوئی نئی بات پیش آئی ہے چنانچہ آپ نے آیت "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے اترنے سے پہلے ہمیں دوگانہ ادا کرلینا چاہیے تاکہ سب سے اوّل تحویل قبلہ کی تعمیل کرنے والے ہم ہوں چنانچہ ہم نے دوگانہ ادا کیا اور آپ نے منبر سے اتر کر نماز ظہر پڑھائی۔

بیان اغراض جلالین

قولہٗ للتحقیق عموماً قَدْ دو معنوں میں مستعمل ہے۔

اوّل تقلیل کے لیے اس کو قَدْ تقلیلیہ کہتے ہیں یہ اپنے مدخول کے قلت پر دلالت کرتا ہے۔ دُوم تحقیق کے لیے اس کو قَدْ تحقیقیہ کہتے ہیں یہ اپنے مدخول کی تحقیق اور پختگی پر دلالت کرتا ہے۔

ثانیاً نحو کا قانون ہے کہ صیغہ مضارع پر قَدْ تقلیلیہ داخل ہوتا ہے نہ کہ قَدْ تحقیقیہ۔

سوال نحو کے قانون کے پیش نظر قَدْ نَرٰی والی آیت کا ترجمہ دُرست نہیں ہوتا کیونکہ آیت کا معنیٰ ہوگا کبھی کبھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ حالانکہ فی الواقع تو ایسا نہیں ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اکثر بار دیکھتے تھے۔

ثانیاً ایک دو بار نگاہ اٹھانے والے کو مُتقلّب البصر نہیں کہا جا سکتا۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے للتحقیق کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ نحوی قانون سَر آنکھوں پر مگر یہاں قَدْ تحقیق کے لیے ہے نہ کہ تقلیل کے لیے۔

کما فی قولہ تعالیٰ فی سُورۃ الاحزاب "قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ" کیونکہ نحوی قانون عموماً اکثریہ ہوتے ہیں کُلیہ نہیں ہوتے۔

قولہٗ تصرّف (پھیرنا) تغییرُ اللفظ بلفظٍ آخر ہے۔

قولہٗ جھۃ (طرف) دفعیہ سوال ہے۔

سوال فِي السَّمَآءِ کا جار مجرُور تقلّب کے مُتعلّق ہے۔ حالانکہ فی کی ظرفیّت صحیح نہیں کیونکہ معنیٰ ہوتا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا منہ پھیرنا بیچ آسمان کے حالانکہ آسمان تو محلِ تقلیب نہیں اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم زمین پر منہ پھیرتے تھے۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے مُضاف مقدر کر کے اشارہ کیا کہ جہت سما مُراد ہے کہ آسمان کی طرف دیکھتے تھے یعنی محل تقلیب طرفِ آسمان ہے نہ کہ خود آسمان، یعنی بیان مضاف مقدر ہے۔

قولہٗ مُتطلّعًا الی الوحی (اطلاع وحی کے لیے) یہ جملہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے تقلیب کی علّتِ اوّل بیان کی ہے کہ تقلیب کا مقصد صرف یہی تھا کہ وحی کی انتظار تھی کہ کب وحی آئے اور میں اپنے آبائی قبلہ کی طرف مُنہ کر دوں۔

قولہ مُتشوّقًا للامر (اور استقبال کعبہ کے حکم کے شوق ہیں) یہ علت ثانی ہے تقلیب کی کیونکہ کافی دنوں سے آپ کو تحویل قبلہ کا شوق تھا کہ میرا قبلہ بدل جائے۔

قولہٗ باستقبال الکعبۃ (منہ کرنا کعبہ کی طرف) باستقبال کی باء تصویریہ ہے یہ للامر کی تصویر بیان کی ہے کہ امر سے مراد تحویل کعبہ کا امر ہے نہ کہ نماز وغیرہ کا۔

قولہٗ وکان یوُدّ ذالک (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس استقبال کعبہ کو محبوب رکھتے تھے) اس کی غرض بیانِ اثبات محبّت دربارہ بیتُ اللہ۔

قولہ لانّہ قبلۃ ابراھیم (کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا)

علّت اوّل

محبّت بیتُ اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیمی کے دعویدار تھے۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا۔ (نحل پ۱۴) اور ابراہیم علیہ السّلام کا قبلہ بیتُ اللہ تھا نہ کہ بیتُ المقدس۔

قولہٗ ولانّہ ادعیٰ الی اسلام العرب (کیونکہ بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے میں امید تھی عرب کے اسلام لانے کی طرف)

علّت ثانی

یہ علت ثانی ہے محبت بیت اللہ کی کعبہ کے قبلہ ہونے پر چونکہ اہل کتاب اور عرب سب متفق تھے کہ یہ قبلہ جامعہ ہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس طرف منہ کریں گے تو قبائل عرب یہ سمجھیں گے کہ اس مسئلہ میں واقعی آپ ابراہیم علیہ السّلام کی اتباع کر رہے ہیں اور یہ بات بیت المقدس میں نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ اس بات سے ان کے دل نرم ہوجائیں اور ہماری دعوت قبول کرلیں۔ اسی کو علامہ سیوطیؒ نے ادعیٰ الی اسلام العرب سے تعبیر فرمایا۔

قولہٗ نحولنک : تولّی کے دو معنیٰ ہیں۔ اوّل تحویل اس کا صلہ الیٰ آتا ہے اور یہ باب ایک مفعول کو تقاضا کرے گا یعنی فلنولّینّک بمعنی نحولنک حذف والایصال ہوگا۔ اصل عبارت یوں تھی " نحولنک الیٰ قبلۃٍ ترضٰھا۔ دوّم تولّی بمعنیٰ التعریف

تو یہ دو مفعولوں کو تقاضا کرے گا مفعول اول کاف خطاب مفعول ثانی قبلۃ ہے ۔ علامہ سیوطیؒ نے نحو لنک کا جملہ نکال کر اول معنی کو ترجیح دی ہے ۔ اس کو علماء کی اصطلاح میں لتعیین احد المعانی کہتے ہیں ۔

قولہٗ تحبّھا : دفعیہ سوال ہے ۔

سوال رضا مقابل ہوتی ہے ناراضگی کے تو قبلۃً ترضٰھا کا معنیٰ ہوگا کہ ایسا قبلہ جس پر آپ راضی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے قبلہ ہونے پر راضی ہیں اور بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر ناراض تھے ۔ حالانکہ نبی کی ذات مبارک اللہ کے حکم سے ناراض نہیں ہو سکتی وہ تو مأمور من اللہ ہوتے ہیں ۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں رضا مقابل ناراضگی کے نہیں بلکہ بمعنیٰ حُبّ طبعی کے ہے یعنی طبعیت کا تقاضا بیت اللہ کی طرف تھا لیکن قبل ازیں تحویل آپ شرعًا بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر راضی تھے ۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ الباری : اگر علامہ سیوطیؒ تحبّھا کے بجائے تُحبّھا حُبًّا طبیعًا نکالتے تو بہتر تھا کیونکہ اس سے میلان طبعی کی وضاحت بھی ہو جاتی اور یہ اعتراض بھی وارد نہ ہوتا ۔

سوال اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے وعدہ کیا "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا" پھر حکم دیا "فَوَلِّ وَجْهَكَ" یہ ترتیب کیوں اختیار کی پہلے سے ہی حکم دے دیتے ۔

جواب یہ ترتیب اس لیے اختیار کی کہ پہلے انتظار و شوق کی لذت پھر ایفائے وعدہ کی لذت اس میں دوہری لذت و سُرور مقصود ہے جو کہ صرف حکم دینے سے حاصل نہ ہوتی یعنی دو آتشہ خوشی ہوگی ۔

قولہٗ استقبل لفظ وجھہ کا اطلاق منہ پر ہوتا ہے ۔ آیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکم دیا جا رہا ہے کہ منہ کو پھیرو حالانکہ صرف منہ کے پھیرنے سے تو پورا

استقبال کعبہ نہیں ہوتا تو علامہ سیوطیؒ نے " اِسْتَقْبَلَ " کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر تو وجہ کا ہے لیکن مراد تمامی وجود ہے کہ پورے وجود کا پھیرنا ہی مقصود ہے۔

قولہٗ فی الصلوٰۃِ : دفعیہ سوال ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ " فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " کہ مسجد حرام کی طرف منہ کو پھیرو۔ حالانکہ فی الواقع تو ایسا نہیں یعنی ہر وقت تو مسجد حرام کی طرف مُنہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے فِی الصَّلوٰۃِ کا جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اِستقبال فی الصلوٰۃ مراد ہے۔ یعنی " فَوَلِّ وَجْهَكَ " والا قول مُطلق نہیں بلکہ نماز کے ساتھ مُقیّد ہے۔

قولہ نحو : شَطْر کے دو معنیٰ ہیں : اوّل شَطْر بمعنیٰ نصف وجزو (شیٔ) کسی چیز کا آدھا حصّہ وجزو۔ کما فی قولہٖ علیہ السلام " اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ " دوم بمعنیٰ جہت وطرف : کما فی قولہٖ تعالیٰ " فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

علامہ سیوطیؒ نے نحو کا جُملہ نکال کر تعیین فرما دی کہ یہاں شطر بمعنی طرف وجہت ہے نہ کہ نصف یعنی تعیین احدُ المعانی ہے۔

قولہٗ ای الکعبۃ : مکۃ المکرمہ زادھما اللہ شرفاً وکرماً میں تین چیزیں ہیں:

(۱) حرم شریف (۲) مسجد حرام (۳) بیتُ اللہ۔

سوال قرآن مقدس میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے : " فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " حالانکہ قبلہ تو بیتُ اللہ یعنی کعبہ ہے نہ کہ مسجد حرام۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے الکعبۃ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہ تسمیۃُ المحاط باسم المحیط کے طور پر ہے یعنی ذکر تو مسجد حرام (محیط) کا ہے اور ارادہ کعبہ (مُحاط) کا ہے۔

سوال : اللہ تبارک وتعالیٰ نے کعبہ کے بجائے مسجدُ الحرام کیوں فرمایا ؟

جواب يقول شيخ جاجروی رحمه الباری مسجد الحرام کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قریب رہنے والوں کے لیے تو عین کعبہ کا استقبال ضروری ہے لیکن دور رہنے والوں کے لیے یہ توسع کیا گیا ہے کہ اگر بجائے عین کعبہ مسجد الحرام کا استقبال کر لیا جائے جس کو جہتِ کعبہ کا استقبال کہتے ہیں اور وہ پہلے سے زیادہ وسیع ہے تب بھی جائز ہے کما قال علامہ زمخشریؒ۔

قولہ خطاب للامۃ : اس کی دو غرضیں ہیں :

اوّل : تعیینِ مخاطب : کہ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ کا خطاب اُمّتِ محمدیہ کو ہے۔

دوم : دفعیہ سوال ہے۔

سوال قرآن مقدس کی آیت میں تکرار ہے کیونکہ "فَوَلِّ وَجْهَكَ" الخ والا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور "حَيْثُ مَا كُنْتُمْ" والا حکم بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ تو یہ کلام میں تکرار ہوا۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے "خطاب للامۃ" کا کلمہ نکال کر جواب دیا کہ آیت میں تکرار نہیں ہے کیونکہ "فَوَلِّ وَجْهَكَ" والا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اور "حَيْثُ مَا كُنْتُمْ" والا حکم امت کو ہے لہٰذا فلا تکرار۔!

قولہ فی الصلوٰۃ : تولّی دو قسم ہے :

اوّل: تولّی عام : یعنی منہ کا پھیرنا جب چاہیں جس وقت چاہیں، جس طرف چاہیں۔

دوم: تولّی خاص : یعنی صرف نماز میں منہ کا پھیرنا۔ علامہ سیوطیؒ نے "فی الصلوٰۃ" کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ "فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ" میں تولّی خاص مراد ہے نہ کہ عام جس کا تعلق نماز کے ساتھ ہے۔

قولہ ای التولی الی الکعبۃ : (یعنی کعبہ کی طرف منہ کرنا) انّہٗ ضمیر کے مرجع کا بیان ہے یعنی بیان مرجع ہے۔

يقول شيخ جاجروی رحمه الباری : ويصحّ انه عائدٌ الى النبيّ صلى الله عليه وسلم اوا لنسخ لانّ كلاًّ مذكورًا فى الاٰية والمآل واحدٌ۔!

قولهٗ الثابت : حق کے دو معنیٰ ہیں۔ اوّل حق بمعنی واجب دوم بمعنیٰ ثابت۔ سیوطیؒ نے ثابت کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا ہے کہ حق بمعنیٰ ثابت ہے نہ کہ واجب یعنی تعیین احد المعانی ہے۔

قوله لما فی کتبهم (ان کتابوں میں لکھا ہوا تھا) اس کی دو غرضیں ہیں
اوّل : یعلمون انه الحق کی علت ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ تبدیل ہوگا۔
دوم : کیفیت ثبوتِ حق : کہ حق ثابت ہونے کا کیا ثبوت ہے یا کس طریقے پر حق ثابت ہوگا۔ تو یہ لوگ اعتراض کرنے سے پہلے اپنی کتب کو دیکھ لیں خود ان کی کتابوں میں ہماری تائید موجود ہے۔

قوله من نعت النبی صلی الله علیه وسلم (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف) علامہ سیوطیؒ نے لِمَا کے مَا کا بیان فرمایا ہے۔ کہ مَا سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ ہیں۔

قولهٗ من انه یتحول الیها (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحویل قبلہ فرمائینگے) بیانِ نعت ہے کیونکہ صفات مبارکہ تو کثیرہ تھیں۔ لیکن یہاں تحویل قبلہ والی صفت مراد ہے۔

قولهٗ بالتاء ایها المؤمنین الخ (یعلمون تاء کے ساتھ ہے۔ یعنی مؤمنین کا امتثالِ امر مراد ہے اور یاء کے ساتھ ہے تو یہود کا انکارِ قبلہ مراد ہے) یہاں سے علامہ سیوطیؒ قرأت کا بیان ذکر فرما رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یعلمون کی دو قرائتیں ہیں۔ پہلی قرأت تعلمون (بالتاء) کے ساتھ ہو تو اس وقت خطاب مؤمنین کو ہوگا۔ دوسری قرأت یعلمون (بالیاء) تو اس وقت خطاب یہود کو ہوگا۔ ان دونوں قرأتوں میں امتثال امر ہے یعنی مؤمنین کے لیے وعدۂ ثواب کہ خدا تمہارے عملوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ تمہیں تمہارے عملوں کی پوری پوری جزا ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہارے عملوں سے غافل نہیں۔

یہود کے لیے بھی امتثالِ امر ہے کہ یہود کے لیے وعدۂ عقاب ہے کہ تم تحویلِ قبلہ کے منکر ہو رہے ہو جب کہ تمہاری کتب میں اس کا ثبوت موجود ہے ضرور تمہیں اس کی سزا ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہارے عملوں سے غافل نہیں۔

قولہٗ ایھا المؤمنون : تعیینِ مخاطب ہے۔

قولہٗ من امتثال امرہٖ : یہ عمّا یعملون کے ما کا بیان ہے۔

قولہٗ ای الیھود قد مرّ قولہٗ من انکار امر القبلۃ قد مرّ انفًا۔

بیانِ فوائد

تحویلِ قبلہ کے حکیمانہ جوابات

یہاں سے تحویلِ قبلہ کے تین حکیمانہ جوابات کا سلسلہ شروع فرما رہے ہیں:

جواب اوّل حکیمانہ

جس میں پہلی حکمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری اور خوشنودیٔ مزاج ہے۔ آپ کا اشتیاق کہ بیت اللہ قبلہ ہو جائے۔ کئی شرعی مصلحتوں سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ اسلام ملتِ ابراہیمی کے مطابق ہے تو قبلہ بھی اسی کے مطابق رہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں عرب کے لیے اسلام کی طرف کشش کا پہلو بھی ہے کہ وہ دینِ ابراہیم کا نام لے کر جو احترام کرتے ہیں ممکن ہے اس بہانہ سے وہ اسلام کے قریب آجائیں۔ رہ گئے اہل کتاب تو ڈیڑھ سالہ تجربہ نے ان سے مایوس کر دیا ہے۔ مانوسیت اور مایوسیت دونوں وجوہ سے آپ کا اشتیاق بڑھا اور آپ کی محبوبیت و مرادیت تحویل قبلہ کے لیے مرجح بن گئی اور ممکن ہے کہ منشاء الٰہی کا علم آپ کو ہو گیا ہو تب ہی دعا کا داعیہ ہوا۔

مَساجد کے لیے سمتِ قبلہ کی تعیین

صحابہ کرام، تابعین اور سلف صالحین کا سیدھا سادہ طریقہ سمت قبلہ دریافت کرنے کا یہ رہا ہے کہ صحابہ کی بنائی ہوئی کسی مسجد کو دیکھ کر اس سے قریبی مسجد کا رخ ٹھیک کر لیا اور پھر اس سے قریب دوسری مساجد کا اسی طرح دور دور تک مسلمان ٹھیک ٹھیک رُخ پر مساجد بناتے چلے گئے جنگلوں پہاڑوں، جزیروں، گاؤں، شہروں میں سب جگہ اسی سادہ اور آسان طریقہ پر مساجد تعمیر کی گئیں۔ وہ ریاضی اصطرلاب، قطب نما وغیرہ آلات کے تکلفات میں نہیں پڑے۔ غرضیکہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی یہ مساجد رخ بتلانے کے لیے کافی ہیں بلا وجہ ان میں فلسفیانہ شبہات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین، سلف صالحین اور عامۃ مسلمین پر بدگمانی ہونے لگتی ہے کہ ان کا قبلہ اور نمازیں درست نہیں ہوئیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم علامہ ابن رجب حنبلی ان تکلفات سے منع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واما علم التیسیر فاذا تعلم منہ مایحتاج الیہ للاستھداء ومعرفۃ القبلۃ والطرق کان جائزا عند الجمھور وما زاد علیہ فلاحاجۃ الیہ وھو یشغل عما ھو اھم منہ وربما ادی التدقیق فیہ الی اساءۃ الظن بمحاریب المسلمین فی امصارھم کما وقع فی ذالک کثیر من ھذا العلم قدیمًا وحدیثًا وذٰلک یفضی الی اعتقاد خطاء الصحابۃ والتابعین فی صلواتھم فی کثیر من الامصار وھو باطل وقد انکر الامام احمد الاستدلال بالجدی وقال انما ورد ما بین المشرق والمغرب قبلۃ

ترجمہ البتہ علم تیسیر جمہور کے نزدیک اتنا حاصل کرنا جائز ہے جس سے رہنمائی اور قبلہ اور راستوں کی شناخت ہو سکے اس سے زیادہ غیر ضروری ہے ورنہ ضروریات سے غفلت ہو جائے گی۔ بعض دفعہ تدقیقات میں پڑنے سے عامہ بلاد اسلامیہ میں مسلمانوں کی مساجد سے بدگمانی ہو جائیگی اس فن میں مشغول ہونے والوں کو ہمیشہ ایسے شبہات رہتے ہیں اس سے یہ بھی گمان پیدا ہوگا کہ بہت سے شہروں میں صحابہ تابعین کی نمازیں غلط ہوئی ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ امام احمد نے قطب ستارہ سے سمت قبلہ میں استدلال کو منع کیا ہے اور فرمایا کہ حدیث شریف میں مشرق ومغرب قبلہ فرمایا گیا ہے جس میں پوری درمیانی جہت آجاتی ہے

تفسیر انوار ص ۲۹۸ ج ا

البتہ جہاں پرانی مساجد بنی ہوئی نہ ہوں وہاں سمت قبلہ متعین کرنا ہو تو شرعی طریقہ جو صحابہؓ اور تابعینؒ سے ثابت ہے یہ ہے کہ چاند سورج اور قطب تارہ وغیرہ مشہور ذرائع سے اندازہ کر کے سمتِ قبلہ متعین کر لی جائے اور معمولی فرق کو نظرانداز کر دیا جائے۔

صاحب بدائع کی تصریح کے مطابق دور دراز کے ایسے ممالک میں اندازہ اور غور و فکر سے قائم ہونے والی جہت کو قبلہ کے قائم مقام قرار دیا ہے اسی پر شرعی احکام دائر ہیں۔ چنانچہ سونے کو ریح نکلنے کے قائم مقام قرار دے کر وضو ٹوٹ جانے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح شرعی سفر کو مشقت اور تکلیف کے قائم مقام قرار دے کر سفر کی رخصتیں مرتب کر دی گئیں۔ پس دور دراز ممالک میں مشہور علامات و نشانات کے ذریعہ تحری کر کے جو سمتِ قبلہ متعین کی جائیگی وہی شرعاً کعبہ کے قائمقام ہو جائے گی۔ علامہ بحر العلوم مسائل الارکان میں لکھتے ہیں :

والشرط وقوع المسامتة علی حسب ما یری المصلی ونحن غیر مامورین بالمسامتة علی ما یحکم بہ الآلات الرصدیة ولھذا افتوا ان الانحراف المفسد ان یتجاوز المشارق والمغارب۔

(تفسیر انوار ص ۲۹۸ ج ا)

ترجمہ : استقبال قبلہ میں ضروری شرط صرف یہ ہے کہ نمازی کی رائے اور اندازہ کے موافق کعبہ کے ساتھ محاذات واقع ہو جائے اور ہم اس کے مکلف نہیں کہ وہ درجہ محاذات پیدا کریں جو آلات رصدیہ کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے اس لیے فتوٰی یہی ہے کہ نماز کے لیے وہ انحراف مفسد ہے جس میں مشرق و مغرب کا فرق ہو جائے۔

وَلَئِنْ لام قسم اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ
على صدقك فى امر القبلة مَّا تَبِعُوْا اى لا يتّبعون
قِبْلَتَكَ عنادًا وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ قطع لطمعه
فى اسلامهم وطمعهم فى عوده اليها وَمَا بَعْضُهُمْ
بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ اى اليهود قبلة النّصارٰى وبالعكس
وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ الّتى يدعونك اليها مِنْ بَعْدِ مَا
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ الوحى اِنَّكَ اِذًا ان اتبعتهم فرضًا
لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ
اى محمّدًا كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ بنعته فى
كتابهم قال ابن سلام لقد عرفته حين رأيته
كما اعرف ابنى ومعرفتى لمحمّد اشدّ رواہ البخاری
وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ نعته وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ○ هٰذا الّذى انت عليه اَلْحَقُّ كائنًا
مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ الشّاكّين
فيه اى من هذا النّوع فهو ابلغ من لا تمتر

ترجمہ اور اگر (اس میں لام قسمیہ ہے) آپ اہل کتاب کے سامنے تمام دلائل پیش کر دیں گے (قبلہ کے سلسلہ میں اپنی صداقت پر)

جب بھی یہ قبول نہیں کریں گے (تقلید نہیں کریں گے) آپ کے قبلہ کو (عناد کی وجہ سے) اور آپ بھی ان کے قبلہ کی تقلید نہیں کر سکتے (اس میں ان کے اسلام سے آپ کو نا امید کرنا ہے اور ان کی اُمید کو آپ کے رجوع سے منقطع کرنا ہے) اور اُن میں آپس میں بھی بعض ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع نہیں کرتے (یعنی یہود قبلہ نصاریٰ کا، اور نصاریٰ قبلہ یہود کا) اور آپؐ اگر ان کے نفسانی خیالات کی پیروی کرنے لگیں (جس کی طرف یہ آپ کو بلا رہے ہیں) آپؐ کے پاس علم (وحی) آجانے کے بعد تو آپ یقیناً اس وقت (کہ بالفرض آپ ان کا اتباع کر بیٹھیں) ظالموں میں شمار ہونے لگیں گے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (آپ کی تعریف سے جو ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ عبدُاللہ بن سلام کا بیان ہے کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا جس طرح اپنے بیٹے کو شناخت کر لیتا ہوں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت بیٹے کی شناخت سے بھی بڑھ کر ہے یہ روایت بُخاری شریف کی ہے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ کتمانِ حق کرتے ہیں (دربارہ آپ کی نعت کے) باوجودیکہ وہ خوب جانتے ہیں (کہ آپ جس طریقے پر ہیں وہ حق منجانب اللہ (ثابت) ہے۔ سو ہرگز آپ شک و شبہ میں پڑنے والوں سے مت ہوئیے (اس میں شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوئیے یعنی آپ اس قسم میں شمار نہ ہوئیے اس لیے یہ طرز تعبیر لفظ لَا تَمْتَرِ سے زیادہ بلیغ ہے۔

بیانِ ربط

سابقہ آیات میں تحویل قبلہ کی بحث تھی اس لیے اسی بحث کو جاری رکھتے ہیں۔ ان آیات میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل کتاب کا تحویل قبلہ پر اعتراض کرنا محض تعصّب اور گروہ بندی کا نتیجہ ہے اگر ان میں حق پرستی ہوتی تو خود وہ قبلہ کے بارہ میں اس طرح کیوں دست و گریباں ہوتے کہ یہودی عیسائیوں کا قبلہ نہیں مانتے اور عیسائی قبلہ یہود کے منکر

ہیں۔ اسی طرح دونوں کا قبلہ ایک بیتُ المقدس ہوتے ہوئے بھی گویا ایک نہیں ہے ایک کی سمت مشرق ہے اور دوسرے کی سمت مغرب! جب صُورتِ حال یہ ہو تو ایسے لوگوں کے اتفاق و اختلاف سے قطع نظر کرلینی چاہیئے جنہوں نے حق سے بالکل یک قلم کنارہ کشی کرلی ہو۔

بیانِ اَغراضِ جَلالین

قولهٗ لامِ قسمٍ : اس کی دوؔ غرضیں ہیں۔ اوّلؔ تعیینِ لام ہے کہ وَلَئِنْ کی لام قسمیہ ہے۔ دوؔم دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ یہ جملہ شرطیہ ہے اور تقاضا کرتا ہے جواب کو اس کا جواب مَا تَبِعُوْا الخ ہے وہذا لایجوز کیونکہ قانون ہے کہ جب جواب شرط ماضی منفی ہو تو جواب میں فاء کا ہونا لازم ہے جب کہ یہاں تو فاء موجود نہیں بلکہ میم ہے مَا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ الخ۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لام قسم کی ہے لام شرط کی نہیں۔ وَلهٰذا فلا یجب فی الجواب الفاء۔

قوله علیٰ صدقك فی امر القبلة : (اور اپنی سچائی کے تحویل قبلہ کے سلسلہ میں) عند البعض علامہ سیوطیؒ نے یہ پورا جملہ ربط پیدا کرنے کیلئے مُقدّر کیا ہے۔ کما قال صاحبُ الترویح۔

یقول شیخ جاجروی رحمہُ الباری : یہ دو جملے ہیں اور علیحدہ علیحدہ غرض رکھتے ہیں علیٰ صدقك یہ بیان صلہ ہے۔ ایۃ کا۔

قولهٗ فی امر القبلة : یہ صدقك کا صلہ ہے۔

قولهٗ ای لا یتبعون (تقلید نہیں کریں گے) سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال : تَبِعُوْا ماضی شرط ہے اور شرط میں استقبال کا معنیٰ ہوتا ہے جبکہ یہاں استقبال نہیں بلکہ ماضی ہے۔

جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ مقدر کرکے اشارہ فرمایا کہ ماضی مضارع کے معنیٰ میں ہے یعنی تَبِعُوْا لا یتبعون کے معنیٰ میں ہے۔

قولهٗ عنادًا (ضد کی وجہ سے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : اللہ پاک فرما رہے ہیں ما تبعوا قبلتك کہ یہ لوگ آپ کے قبلہ کی اتباع نہیں کریں گے حالانکہ کثیر لوگ تھے جن کو اللہ پاک نے ایمان نصیب فرمایا۔ بعدہٗ قبلہ کی اتباع کرتے رہے۔

جواب : عدم اتباع کی دو صورتیں ہیں۔

صورت اوّل شبہات کی وجہ سے اتباع نہ کی جائے یہ صورت یہود و نصاریٰ کے حق میں ناممکن ہے کیونکہ دلائل کثیرہ سے ان کے شبہات کو دفع کر دیا گیا ہے۔

صورت دوم مسئلہ کی صداقت وحقانیت کو دل میں تسلیم کرتے ہوئے بھی انکار کیا جائے جو محض اور محض ضد ہٹ دھرمی ہی ہو سکتی ہے علامہ سیوطیؒ نے عِنَادًا کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ان کا اتباع نہ کرنا محض ضد کی وجہ سے تھا نہ کہ شبہات کی وجہ سے۔ شبہات تو ان کے پہلے ہی زائل کر دیے تھے۔

قولهٗ قطع لطمعہٖ فی اسلامھم (اس میں اُن کے اسلام سے آپ کو نا اُمید کرنا ہے) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر مَا تَبِعُوْا کی علت بیان کی ہے۔ یعنی قبلہ والے مسئلہ میں آپ کی تقلید مُوحّد مومن ہی کر سکتے ہیں ان کے دلوں میں ایمان نہیں پھر یہ کیونکر آپ کی اتباع کریں۔ لہٰذا آپ ان کے اسلام لانے سے مایوس ہو جائیں کیونکہ آپ کی ذات مبارکہ حریص علی الاسلام تھی۔ ثانیًا مایوسی میں راحت قلبی کا سامان بھی موجود ہے کہ یکسو ہو کر آپ مومنوں پر محنت کریں۔

قولهٗ وطمعھم فی عودہٖ الیھا (اور ان کی امید کو آپ کے رجوع

سے منقطع کرنا ہے) یہ علت ہے مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ کی کہ آپ کی ذات مبارکہ بھی ان کے قبلہ کی اتباع نہیں کریگی۔ کیونکہ اب تحویل قبلہ ہو چکا ہے۔ ثانیاً یہود و نصاریٰ آپ کی استقامت فی الدین کو دیکھ کر مایوس ہو چکے ہیں کہ آپ کی ذات پاک تابع نہیں بن سکتی بلکہ متبوع ہو سکتی ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ علامہ سیوطیؒ نے پہلے دونوں جملوں (مَا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ اور وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ) پر ان دونوں وجوہ (قطع لطمعہ فی اسلامھم اور وقطع طمعھم فی عودہ الیھا) کو لف ونشر مرتب کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

قولہٗ ای الیھود قبلۃ النّصاریٰ (یعنی یہودی نصاریٰ کے قبلہ کی اتباع نہیں کریں گے) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر بعضھم کی تعیین فرمائی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کا آپس میں بھی اختلاف ہے کیونکہ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ مطلع الشمس ہے۔

قولہٗ بالعکس (یعنی ای النّصاریٰ قبلۃ الیھود) کہ یہی حال نصاریٰ کا ہے کہ وہ یہود کے قبلہ کی اتباع نہیں کریں گے۔ غرض اس کی تعیین لبعض ثانی۔

قولہ التی یدعونك الیھا (جس کی طرف یہ آپ کو بلا رہے ہیں) اھواء جمع ہے ھواء کی ھوا بمعنیٰ خواہش، خواہش دو قسم ہے۔

اوّل: متفق علیہ مثلاً زنا غیبت وغیرہ یہ انسانی خواہشات ہیں لیکن برُے ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

دوم مختلف: اسلام کے اعتبار سے خواہش ہے ان کے مذہب کے اعتبار سے حق ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر تعیین فرما دی کہ ہمارے مذہب کے اعتبار سے جو خواہش ہو وہی معتبر ہے۔

قولہٗ الوحی: علامہ سیوطیؒ نے وَحی کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ علم سے مراد علمِ وحی ہے۔

سوال: کیا قرینہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے علم سے علمِ وحی مراد لیا ہے؟

جواب: قرینہ یہ ہے کہ مَا جَاءَ کَ کی نسبت اور اسناد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور آپ کے پاس جو علم بھی تھا وہ بذریعہ وحی عطا ہوا تھا۔

قولہٗ ان اتبعتھم فرضًا (بالفرض آپؐ ان کی اتباع کر بیٹھیں) علامہ سیوطیؒ یہاں سے دفعیہ سوال مقدر فرما رہے ہیں۔

سوال اہل سُنّت والجماعت کا مسلک ہے کہ انبیاء کرام کی ذوات مُبارکہ ہر قسم کے غلط خواہشات سے پاک محفوظ و معصوم ہوتے ہیں۔ ان کی طرف غلط خواہشات کی نسبت کرنا یا ان سے ان غلط خواہشات کا وقوع ہونا ناممکن اور محال ہوتا ہے جبکہ اس مقام پر تو اھواء کی نسبت حضرتؐ کی ذاتِ گرامی کی طرف ہے۔

جواب یہ خطاب رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فرض ومحال کے ہے جس کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں اور دراصل سنانا اُمّتِ محمدیہ کو ہے کہ اس کی خلاف ورزی ایسی چیز ہے کہ خود رسول بھی بفرضِ محال ایسا کریں تو وہ بھی ظالم قرار پائیں اس کی متعدد مثالیں قرآن مقدس کے اندر موجود ہیں مثلاً سُورۃ انبیاء پ۱۷ ع ۲ میں ہے "وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ۔ اور سورۃ زمر پ۲۴ ع ۴ میں ہے " لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

قولہٗ ای مُحَمَّدًا : یعرفونہٗ کی ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے یعنی بیانِ مرجع ہے۔ عند البعض تحویل قبلہ کی طرف ہے کیونکہ تحویل قبلہ کا مسئلہ تورات کے اندر موجود تھا۔ بعض حضرات کے نزدیک قرآن مقدس کی طرف راجع ہے یعنی یَعْرِفونہ القرٰان کما یعرفون التوراۃ والانجیل وابناءھم

قولہٗ بنعتہٖ فی کتابھم (آپ کی تعریف سے جو ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے) بنعتہٖ کی باسببیہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر سبب

معرفت یا علت معرفت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ان کے لیے ایسے تھی جیسے خود ان کا اپنے بیٹوں کو پہچاننا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کے اوصاف مبارکہ خود ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور رات دن یہ اپنی کتاب میں ان اوصافوں کو پڑھتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے خوب اچھے طریقہ پر ان کو پہچان ہو چکی ہے ان کا انکار محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔

قولہ قال ابن سلام لقد عرفته حین رأیته الخ۔
(عبداللہ بن سلام کا بیان ہے کہ میں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا جس طرح اپنے بیٹے کو شناخت کر لیتا ہوں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت بیٹے کی شناخت سے بھی بڑھ کر ہے۔ بخاری کی روایت ہے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل بیان تائید کہ اللہ تعالیٰ کی کلام مبارک کما حقہٗ تتبع اور تحقیق پر مبنی ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام خود ان کے ہاں مسلّم اور معتبر ہستی تھیں دوم تائید: لارجاع الضمیر الی الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام لا الی القرآن و تحویل القبلۃ۔

قولہ نعتہٗ: علامہ سیوطی رح نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الحق کی الف لام عہد کی ہے اس سے مراد صرف حضرت کی ذات مبارکہ کی صفات ہیں یعنی ھٰذا من باب عطف الخاص علی العام۔

قولہ ھٰذا الذی انت علیہ: (آپ جس طریقے پر ہیں)
الحق ترکیب میں خبر ہے اور خبر کے لیے مبتدا ضروری ہے، سیوطی رح نے مُبتدا محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی "اَنَّ الحَقَّ خبر مبتدا محذُوف۔

قولہٗ کائنًا: اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل مِنْ از حروفِ جار ربّک مجرُور، ہر جار مجرُور متعلق کو تقاضا کرتا ہے۔ علامہ سیوطی رح نے کائنًا کے جملہ سے

متعلق ذکر فرمایا ہے جو محذوف ہے یعنی بیان متعلق ہے۔ دوم اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ مِنْ رَّبِّكَ حالٌ لااَنَّ الحق مُبتداء من ربّك خبرہٗ کما قیل لانّہ لا فائدۃ کثیرۃ فی ھٰذا الخبر کما لا یخفٰی۔

قولہٗ الشّاکین (اس میں شُبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوئیے) مُمترین اِمتراء سے مُشتق ہے، اِمتراء کے دو معنٰی ہیں۔ اوّل شک کرنا۔ دوم جھگڑا کرنا۔ علامہ سیوطیؒ نے شاکین کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اِمتراء بمعنٰی شک ہے لا بمعنی الجدال یعنی تعیین احد المعانی ہے۔

قولہٗ فیہ (ای فی انّہ الحق من ربّك) اس کی دو غرضیں ہیں اوّل محل شک بیان کیا ہے۔ دوم سابقہ کلام سے ربط پیدا کرنے کے لیے علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ مقدر کیا ہے۔

قولہٗ ای من ھٰذا النوع (یعنی آپؐ اس قسم میں شمار ہی نہ ہوئیے) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر مُمترین (محل شک) کی تفسیر بیان فرمادی جہاں شک کے جمیع اقسام سے آپؐ خود کو محفوظ و مامون کرتے رہے وہاں شک کے اس قسم سے بھی اپنے آپ کو بچائیں ای لا تکن من نوع الشّاکین۔

قولہ فھو ابلغ من لا تمتر (اس لیے یہ طرز تعبیر لا تمتر سے زیادہ بلیغ ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مُقدرہ ہے۔

سوال اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہیں کہ آپ شک کرنے والوں سے نہ ہوں! اتنی لمبی کلام کی کیا ضرورت ہے صرف اتنا فرمادیتے کہ آپ شک نہ کریں۔ یعنی کلام مؤکد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ صرف فلا تمتر سے مطلب واضح ہوسکتا تھا۔

جواب اوّل علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ میں زیادہ مُبالغہ ہے بہ نسبت فلا تمتر

یقولُ ابو الاِسْعادِ: وانّما کان ابلغ لوجھین الاوّل ان ھٰذا القول

لا یراد منہ معناہ الصریح لذاتہ وھو المنع من ان یکون من ھذا النوع بل ینتقل منہ الی لازم ھذا المعنی وھو المنع من الامتراء فیکون کنایۃ والکنایۃ ابلغ من الصریح لانہ کدعوی الشیئ ببینۃ کما تقرر فی علم البیان والثانی ان قولہٗ فلا تمتر یدل علی المنع من حدوث الامتراء فی الزمان المستقبل لکونہٖ فعلاً مضارعًا وھذا القول یدل علی منع حدوث الامتراء وبقائہٖ لکونہٖ اسمًا وفی ھذا الوجہ کلام لایسعہ المحل فافھم بالیقھا التالی !

بیانِ فوائد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت بیٹوں سے بھی زیادہ ہے

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ الخ کے سلسلہ میں مفسرین نے جو شان نزول بیان کیا ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے سوال کے جواب میں حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ بیوی میں تو احتمال خیانت بھی ہے جس سے بیٹا ہونے میں شبہ ہوسکتا ہے لیکن آپؐ کی نبوت میں تو اتنا بھی شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں ایک اعتبار سے اہل علم کو اور ایک لحاظ سے غیر اہل علم کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مشبہ بہ یعنی بیٹا ہونا جب یقینی نہیں ہے تو مشبہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کیسے یقینی ہوسکتی ہے کیونکہ مشبہ مشبہ بہ کے مقابلہ میں کمزور ہوا کرتا ہے تو یہاں مشبہ کا یقینی ہونا بہت سُست ہوگیا۔

جواب: یہ ہے کہ یہاں بیٹے کا بیٹا ہونا ملحوظ نہیں ہے بلکہ بیٹے کی صورت ملحوظ ہے یعنی بیٹے کی صورت دیکھ کر اس کے شناخت کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا ہزاروں کے مجمع میں کھڑا ہو صورت دیکھتے ہی شناخت کر لیا جائے گا۔ اور چونکہ بیٹوں سے ربط ضبط بہ نسبت بیٹیوں کے زیادہ ہوتا ہے جو معرفت میں دخیل ہے اس لیے بنات کو ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اپنی ذات سے بھی زیادہ بیٹوں کی معرفت ہوتی ہے۔ کیونکہ نفس ہیولانی کے مرتبہ میں انسان پر ایسا وقت آتا ہے کہ اس کو اپنی خبر نہیں ہوتی بخلاف بیٹوں کے وہاں اس کی نوبت نہیں آتی اس لیے معرفتِ نفس کو بھی مُشبّہ بہ نہیں بنایا گیا۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کا حاصل یہ ہے کہ کسی بات کا حق ہونا ہی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ حق کے معنیٰ قائم و ثابت رہنے کے ہیں اور جو بات خود قائم و ثابت رہنے والی ہو اس کے لیے قیام ثبات سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

دعویٰ اور دلیل میں مُطابقت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت مقدسہ میں دو دعوے پیش کیے ہیں۔ اوّل یہ کہ یہود آپؐ کے قبلہ کی اتباع نہیں کریں گے۔ دوم یہ کہ آپؐ بھی یہود کے قبلہ کی بھی اتباع نہیں کریں گے تو اب دلائل پیش فرما رہے ہیں۔ وَمَا بَعْضُهُمْ یہ دعویٰ اولیٰ پر دلیل ہے اور لَئِنِ اتَّبَعْتَ دعویٰ ثانیہ پر دلیل ہے۔ کیونکہ منسوخ العمل پر عمل کرنا ھَوَاء اور خواہش ہے اور یہ ظلم ہے جبکہ نبیؐ کی ذات بابرکات ظلم سے پاک و صاف ہوتی ہے۔

وَلِكُلٍّ من الامم وِّجْهَةٌ قبلة هُوَ مُوَلِّيهَا وجهه
فى صلاته وفى قراءة مولاها فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ
بادروا الى الطاعات وقبولها أَيْنَمَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ
اللهُ جَمِيعًا يجمعكم يوم القيامة فيجازيكم
باعمالكم اِنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ ○ وَمِنْ
حَيْثُ خَرَجْتَ لسفر فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ ○ بالتاء والياء تقدم مثله وكرره لبيان
تساوى حكم السفر وغيره وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ كرره للتاكيد لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ
اليهود والمشركين عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اى مجادلة فى التولى
الى غيرها اى لينتفى مجادلتهم لكم من قول اليهود
يجحد ديننا ويتبع قبلتنا وقول المشركين يدعى
ملة ابراهيم ويخالف قبلته اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
بالعناد فانهم يقولون ما تحول اليها الا ميلا الى
دين ابائه والاستثناء متصل والمعنى لا يكون لاحد عليكم

کلام الا کلام هٰٓؤُلَاۗءِ فَلَا تَخْشَوْهُمْ تخافوا جدالهم فی التولی الیها وَاخْشَوْنِیْ بامتثال امری وَلِاُتِمَّ عطف علی لئلا یکون نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ بالهدایۃ الی معالم دینکم وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ الی الحق

ترجمہ اور ہر ایک کے لیے (اُمتوں میں سے) ایک ایک جانب (قبلہ) رہا ہے جس کی طرف وہ پھیرتا رہتا ہے (اپنا رُخ نماز میں اور ایک قرأت مولاہا ہے) اس لیے اے مسلمانو تم بھی نیک کاموں میں بھاگ دوڑ کرو (نیک کام کرنے اور ان کے قبول کرنے میں جرأت سے کام لو) تم خواہ کہیں بھی ہو گے اللہ سب کو اکٹھا کر لیں گے (قیامت میں جزائے اعمال کے لیے سب کو جمع کر لیں گے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر کام پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں جہاں کہیں بھی آپ (سفر میں) تشریف لے جائیں تو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے اور یہ بالکل صحیح ہے منجانب اللہ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے اعمال سے قطعًا بے خبر نہیں ہیں (یعملون کی قرأت یا اور تاء کے ساتھ ہے اس جیسی آیت پہلے گذر چکی ہے اور سفر و حضر کا حکم برابر کرنے کیلئے دوبارہ اس حکم کو بیان کیا ہے) اور جہاں کہیں بھی باہر تشریف لے جائیں تو اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف کر لیا کیجئے اور تم لوگ جہاں بھی ہو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو (مکرر حکم تاکید کے لیے لائے ہیں) تاکہ لوگوں (یہود یا مشرکین) کو تمہارے خلاف حجت کا موقعہ نہ رہے (دوسری طرف تمہارا رُخ پھیرنے پر زور نہ دیں یعنی اب وہ تمہارے خلاف یہ حجت بازی ہی نہ کر سکیں کہ یہود کہنے لگیں کہ آپ ہمارے قبلہ کا اتباع تو کرتے ہیں مگر دین کی مخالفت کرتے ہیں یا مشرکین کو کہنے کا موقع ملے کہ ایک طرف ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف اُن کے قبلہ کا خلاف بھی کرتے ہو) البتہ جو لوگ ان میں بالکل ہی بے انصاف ہیں (ظلم پسند ہیں) وہ تو اب بھی کہیں گے کہ آپ

محض اپنے آبائی دین کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ اِلّا استثناء متصل کے لیے ہے اور معنیٰ یہ ہوں گے کہ اب تم پر کسی کو موقع اعتراض نہیں رہے گا بجز ان شریروں کی چہ میگوئیوں کے) اس لیے ایسے لوگوں سے اندیشہ نہ کیجئے (کہ آپ تحویل کے سلسلہ میں کہ ان کی کٹ حجتی کا فکر کرنے لگیں) اور مجھ ہی سے (میرے حکم کی اطاعت کرکے) ڈرتے رہو اور ایک منشا یہ ہے کہ تکمیل کردوں (لِئَلَّا یَکُوْنَ پر اس کا عطف ہو رہا ہے) اپنی نعمت کی تم پر (جو دربارہ ہدایت احکام دین کے لیے ہے) اور اس لیے کہ ہدایت یافتہ ہو جاؤ (راہِ حق کی طرف)

بیانِ ربط

آیت وَلِکُلٍّ الخ میں تحویل کی دوسری حکمت کا اور آیت وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ الخ میں تیسرا حکیمانہ جواب ارشاد ہے اور آیت کَمَآ اَرْسَلْنَا میں دعائے ابراہیمی کا ظہور پذیر ہونا بیان کیا گیا ہے پھر ان تمام نعمتوں پر اظہارِ شکر کا حکم دیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول

ابن جریر لبابُ النقول میں تخریج کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تحویل قبلہ فرمایا تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین کے معاملہ میں متحیّر معلوم ہوتے ہیں ان کا ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہمیں اپنے سے زیادہ صحیح راستہ پر سمجھنے لگے ہیں اس لیے امید رکھنی چاہیے کہ وہ ہمارے دین کو بھی اختیار کرلیں گے۔ اسی پر آیت لِئَلَّا یَکُوْنَ نازل ہوئی اس صورت میں ظَالِمِیْنَ سے مراد بھی مشرکین ہوں گے۔ لیکن علامہ سیوطیؒ شان نزول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ یہود نے اعتراض کیا کہ محمد ہمارے قبلہ کی پیروی کرتے ہیں اور دین کی مخالفت اور مشرکین نے اعتراض کیا کہ محمد ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں اس پر آیت "لِئَلَّا یَکُوْنَ" نازل ہوئی۔ تو اس صورت میں ظَالِمِیْنَ سے مراد یہ دونوں جماعتیں ہوں گی۔

بَیانِ اغراض جلالین

قولہٗ من الامم : علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ کیا کہ کل کی اضافت وجھۃ کی طرف اضافت استغراق کی ہے، اس سے جمیع فرق مراد ہیں، یعنی شاملٌ لجمیع الفرق اعنی المُسلمین والیھود والنصارٰے والمُشرکین۔

یقول ابوالاسعاد : اگر علامہ سیوطیؒ قوم من المُسلمین نکالتے تو زیادہ مناسب اور قول قرآن مقدس کے موافق ہوتا۔ بیونکہ امم کی صورت میں مشرک بھی داخل ہیں۔ حالانکہ لانّ المشرکین کانوا یعبدون الاصنام ویتقربون بھا الی اللّٰہ کما حکی اللّٰہ تعالیٰ عنھم لقولہ ھٰؤُلاۤءِ شُفَعَاۤءُنَا عِنْدَ اللّٰہِ فلا یرد انّ المُشرکین لیس لھم وجھۃ فتأمل

قولہ قبلۃ : اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر وجھۃ کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے کیونکہ لغت میں وجھۃ بمعنیٰ طرف ہے اور بحث طرف کی نہیں ہو رہی بلکہ قبلہ کی بحث ہو رہی ہے۔ دوم اس طرف اشارہ کیا کہ مطلق جہت مراد نہیں بلکہ نماز کی جہت مراد ہے اور نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے یعنی علامہ سیوطیؒ نے وجھۃ کی قبلہ سے تفسیر کر کے اس کے اسم مکان ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔

فائدہ علامہ ابوالبقاء اس مقام پر رقم طراز ہیں کہ وجھۃ مصدر بمعنیٰ توجہ یا اسم مکان ہے اس لیے واو کا ثابت رہنا قیاسی ہوگا اور جبکہ بروزن عِدَۃٌ اور زِنَۃٌ مصدر ہو تو واو خلاف قیاس ہوگا اصل پر دلالت کرنے کے لیے۔

قولہٗ وجھۃٌ : مُوَلِّیھَا اسم فاعل ہے اس میں جو ضمیر ہے اس کا فاعل

والہاء مفعول اوّل وقول السیوطی و جہۃ مفعول ثانی یعنی ان احد المفعولین محذوف۔!

قولہٗ فی صلاتہٖ : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مُولّیہا میں مُطلق تولّی مراد نہیں بلکہ خاص نماز کی تولّی مراد ہے یعنی اشارۃ الی انّہٗ من قبیل ذکر المطلق وارادۃ المقید کما مرّ فی بیان قولہ تعالیٰ " فَوَلِّ وَجْهَكَ الخ

قولہٗ وفی قرأۃ مولاھا : بیان قرأت ہے یعنی علی صیغۃ اسم المفعول والمعنیٰ موجہ الیہا۔

قولہٗ بادروا الی الطاعات وقبولہا (نیک کام کرنے اور ان کے قبول کرنے میں جلدی سے کام لو) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل اشارہ فرمایا کہ " المُراد من الخیرات الطاعۃ لا الثواب لانّہ غیر مقدور۔ دوم دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ پاک فرماتے ہیں " فاستبقوا الخیرات " استباق بمعنیٰ دوڑنا حالانکہ عبادات دینیہ میں دوڑنا تو غیر صحیح ہے " کما جاء فی الحدیث فی واقعۃ الحجّ والصّلوٰۃ علیکم السّکینۃ علیکم السّکینۃ۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ استباق حِسّی مراد نہیں جس کے لیے دوڑنا لازم ہے بلکہ معنوی استباق مراد ہے جس سے نیک اعمال میں جلدی کرنا مقصود ہے۔

قولہٗ یجمعکم : علامہ سیوطیؒ نے یَأْتِ بِكُمُ کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے۔ کہ اتیان جمع کے معنیٰ میں ہے۔

قولہٗ یوم القیامۃ : زمان جمع کا ذکر ہے یعنی قیامت کے روز حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ تم سب کو جمع کریں گے یا یہ معنیٰ ہیں کہ تم مختلف سمتوں سے بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھو گے لیکن حق تعالیٰ شمال جنوب مشرق مغرب سب طرف کی نمازوں کو ایک ہی رُخ پر تصور فرمائیں گے۔

قولہ فیجازیکم باعمالکم : علامہ سیوطیؒ نے یَأْتِ بِكُمُ اللهُ

کا لازمی معنیٰ بیان کیا ہے یعنی فی ای مکان تکونون فیہ یجمعکم اللہ لحساب فیترتب علیہ الجزاء۔

قولہٗ لسفر : مِنْ حَیْثُ میں مِنْ ابتدائیہ ہے کیونکہ اصل فعل مَشْی میں امتداد ہوتا ہے۔ لسفر سے علامہ سیوطیؒ نے انتہاء بیان فرمائی ہے یعنی بیان انتہاء ہے اصل عبارت یوں تھی " وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ ای مِنْ ایِّ بلد خرجت لسفر :

قولہٗ بالتاء والیاء : بیانِ قرأت ہے یعنی تحملون اور یعملون دونوں صیغے ہیں۔

قولہٗ تقدم مثلہٗ : بیان عذر ہے کہ اس آیت کی غرض بیان کرنے سے معذور ہوں کیونکہ یہ آیت ماقبل میں گذر چکی ہے۔

قولہٗ وکررہٗ لبیان تساوی الحکم السفر وغیرہ (دوبارہ اس حکم کو بیان کیا ہے برابر کرنے سفر اور حضر کے حکم کے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : یہ آیت ماقبل میں بھی گذر چکی ہے، پھر دوبارہ کیوں ذکر فرمایا یہ تو تکرار ہے۔

جواب : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ استقبال قبلہ کا حکم سفر حضر دونوں میں شرط ہے یعنی نفس استقبال میں کوئی تخصیص نہیں۔

قولہٗ کررہٗ للتاکید : یہاں سے سوال سابقہ کا جواب ثانی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم مخالفین کے لیے تو شور وشغب کا ذریعہ تھا ہی خود مسلمانوں کے لیے بھی عبادات کا ایک عظیم انقلاب تھا۔ اگر یہ حکم تاکیدات کے ساتھ بتکرار نہ لایا جاتا تو قلوب کا اطمینان وسکون آسان نہ ہوتا اس لیے اس حکم کو بار بار دہرایا گیا۔

قولہٗ الیھود والمشرکین : دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : اللہ پاک فرماتے ہیں لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّةٌ (تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے اوپر تمہارے حُجّت) حالانکہ سارے لوگوں کے لیے تو حُجّت

نہیں۔ لانّ من الناس من لا یجادل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل تحویل القبلۃ کالمؤمنین۔

جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ کیا کہ الناس کی الف لام عہد کی ہے اس سے خاص لوگ یعنی یہود و مشرکین مراد ہیں نہ کہ جمیع الناس۔

قولہٗ مجادلۃ : دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تم پر حجت نہ ہو مگر ظالموں کی اور حجت سچی دلیل کو کہتے ہیں جبکہ ظالموں کے پاس سچی حجّت (دلیل) کیسے ہو سکتی ہے اس کے دو جواب ہیں

جواب اوّل : بعض علماء کے نزدیک حجۃ عند الناس مراد ہے۔

جواب دوم علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حجت بمعنی مجادلت ہے یعنی حجۃ کے بعد مجادلہ سے تفسیر کرنا اس طرف مشیر ہے کہ یہ واقعی حجت نہیں تھی بلکہ حجت کی طرح اس کٹ حجتی کو استعمال کریں گے۔ جیسے مثل مشہور ہے "کلمۃ الحق ارید بہ الباطل"

قولہٗ فی التولی وغیرھا : عند البعض محل تولّی ذکر کیا ہے۔ لیکن علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لِئَلَّا یَکُوْنَ علت ہے فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ کے لیے۔ قولہٗ لینتفی مجادلتھم : (تاکہ نفی ہو جائے اُن کے جھگڑے کی) یہاں سے علامہ سیوطیؒ نے لئلاّ یکون للناس والے جملے کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال ۔ قولہٗ لا یَکُوْنُ یدلّ علیٰ عدم وجود المجادلۃ : جب کہ مجادلہ تو ثابت ہے پھر نفی کیسے فرما رہے ہیں؟

جواب : کہ مجادلہ کی نفی بعد از حجۃ ہے نہ کہ قبل از حجۃ جب حجۃ تام ہو گئی تو تمامی جدال ختم ہو گئے۔

قولہٗ لکم ۔ اشارۃ الی ان قولہٗ علیکم خطاب للامّۃ۔

قولہ من قول الیھود یجحد دیننا ویتبع قبلتنا

رکہ یہود کہنے لگیں کہ آپ ہمارے قبلہ کا اتباع تو کرتے ہیں مگر ہمارے دین کی مخالفت کرتے ہیں) غرض اس کی بیان مُجادلہ اوّل ہے ۔

قولہٗ وقول المشرکین یدعی ملّۃ ابراھیم و یخالف قبلتہٗ (مشرکین کہنے لگیں کہ ایک طرف ملتِ ابراہیم کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف ان کے قبلہ کا خلاف بھی کرتے ہو) غرض اس کی بیان مجادلہ ثانی ہے ۔

قولہٗ بالعناد (ضد کے ساتھ) بعض حضرات کے نزدیک بالعناد کی باء تصویریہ ہے ظلم کی صورت بیان کی ہے یعنی بیانِ ظلم ہے ۔ بعض حضرات کے نزدیک دفعیہ سوال مقدر ہے ۔

سوال ان المُراد من الناس الیھود والمشرکین (کما صرح بہ الشارح) فاستثناء الظّٰلمین منھم استثناء الشی من نفسہٖ لان ذالک الناس ایضًا ظالمین بل یلزم استثناء العام من الخاص لان الظّٰلمین عام من الیھود والمُشرکین ۔

جواب : حاصل الجواب ان المراد من الّذین ظلموا المعاندین منھم والمُعاندون من الیھود والمُشرکین بعض منھم ۔

قولہٗ فانھم یقولون ماتحوّل الیھا الّا میلا الیٰ دین اٰبائہٖ (وہ تو اب بھی کہیں گے کہ آپ محض اپنے آبائی دین کی طرف جانا چاہتے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر عناد کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے جس کا خُلاصہ یہ ہے کہ محض طبعی محبّت سے اپنے شہر کی طرف رُخ کرنا چاہتے ہیں اگر حق کی اتباع کرنا مقصود ہوتا تو قبلۂ انبیاء (بیتُ المقدس) کی اتباع کرتے ۔ عند البعض مقالۃ المُعاندین یعنی قولِ مُعاندین کا بیان ہے ۔

قولهٗ والاستثناء متصلٌ : یہاں علامہ سیوطیؒ تعیینِ استثناء فرما رہے ہیں کہ مستثنیٰ متصلہ ہے منقطعہ نہیں۔

قولهٗ والمعنیٰ لا یکون لاحد علیکم کلام الا کلام هٰؤلاء۔ (معنی یہ ہوں گے کہ اب تم پر کسی کو موقعِ اعتراض نہیں رہے گا بجز ان شریروں کی چہ میگوئیوں کے) بیان حاصل معنیٰ ہے۔

قوله تخافوا جدالهم : (خوف کرنا تمہارا ان کے جدال کا) علامہ سیوطیؒ نے لا تخشوهم کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر ہے۔ کیونکہ فَاِنَّ جدالهم لا یضرکم۔

قولهٗ فی التولی الیها (تحویل کے سلسلہ میں) محلِ جدال بیان کیا ہے۔

قولهٗ بامتثال امری : (میرے حکم کی اطاعت کرکے) بامتثال کی باء تصویریہ ہے واخشونیْ کی صورت بیان کی ہے یعنی علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ خوف و ڈرنا مراد نہیں بلکہ اطاعت فی الامور مراد ہے جو مقصودِ اعمال ہے۔

قولهٗ عطف لئلّا یکون : (لئلا یکون پر عطف ہو رہا ہے) بیانِ ترکیب ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل اس کا معطوف علیہ محذوف ہو" ای وامرتکم اتمام النعمة علیکم" دوم یا علت مقدرہ پر عطف ہوگا" ای اخشونی لحفظکم عنهم ولاُتمّ الخ" لیکن اکثر مفسرین حضرات نے پہلی صورت کو ترجیح دی ہے کیونکہ پہلی صورت میں محذوف نہیں ماننا پڑتا۔ قال صاحب التراویح اشارة الی ضُعفِ ما قیل انه علة محذوف ای وامرتکم الخ۔

قولهٗ بالهدایة۔ بالهدایة کی باء تصویریہ ہے نعمت کی صورت بیان کی ہے یعنی بیانِ نعمت ہے۔ المُراد بالنعمة نعمة الدین لا نعمة الدنیا لان التولی من امور الدین لیس من الدنیا۔

قولهٗ الی معالم دینکم (دین کے طریقے یا احکامِ دین) یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ نعمت کی اضافت علیکم کی طرف اضافتِ عہدی ہے

اس سے مخصوص دین کی نعمت مراد ہے۔
قولهٗ الی الحق۔ اس کی دو غرضیں ہیں اوّل حذف متعلق کی طرف اشارہ فرمایا بقرینۃ ان البحث فی بیان الحق لا للتعمیم۔ دوم بیان صلہ ہے تھتدون مضارع استمراری ہے یعنی راہ حق پر مضبوط رہ جاؤ۔

بیان فوائد

بنائے ابراہیمی کا حقدار ابنِ ابراہیمؑ ہی ہو سکتا ہے۔

کعبہ اگر بنائے ابراہیمی ہے تو یہ نبی ابن ابراہیم ہیں۔ اس بناء کے قبول ہونے اور اس ابن کے رسول ہونے کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا آج دنیا اس کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے اس لیے امامِ عالم کے صاحبزادے کو امام القبلتین بنایا جا رہا ہے اس لیے پیروانِ قرآن کو دعوتِ عمل دی جا رہی ہے۔

مذہبی مسائل میں فضول بحثوں سے اجتناب کی ہدایت

اللہ پاک فرماتے ہیں "فاستبقوا الخیرات" اس سے پہلے جملہ میں یہ فرمایا تھا کہ مختلف قوموں کے مختلف قبلے ہیں کوئی ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے اپنے قبلہ کے حق ہونے پر ان لوگوں سے بحث کرنا فضول ہے۔ اس جملے کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہے کہ اس بحث سے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا تو پھر اس فضول بحث کو چھوڑ کر اپنے اصلی کام میں لگ جانا چاہیے اور وہ ہے فاستبقوا الخیرات۔

قبلۂ عشاق ۔ آیت " وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ " سے بعض عارفین نے لوگوں کے

احوال وافعال میں متفاوت ہونے کی حکمت و مصلحت مستنبط کی ہے۔ اور حدیث
لِكُلٍّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ بھی اس کی مؤید ہے یہ سب طرق ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے
بندوں کو آباد رکھنا چاہتے ہیں ان کے شئون و مراتب مختلف اور مراتب اسماء متفاوت
ہیں۔ ان میں سے جو سب سے احسن ہو اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور بعض نے اس کی تاویل میں
کہا ہے کہ ہر شخص کا قبلہ جدا ہے، مقربین کا قبلہ عرش اعظم ہے۔ اور روحانیین کا
کرسی اور ملائکہ کا بیت المعمور اور انبیائے سابقین کا بیت المقدس اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا جسمانی قبلہ بیت اللہ اور روحانی قبلہ ذات حق ہے۔

سیر سلوک کی انتہاء نہیں ہے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ میں ہدایت یافتہ لوگوں کو خطاب
کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ترقی کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔ سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ
شروع ہو جاتی ہے جو دوامِ عالم کے ساتھ قائم و دائم ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا مُتعلّق باتمّ اى اتماما كاتمامها بارسالنا
فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عليه وسلم يَتْلُوْا
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا القرآن وَيُزَكِّيْكُمْ يُطهّركم من الشّرك
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ القرآن وَالْحِكْمَةَ ما فيه من الاحكام
وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ فَاذْكُرُوْنِيْ بالصّلٰوة و
التّسبيح ونحوه اَذْكُرْكُمْ قيل معناه اجازيكم و فى
الحديث عن الله من ذكرنى فى نفسه ذكرته فى نفسى
ومن ذكرنى فى ملاءٍ ذكرته فى ملاءٍ خير من ملئه و

اشْكُرُوْا لِیْ نعمتی بالطّاعة وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ بالمعصیّة ع ۲

ترجمہ جس طرح بھیجا ہم نے (یہ متعلق ہے اتم کے تقدیر عبارت اس طرح ہے اتموا تماماً کا تمامھا بارسلنا) تم لوگوں میں ایک رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو تم ہی میں سے ہیں اور تلاوت کرتے رہتے ہیں تم پر ہماری آیات (قرآن) اور تمہارا تزکیہ (شرک سے پاک صاف) کرتے رہتے ہیں اور تم کو تعلیم دیتے رہتے ہیں کتاب (قرآن) کی اور فہم کی باتوں کی (اس کے احکام کی) اور وہ تم کو ایسی باتیں سکھلاتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی ان نعمتوں پر مجھ کو یاد کرو (نماز تسبیح وغیرہ سے) میں تم کو یاد رکھوں گا (بقول بعض تم کو جزائے ذکر دوں گا) اور حدیث قدسی میں ہے کہ جس شخص نے مجھ کو اپنے دل میں یاد کیا میں بھی اس کو دل میں یاد رکھوں گا اور جس نے میرا ذکر اپنی مجلس میں کیا میں اس سے بہترین مجلس میں اس کا تذکرہ کروں گا) اور میری (نعمت کی) شکر گذاری (بشکل اطاعت) کرو اور میری ناشکری (بشکل نافرمانی) نہ کرو

بیانِ اغراض جلالین

قولہٗ متعلق باتم : یہاں سے تحقیق لفظی بیان کر رہے ہیں یعنی کما ارسلنا کا تعلق لاتم سے ہے "ای ولاتم نعمتی علیکم فی الآخرۃ بالثواب کما اتممتھا علیکم فی الدنیا اور اس کا تعلق مابعد سے بھی ہو سکتا ہے " ای کما ذکرتم بارسال الرسول فاذکرونی بالطاعۃ" پہلی صورت میں تھتدون پر وقف نہیں ہوگا لیکن دوسری صورت میں وقف کیا جائے گا۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں" کہ یہاں کما ارسلنا میں کاف ایسا ہی ہے جیسے سورۃ انفال میں کما اخرجك اور سورۃ حجر میں کما انزلنا علی المقتسمین میں آیا ہے۔

قولہٗ ای اتماماً الخ : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر کیفیتِ تعلق

بیان فرمایا ہے۔ ثانیًا اشارہ کیا کہ "انّ الکاف فی موضع المصدر لا تقو۔

قولہٗ کاتمامها بارسالنا : اشارۃ الیٰ ان قولہٗ کما ارسلنا انّہ من اقامۃ السبب مقام المُسبّب۔

قولہٗ مُحمّدًا : بیان تعیینِ رسولؐ ہے۔

قولہٗ القراٰن : اشارہ فرمایا کہ "ایٰتنا کی اضافت عہدی ہے اس سے مخصوص آیات یعنی قرآن مقدس ہے۔ ثانیًا قرآن سے مراد بھی الفاظ ہیں" فلا یلزم التکرار مع قولہٖ ویعلمکم الکتاب (القراٰن)

قولہٗ لیطهرکم : یہ وَیُزَکِّیکُمْ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ من الشرك : ما منہ التزکیہ کا بیان ہے۔ تزکیہ دو قسم ہے :

۱ تزکیہ ظاہری ۲ تزکیہ باطنی۔ علامہ سیوطیؒ نے من الشرك کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تزکیہ باطنی مراد ہے نہ کہ ظاہری۔

سوال : علامہ سیوطیؒ نے من الشرك سے تخصیص فرمادی حالانکہ انسان کی باطنی اصلاح کے لیے اور چیزوں سے بھی تو تزکیہ ضروری ہے جیسے جھوٹ غیبت گالی گلوچ وغیرہ۔

جواب : شرک کا ذکر اہتمامًا ہے کیونکہ یہ اُمُّ العذاب اور اُمُّ الخبائث ہے۔

قولہٗ القراٰن ۔ اشارہ فرمایا الکتاب کی الف لام عہدی ہے اس سے قرآن مقدس ہی مراد ہے۔

قولہٗ ما فیہ من الاحکام۔ حکمۃ کی تفسیر میں مفسرین حضرات کا اختلاف ہے ۔ جمہور حضرات کے نزدیک حکمۃ سے مراد سنت و وحی غیر متلو یعنی حدیث پاک مراد ہے لیکن علامہ سیوطیؒ کے نزدیک حکمۃ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں احکامات بیان کئے گئے ہیں اس لیے اپنے قول کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں" ما فیہ من الاحکام" اس جملہ کی غرض تعیینِ حکمت ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ۔ لا یعلمون کا معنیٰ "نہ جانتے تھے" یہ بھی صحیح ہے ۔ لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے معنیٰ کیا جائے "نہ جان سکتے تھے" ۔ ای لا یستطیعون"

قولہٗ بالصلوٰۃ والتسبیح وغیرہ ۔ بالصلوٰۃ کی باتصویریہ ہے علامہ سیوطیؒ یہاں سے ذکر کی صورت بیان کر رہے ہیں ۔ عند البعض ذکر سے مراد طاعۃ ہے ۔ کما یشیر الشارح ۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ۔ علامہ سیوطیؒ نے وغیرہ کا کلمہ نکال کر تعمیم کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہر قسم کا ذکر مراد ہے خواہ لسانی ہو، خواہ قلبی ہو یعنی "لیس المراد الذکر اللسانی فقط فانہ ثابت للمنافقین ایضاً"

قولہٗ قیل معناہ اجازیکم : یہاں سے دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ پاک فرماتے ہیں "فاذکرونی اذکرکم یاد کرو مجھ کو تو میں بھی یاد کروں گا۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ پہلے ذاتِ باری تم بھولے ہوئے تھی ہم نے یاد کیا تو انہوں نے بھی یاد کیا یعنی ہماری یاد کے ساتھ ان کی یاد وابستہ ہے ۔ وھٰذا خلاف للقرآن والحدیث۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر بمعنی الجزاء ہے یعنی میں اپنی طرف سے ان کو جزا دوں گا۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : ذکر دو قسم ہے :

۱۔ ذکرِ عام : جو ہر وقت یاد فرماتے ہیں خواہ ہم ذکر کریں یا نہ کریں۔

۲۔ ذکرِ خاص : جو فاذکرونی کے ساتھ مقید ہے ۔ باقی کیفیت وہ خود ہی بہتر جانتے ہیں۔

قولہٗ وفی الحدیث : یہ حدیث قدسی بیان فرما رہے ہیں۔

قولہٗ من ذکرنی : یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : ذکر دو قسم ہے ۔ ذکرِ خفی، ذکرِ جہری : فی نفسہ میں ذکرِ خفی کا بیان ہے ۔ اور فی

ملاء میں ذکر جہری کا تذکرہ ہے۔

قولہٗ خیر من ملئہٖ : یقول شیخ جاجروی رحمۃ اللہ القوی خیر من ملئہٖ سے کیا مراد ہے بعض حضرات کے نزدیک مقربین ملائکہ کی جماعت مراد ہے اس میں تذکرہ فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت مالیجوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اس سے ارواح انبیاء واولیاء مراد ہیں۔

قولہٗ نعمتی : علامہ سیوطیؒ نے محل شکر بیان کیا ہے کیونکہ شکر نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

قولہٗ بالطاعۃ : شکر دو قسم ہے۔ ۱) شکر لسانی : کہ انسان اپنے محسن کا شکریہ زبان سے کرے۔ ۲) شکر عملی کہ منعم و محسن کے احکامات کو صحیح تسلیم کرکے اس پر عمل کیا جائے۔ علامہ سیوطیؒ نے بالطاعۃ کا کلمہ نکال کر شکرِ عملی کی طرف اشارہ فرمایا۔ نیز حقیقتاً شریعت مقدسہ کے اندر مطلوب و مقصود ہی شکر عملی ہے۔ کیونکہ زبان سے تو کافر بھی بعض دفعہ شکریہ ادا کرتا ہے۔

قولہٗ بالمعصیۃ : اس کی باء تصویر یہ ہے علامہ سیوطیؒ نے کفر کی تصویر بیان کی ہے۔ ثانیاً اشارہ فرمایا کہ تکفرون کفر کے معنی کے اندر نہیں بلکہ کفرانِ نعمت کے معنیٰ میں ہے۔ ع جس کا کھائیے اس کا گائیے۔

بیانِ فوائد

فرائضِ رسول کے مراتب

عموماً مستقلاً شریعت وکتاب رکھنے والے پیغمبر کے فرائض اربعہ معین کیے جاتے ہیں جن پر پیغمبر کا خود عامل ہونا اور اپنی امت کو اس پر قائم ودائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اپنی زندگی مبارک میں عمل کرانا تو ان کے ذمے ہوتا ہے۔ بعدہٗ ان کے جانشینوں کے ذمے یہ کام سونپ دیا جاتا ہے۔

فریضہ اوّل : تلاوت کتاب جو یتلوا سے شروع ہے یہ ذمہ داری مبلّغین کے ذمے ہے وہ اس کو ادا کریں علیٰ منہاج النبوت۔

فریضہ دوم : تزکیہ نفس جو یُزَکِّیْکُمْ سے شروع ہے یہ ذمہ داری مشائخین عظام اور اولیائے کرام کے ذمہ ہے۔

فریضہ سوم : تعلیم کتاب جو وَیُعَلِّمُکُمْ سے شروع ہے یہ ذمہ داری مُعلّمین کے ذمہ ہے۔

فریضہ چہارم : تعلیم حکمت یہ بھی مُعلّمین کے ذمہ ہے۔

شرف صحبت

وَیعلّمکُم سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کتاب و حکمت کے بعد تعلیم کا ایک درجہ اور بھی ہے جو صالحین کی صحبت سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اور صالحین سے مراد بھی وہی لوگ ہیں جو صحیح معنیٰ میں متبعین شریعت ہیں۔

ذکر کا حقیقی ثمرہ

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ ذکراللہ کا اصلی اور حقیقی ثمرہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ ملتفت اور متوجہ ہوں سالک اور ذاکر اس کو پیش نظر رکھے تو تشویش سے محفوظ رہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا علی الآخرۃ بِالصَّبْرِ علی الطّاعۃ والبلآء وَالصَّلٰوۃِ خصّھا بالذکّر لتکرّرھا وعظمھا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ بالعون وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ھم اَمْوَاتٌ بَلْ ھم اَحْیَآءٌ ارواحُھم فی حواصل طیور خضرٍ تسرح فی الجنّۃ حیث شآءت لحدیث بذالک

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ تعلمون ما هم فيه وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
بِشَيْئٍ مِّنَ الْخَوْفِ للعدوّ وَالْجُوْعِ القحط وَنَقْصٍ
مِّنَ الْاَمْوَالِ بالهلاك وَالْاَنْفُسِ بالقتل والامراض
والموت وَالثَّمَرَاتِ بالجوائح اى لنختبرنكم فننظر
اتصبرون ام لا وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ○ على البلآء با
الجنّة هم الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بلآء
قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ ملكًا وعبيدًا يفعل بنا ما يشآء
وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ○ فى الاخرة فيجازينا فى
الحديث من استرجع عند المصيبة اجره
الله فيها واخلف عليه خيرًا وفيه ان مصباح النّبىّ
صلّى الله عليه وسلّم طفى فاسترجع فقالت عائشة انما
هٰذا مصباحٌ فقال كل ما ساء المؤمن فهو مصيبة
رواه ابوداؤد فى مراسيله اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ
مغفرة مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ نعمة وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُهْتَدُوْنَ ○ الى الصّواب

ترجمہ — اے ایمان والو سہارا پکڑو (آخرت کے لیے طاعت اور مصیبتوں پر)
صبر کرکے اور نماز کے ذریعہ سے (نماز کی تخصیص اس کے بار بار ہونے

اور عظمت کی وجہ سے ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (مدد کے لحاظ سے) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں ان کی نسبت یہ بھی نہ کہو کر (وہ) مُردے ہیں بلکہ (وہ) زندہ ہیں (ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں۔ جنت میں جہاں چاہیں پھرتی ہیں اسی مضمون کی حدیث ہے لیکن تم ادراک نہیں کر سکتے (نہیں جانتے کہ وہ کس حال میں ہیں) اور ہم تمہارا امتحان ضرور کریں گے (دشمن کے) کسی قدر خوف سے اور فقر و فاقہ (قحط سالی) اور کچھ مالی (نقصان) اور جانی (اتلاف) مرض طبعی موت کی صورت میں) اور پھلوں کی کمی سے (بذریعہ آفات یعنی ضرور تمہاری آزمائش کریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ صبر کرتے ہو یا نہیں) اور بشارت سُنا دیجئے آپ صبر کرنے والوں کو (مصائب پر جنت کی) جن کی حالت یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مُصیبت آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ملک ہیں (یعنی اسی کے مملوک اور بندے ہیں جو چاہے وہ ہمارے ساتھ کریں) اور ہم سب اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں (آخرت میں وہی ہم کو بدلہ دیگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ کہے گا اللہ اس کو اجر عنایت فرمائیں گے اور اس مصیبت سے بہتر خلف تجویز کریں گے۔ نیز حدیث میں ہے کہ آپ کا چراغ ایک مرتبہ گل ہو گیا آپؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا۔ سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا کہ صرف چراغ ہی تو بجھا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز مسلمان کے لیے تکلیف دِہ ہو وہ مصیبت میں شمار ہے۔ ابو داؤد طیالسی نے اپنی مراسیل میں اس کو روایت کیا ہے) ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں (مغفرت) بھی ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت عامہ (نعمت) ہو گی اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہو گئی ہے (راہ صواب کی طرف)

شانِ نزول

ابن مُنذر نے حضرت ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ شُہدائے بدر کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ آٹھ انصار

چند مہاجر تھے جن کے بارے میں مشرکین و منافقین کہنے لگے کہ دیکھو یہ بیچارے کس طرح محمدؐ کے کہنے میں آکر دنیا کی زندگی اور لذت سے محروم رہ گئے۔

بیانِ ربط

تہذیبُ الاخلاق کے چند شعبے ہیں:
ذکرؔ، شکرؔ، صبرؔ، صلوٰۃؔ، تعظیم شعائر اللہ۔
سابقہ آیات میں جہاں تحویلِ قبلہ کے اعتراضات کا ازالہ کیا گیا تو وہاں ساتھ ساتھ تہذیبُ الاخلاق کے شعبہ ذکر اور شکر کو بھی بیان کیا گیا۔ اسی کو جاری رکھتے ہوئے ان آیات میں صبر و صلوٰۃ کو بیان فرمایا۔

بیانِ اغراض جلالین

قولہٗ علی الاٰخرۃ ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر مُستعان کو ذکر فرمایا یعنی بیانِ مُستعان ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صبر اور صلوٰۃ سے امداد پکڑو۔ حالانکہ انّ الصّبرؔ یحصل بہ نفع الدُّنیا وکذا یا لصّلوٰۃ

جواب ۔ یہ ہے کہ صبر اور صلوٰۃ کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے دنیا کے ساتھ نہیں ہے۔

قولہٗ علی الطاعۃ والبلاءِ ۔ علامہ سیوطیؒ نے محل صبر بیان کیا ہے کہ طاعۃ پر بھی صبر ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی اطاعت اپنے مالک کیلئے دائمًا ہو ہر حالت میں شریعت مقدسہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے جس کو استقامت فی الدین سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اس طریقہ سے مصیبت پر بھی آدمی صبر کرے۔

قولہٗ خصّہا بالذکر : دفعیہ سوال مُقدّر ہے۔

سوال - تہذیبُ الاخلاق کے شعبے اور بھی تو ہیں صلوٰۃ کو خاص کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جوابِ اوّل - لتکررھا۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر جواب اول دیا ہے کہ نماز کی تخصیص اس کے بار بار پڑھنے کی وجہ سے ہے کیونکہ لیل ونہار میں اس کی ادائیگی پانچ وقت میں ہوتی ہے بخلاف دیگر اعمال کے کہ ان کی ادائیگی اس کے مقابلہ میں کم ہے۔

جوابِ دوم - وعظمھا۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر جواب ثانی دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز کی عظمت وشان اتنی اہم ہے کہ دیگر اعمال کی اتنی عظمت نہیں ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو معراج المؤمن فرمایا۔ حضرت بلالؓ کو فرماتے "ارِحْنَا یَا بِلَالُ" (ابو داؤد شریف ص۳۳۲ ج ۲ کتابُ الادب باب فی صلوٰۃ العتمہ) اے بلال ہمیں راحت دے۔ یعنی اذان کہو اور ہم نماز پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے (اذا حزبہٗ امرٌ فزع الی الصلوٰۃ (الحدیث) تو یہ ساری شرافت نماز ہی میں ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخصیص فرمائی۔ وجاء فی مقامٍ اٰخر "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔

قولہٗ بالعون - اس کی بار تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے معیت کی صورت بیان کی ہے۔ ثانیاً دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : انّ المعیۃ تدلّ علی المکان والجھۃ والصورۃ مع ان اللہ تعالیٰ منزہ عنھا کلھا فکیف یقول انّ اللہ مع الصابرین

جوابِ اوّل - علامہ سیوطیؒ نے جواب دیا کہ معیت نصرت ومدد سے کنایہ ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ"

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی: معیت دو قسم ہے ۱۔ ذاتی

۲ صفاتی ۔ صوفیاء کرام کے نزدیک معیت ذاتی ہے۔" وھو معکم اینما کنتم ۔ علماء ظواہر کے نزدیک معیت صفاتی ہے چنانچہ سیوطیؒ نے بھی یا نقوب کو کہ بکال کر اشارہ فرمایا کہ معیت صفاتی مراد ہے یعنی مدد کرنا۔

سوال ۔ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کے ساتھ ہیں صابرین کی تخصیص کیوں ہے ۔

جواب ۔ معیت دو قسم ہے ۱ عام جو ہر ایک شخص کے ساتھ ہے ۲ خاص جو صابرین کے ساتھ ہے ۔

قولہٗ ھم : انما قدر ھو اشارۃ الی ان قولہٗ اموات خبر مبتدا محذوف وکذالک قولہٗ ھم احیآء ۔

قولہٗ ارواحھم فی حواصل طیور خضر الخ ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نقل فرما کر تعیین حیات کی ہے کہ ان کی حیات برزخی ہے جو جنت میں ہے نہ کہ دنیوی ۔

قولہٗ لحدیث بذالک : یہاں سے علامہ سیوطیؒ اپنے قول کی دلیل پیش کر رہے ہیں ۔

سوال ۔ علامہ سیوطیؒ نے حیات برزخی پر جو دلیل حدیث پاک سے پیش کی ہے وہ درست نہیں ہے کیونکہ اس سے تناسخ روح معلوم ہوتا ہے یعنی شہید کا روح پرندوں میں چلا جاتا ہے حالانکہ عقیدہ تناسخ شریعت کے خلاف ہے ۔

جواب اوّل ۔ عند البعض ارواح کی جب تکمیل ہو جاتی ہے تو ان کا تمثل اس صورت میں کر دیا جاتا ہے جیسے فرشتہ کا تمثل بشکل انسانی ہوتا ہے ۔

جواب دوم ۔ یہ تشریفاً ارواح کے ساتھ کاروائی کی جائیگی جیسے کپڑوں کو صندوق میں رکھا جاتا ہے یا موتیوں کو صندوقوں میں رکھا جاتا ہے ۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : حواصل طیور کے الفاظ روایت بالمعنی ہیں ۔ اصل الفاظ موطا امام مالک ص ۲۲۴ کتاب الجنائز میں ہیں "نسمۃ المؤمن طیر" یعنی خود مؤمن کی روح جنت کا پرندہ ہے ۔

وبهذا فلا اشكال عليه : عن كعب بن مالك كان يحدث ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما نسمة المؤمن طير ،

قوله تعلمون - تعلمون کا معنیٰ شعور بھی ہے اور شعور احساس باحد الحواس کو کہتے ہیں اور شعور کا دوسرا معنیٰ علم بھی ہوتا ہے - علامہ سیوطیؒ نے تعلمون کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں شعور بمعنیٰ علم ہے یعنی تعیین احد المعانی کی ہے۔

قوله ما هم فيه : تعلمون کا مفعول بہ بیان کیا ہے۔

قوله للعدو - اس کی دو غرضیں ہیں - اوّل صلہ ہے خوف کا۔ دوّم تعیین ہے خوف کی -

قوله القحط : علامہ سیوطیؒ نے القحط کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر مُسبّب ارادہ سبب ہے کیونکہ بھوک کا سبب قحط بھی ہوتا ہے۔

قوله بالهلاك : اس کی باء تصویریہ ہے علامہ سیوطیؒ نے نقص اموال کی صورت بیان کی ہے -

قوله بالقتل : اس کی باء تصویریہ ہے یہ نقص النفس کی صورت بیان کی ہے پھر اس کے درجات ہیں - اعلیٰ ، ادنیٰ ، متوسط - موت جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے جس کو الموت سے تعبیر کر رہے ہیں - ادنیٰ درجہ امراض جسمانیہ ہیں جس کو والامراض سے تعبیر کر رہے ہیں -

قوله بالجوائح : جمع جائحة بمعنیٰ وہ مصیبت جو پھلوں میں آجائے اس کی باء تصویریہ ہے یہ نقص ثمرات کی صورت بیان کی ہے -

قوله ای لنختبر نکم : حاصل معنیٰ کا بیان ہے -

قوله فننظر اتصبرون ام لا ; پس دیکھیں گے کہ تم صبر کرتے ہو یا نہیں ، اس کی دو غرضیں ہیں - اوّل غرض اختبار یعنی خبر لینے کا مقصد ہی یہ معلوم کرنا ہے کہ صابر کون ہے اور کون نہیں - دوّم بیان ربط کہ ابتداء میں فرمایا :

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ پھر فرمایا وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ تو درمیان میں علامہ سیوطیؒ نے یہ عبارت مقدر کی کہ جو صابر ہوگا اس کے لیے خوشخبری ہے جو غیر صابر ہے اس کے لیے خوشخبری نہیں۔

قولہٗ علی البلاء : صابرین کا صلہ بیان کیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے ماقبل کی رعایت کرتے ہوئے صبر علی البلاء مراد لیا ہے کیونکہ تذکرہ بھی بلاء کا ہو رہا ہے۔

قولہٗ بالجنّۃ : مُبَشَّر بہ کا بیان ہے یعنی انّ المبشّر بہ محذوف ای بان علیھم صلوات من ربّھم ورحمۃ فی الجنّۃ۔

قولہٗ ھم : اشارۃ الی انّ الّذین خبر مبتدا محذوف لاصفۃ الصابرین کما یتبادر من ظاھر العبارۃ لوقف بعض القرّاء علی الصّابرین۔

قولہٗ بلاءٌ۔ مُصِیْبَۃٌ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قولہٗ مِلْکًا وَعَبِیْدًا (اسی کے مملوک وبندے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لِلّٰہِ کی لام تملیک کی ہے یعنی تعیین لام ہے ثانیًا تردید یہود بھی مقصود ہے یعنی ملکًا وعبیدًا لا ابنًا کما قال الیھود نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰہِ۔

قولہٗ یفعل بنا ما یشاء (جو چاہیں وہ ہمارے ساتھ کریں) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل مِلکًا وعبیدًا کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے کہ جب ہم اس ذاتِ مقدس کے مملوک وبندے ہیں تو اس کی مرضی ہمارے مال وجان میں جس طرح چاہیں تصرّف کر سکتے ہیں۔ دوم بیانِ ربط کما سبق۔

قولہٗ فی الآخرۃ : محلِ رُجوع بیان کیا ہے۔ ثانیاً۔ وفیہ ردًا علی الحلولیۃ کما مرّ سابقًا۔

قولہٗ فیجازینا۔ علامہ سیوطیؒ نے رجوع کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔

ثانیاً - اشارۃ الی ان الضمیر المجرور فی الیہ بحذف المضاف تقدیرہ الی جزائیہ - ثالثاً - ففیہ رد لاستدلال المجسمۃ بھذہ الآیۃ علی انہ تعالی جسم تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً کما مَرّ -

یقول ابوالاسعاد - وھذہ المقالۃ (انا للہ وانا الخ) من خصائص ھذہ الامۃ ولوکانت لغیرھم لکانت لیعقوب حین فقد یوسف فقال یا أسفا -

قولہٗ وفی الحدیث الی قولہٖ وفیہ ان المصباح الخ - اشارۃ الی انّ المراد من المصیبۃ کل شیئ یوذی المؤمن کما اشار الشارح -

قولہٗ استرجع - ای قال انا للہ وانا الیہ راجعون -

قولہٗ مراسیل - یہ امام ابوداؤد کی دوسری تصنیف کا نام ہے جس میں مرسل ومنقطع روایات ہیں سنن ابی داؤد مراد نہیں -

قولہٗ مغفرۃٌ - علامہ سیوطیؒ مغفرۃٌ کا کلمہ نکال کر دو سوالوں کا دفعیہ فرما رہے ہیں -

سوال اوّل صلوٰۃ بمعنیٰ دعا ہے اور دعاء کی نسبت اللہ پاک کی طرف ہے (من ربھم) حالانکہ دعا تو بندوں کی طرف سے ہوتی ہے جب کہ یہاں عکس ہے -

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے مغفرۃ کا کلمہ نکال کر جواب دیا کہ "لیس المُراد من الصلوٰۃ المعنی الحقیقی وھو الدعاء بلکہ بمعنی مغفرت ہے یعنی بخشش -

سوال دوم صلوٰۃ بمعنیٰ دعا ہے اور دُعا کہتے ہیں طلبُ الرحمت کو تو گویا صلوٰۃ بمعنیٰ رحمت ہوا جب کہ آگے بھی رحمۃٌ کا لفظ ہے تو اس سے تکرار لازم آگیا یعنی عطف الشیئ علی نفسہ -

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے جواب دیا کہ صلوٰۃ بمعنیٰ مغفرت ہے از قبیل دفع مضرت اور رحمۃٌ بمعنیٰ نعمت از قبیل جلب

منفعت ہے فلا سوال علیہ۔
قولہٗ نعمۃ۔ لا المعنی الاصلی الذی ھو رقۃ القلب فلا یلزم عدم امکانہٖ فی حقہٖ تعالٰی۔
قولہٗ الی الصواب۔ مُھتدُونَ کا صلہ بیان کیا ہے یا محل ہدایت بیان کیا ہے یشیر الی ان متعلق الاھتداء مقدرۃ۔

بیانِ فوائد

مراتب صبر

صبر کے تین درجے ہیں۔ صبر باللہ۔ صبر للہ۔ صبر مع اللہ
صبر باللہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود صبر نہیں کر سکتا اللہ کی مدد کے بغیر جیسے وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور صبر للہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی طاقت و قوت ظاہر کرنے یا لوگوں کی واہ واہ سننے کے لیے صبر نہیں کرتا بلکہ صرف اللہ کی محبت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔
صبر مع اللہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی تمام خواہشات اور ارادوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے تابع کردے اور خود کو بالکلیہ احکام شرع کا پابند کرلے۔

کیا اولیاء شہدا کی فضیلت میں شریک نہیں

آیت شہداء کی تخصیص پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بعض احادیث کی رُو سے اولیاء صالحین بھی شہداء کی اس فضیلت میں شریک معلوم ہوتے ہیں کہ ان کو بھی عام مردوں کی طرح نہ سمجھنا چاہیئے۔ پھر آیت میں شہداء کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔
توجیہ اوّل۔ یہ کہ مجاہدہ نفس سے مرنے والے کشتۂ محبت اور قتیلِ ناز اولیاء اللہ

کو بھی معنیً شہید سمجھا جائے اور ان کو بھی آثار شہداء میں شریک سمجھا جائے۔

توجیہ ثانی۔ یہ ہے کہ آیت میں شہداء کی تخصیص حقیقی نہیں ہے کہ دوسرے اس فضیلت میں شریک ہی نہ ہو سکیں ورنہ انبیاء کی افضلیت بھی باعث اشکال ہو جائے گی بلکہ تخصیص اضافی مراد ہے یعنی عام مؤمنین کے لحاظ سے شہداء کی تخصیص کی گئی ہے جو ان سے کم درجہ کے ہوں لیکن جو ان کے برابر یا ان سے عالی تر ہوں ان کے اعتبار سے تخصیص نہیں ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ جبلان بمكة مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اعلام دينه جمع شعيرة فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ اى تلبس بالحج او العمرة واصلها القصد والزيارة فَلَا جُنَاحَ اثم عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ فيه ادغام التاء فى الاصل فى الطاء بِهِمَا بان يسعى بينهما سبعًا نزلت لما كره المسلمون ذالك لان اهل الجاهلية كانوا يطوفون بهما عليهما صنمان يمسحونهما وعن ابن عباس ان السّعى غير فرض لما افاده رفع الاثم من التخيير وقال الشافعى وغيره ركن وبين صلّى الله عليه وسلم وجوبه بقوله اِنَّ اللّٰه كتب عليكم السّعى رواه البيهقى وغيره وقال ابدؤا بما بدأ الله به يعنى الصّفا

(رواہ مُسلم) وَمَنْ تَطَوَّعَ وفی قرأۃ بالتحتانیۃ وتشدید الطاء مجزومًا وفیہ ادغام التاء فیھا خَیْرًا ای بخیر ای فعل مالم یجب علیہ من طواف وغیرہ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ لعملہٖ بالاثابۃ علیہ عَلِیْمٌ بہٖ

ترجمہ بلاشبہ صفا ومروہ (مکہ میں دو پہاڑوں کا نام ہے) منجملہ خدائی یادگاروں کے ہیں (علامتِ دین سے ہے شعائر جمع شعیرہ کی ہے) جو شخص بیت اللہ کا حج یا عُمرہ کرے (یعنی حج یا عمرہ سے ملتبس ہوا، حج کے اصلی معنیٰ قصد کے اور عمرہ کے معنیٰ زیارت آتے ہیں) اس پر کوئی مضائقہ (گناہ) نہیں ہے طواف کرنے میں (لفظ یَطَّوَّفَ میں تاء اصلی کو طاء کر لیا، اور طاء کو طاء میں ادغام کر دیا ہے) ان دونوں پہاڑوں کا سات دفعہ ان کے درمیان سعی کرے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ مسلمان اس سعی کو مکروہ سمجھ رہے تھے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان پہاڑوں کا طواف ایسی حالت میں کرتے تھے کہ ان پر دو بُت رکھے ہوتے تھے کہ لوگ ان کو چھوتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ سعی فرض نہیں ہے کیونکہ رفع گناہ سے اختیار سمجھ میں آرہا ہے۔ امام شافعی وغیرہ اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے وجوب کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض کیا ہے (رواہُ البیہقی وغیرہ) اور فرمایا کہ جہاں سے خدا نے شروع کیا تم بھی وہیں سے شروع کرو یعنی صفا سے (رواہ مسلم) اور جو شخص خوشدلی سے کرتا ہے (ایک قرأت میں یائے تحتانیہ اور طاء کی تشدید کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے۔ دراصل اس میں تاء کا طاء میں ادغام ہوا ہے) کسی خیر کو (خیر معنیٰ میں بخیر کے ہے یعنی غیر واجب طواف وغیرہ کرے) تو اللہ تعالیٰ قدردانی کرنے والے ہیں (اس کے عمل پر ثواب دے کر) خوب

جاننے والے ہیں (اس کو)

بیانِ شانِ نزول

لباب النقول میں امام بخاری سے دو روایتوں کی تخریج ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ صفا اور مروہ دونوں پہاڑوں پر زمانہ جاہلیت میں اساف و نائلہ نام کے دو بت نصب تھے جن کا طواف ہوا کرتا تھا، حج و عُمرہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کو جب سعی کا حکم ہوا تو انہیں اس کے شرک اور گناہ ہونے کا شبہ ہوا اس شبہ کے ازالہ کے لیے آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ نازل ہوئی۔

بیانِ ربط

چونکہ بنائے ابراہیمی اور دعائے ابراہیمی کا تذکرہ ہو چکا ہے جس میں مناسکِ حج کی طرف بھی اشارہ تھا اس لیے یہاں اس مناسبت سے سعی کا بیان ہو رہا ہے۔ دوسری قریبی مناسبت یہ ہے کہ آیت وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ الخ میں جان و مال کے انفاق کا ذکر تھا، حج و عمرہ میں بدنی اور مالی مجاہدہ کا بیان ہے۔ تیسری قریبی مناسبت یہ ہے کہ تہذیبُ الاخلاق کے پانچ شعبے تھے۔ چار کا ذکر سابقہ آیات میں ہو چکا، پانچویں شعبہ (تعظیم شعائر اللہ) کا ذکر ابھی آیا چاہتا ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہٗ جبلان بمکۃ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر صفا، مروہ کی تعیین فرمائی ہے۔

یقول الوالاسعاد : صفا پہاڑ کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ آدم صفی اللہ اس پر قیام پذیر ہوئے۔ اور مروہ کی وجہ تسمیہ امرأۃ آدم حوا علیہما السلام کا قیام پذیر ہونا بتلایا جاتا ہے۔

قولہٗ اعلام دینہ۔ (علاماتِ دین سے ہے) شعائر جمع شعیرہ بمعنی نشانی معنیٰ ہوگا اللہ پاک کے نشانیوں میں سے ہیں۔ لفظ اعلام نکال کر علامہ سیوطیؒ نے شعائر کا معنیٰ بیان کیا ہے اور لفظ دینہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ عبارت بتقدیر المضاف ہے" ای شعائر دین اللہ۔

قولہ جمع شعیرۃ۔ بمعنیٰ علامتِ حج وعبادت یہاں سے علامہ سیوطی تحقیق لفظی بیان فرمارہے ہیں۔ ثانیًا یشیر الی انہ لیس جمع شعر بفتح الشین والعین الذی یقال لہٗ بالفارسیۃ (موئے) فلا یرد عدم صحۃ اضافتھا الی اللہ تعالیٰ۔

قولہٗ تلبس بالحج والعمرۃ۔ (یعنی حج وعمرہ سے متلبس ہوا) یہ عبارت دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال۔ حج درلغت مطلقًا قصد اور عمرہ درلغت مطلقًا زیارت کو کہتے ہیں حالانکہ مطلقًا قصد کرنے یا زیارت کرنے سے تو ثواب نہیں ملتا۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حج وعمرہ کا لغوی معنیٰ مراد نہیں بلکہ شرعی معنیٰ مراد ہے کہ اپنے آپ کو حج وعمرہ کے احکام میں ملتبس کرنا مشغول کرنا مراد ہے نہ کہ مطلق قصد و زیارت کیونکہ یہ سنت نہیں ہیں۔

قولہٗ واصلھا القصد والزیارۃ۔ یہ لف ونشر مرتب کے طریقے پر ہے۔ لغوی معنیٰ بیان کررہے ہیں کہ" الحج فی الاصل القصد والعمرۃ فی الاصل ھوالزیارۃ۔

قولہٗ اثمٌ۔ جُناح" بمعنیٰ حرج ہے۔ علامہ سیوطی نے اثم کا

کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں جناح کا مرادی معنیٰ مقصود ہے وہ ہے اثم گناہ یعنی جناح شرعی مراد ہے۔

قولہٗ فیہ ادغام التاء۔ تحقیق لفظی بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے " اصلہ یتطوف قلبت التاء طاءً ثم ادغمت فی الطاء

قولہٗ بان یسعیٰ بینھما سبعًا۔ (سات دفعہ ان کے درمیان سعی کرے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ پاک فرماتے ہیں کہ " اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا کہ ان دونوں کا طواف کیا جائے حالانکہ طواف کا معنیٰ ہے " الدَّوْرَانِ حول الشیئ (شیئ کے ارد گرد دوڑنا) جب کہ صفا مروہ کے ارد گرد تو نہیں دوڑا جاتا۔

جواب ۔ تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ یہاں طواف بمعنی اَلسَّعْی ہے نہ کہ " الدَّوران حول الشیئ" ہے۔

قولہٗ نزلت۔ بیانِ شانِ نزول۔

قولہٗ صنمان۔ احدھما یسمیٰ اسافًا والثانی یسمیٰ نائلۃ قیل کانا علیٰ صورۃ رجل وامرأۃ وذالک ان رجلاً اسمہٗ اساف وامرأۃ اسمھا نائلہ زنیا فی الکعبۃ فمسخھما اللہ حجرین علیٰ صورتھما الاصلیۃ فلما تقادم الزمان عبدتھما الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام ابطل ذالک ونسخہٗ۔

قولہٗ وعن ابن عباسؓ۔ یہاں سے علامہ سیوطیؒ فقہی مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ سعی غیر فرض ہے چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سعی سنت ہے۔

قولہٗ لما افادہٗ رفع الاثم من التخییر۔ (کیونکہ رفع گناہ اختیار سمجھ میں آرہا ہے) بیانِ دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کے الفاظ لَاجُنَاحَ (رفع الاثم) اور وَمَنْ تَطَوَّعَ (مِنَ التخییر) پر نظر کرتے ہوئے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ سعی سنت ہے اگر فرض ہوتی تو تخییر کا حکم نہ ہوتا۔

قولهٗ وقال الشافعی ۔ یہ سعی امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک فرض اور رکنِ حج ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث نقل کی ہے " اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ السَّعْیَ " اور مسلم شریف کی روایت ہے۔ " ابدؤا بما بدأ اللّٰہ یعنی الصفا " امام اعظمؒ ان دونوں دلیلوں پر نظر کرتے ہوئے واجب فرماتے ہیں جن کے چھوٹ جانے پر جانور کی قربانی کرنی پڑیگی۔

احناف نے یہ وجوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے سمجھا ہے۔ آیت " اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ " کے واو سے استدلال نہیں کیا۔ کیونکہ آئندہ جملہ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا بغیر واو کے آرہا ہے۔

یقول ابوالاسعاد : حدیث اَبدؤا بما بدأ اللّٰہ اس میں تقدیم ذکری سے اہتمام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نیز لفظ لاجناح سے وجوب کے خلاف شبہ نہیں ہونا چاہیئے یعنی یہ کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ یہ سعی گناہ نہیں ہے پس اس سے زیادہ سے زیادہ سعی کا مباح ہونا ثابت ہوا کیونکہ کہا جائیگا کہ شبہ چونکہ سعی کے گناہ ہونے کا تھا اس لیے جواب میں لاجُناح کا عنوان رکھا گیا کہ سعی گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ فرمانا اس کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے اور مَنْ تطوع کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام تو کرنا ہی ہوگا لیکن بہتر یہ ہے کہ خوش دلی اور رغبت کے ساتھ ہو۔

قولهٗ وفی قرأۃ ۔ بیان قرأت ہے۔

قولهٗ وتشدید الطاء مجزومًا ۔ بیانِ اعراب ہے۔

قولهٗ وفیہ ادغام التاء فیھا ۔ بیان لوجہ تشدید الطاء۔

قولهٗ ای بخیر ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ خیرًا منصوب بنزع الخافض ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت اس کی مؤید ہے یا فعل بتضمین معنیٰ اتیٰ خود متعدی بنفسہٖ ہے۔

قولهٗ ای فعل ۔ حاصل معنیٰ کا بیان ہے۔

قولهٗ من طواف وغیرہ - بیان ہے ما کا - نیز اشارہ فرمایا کہ خیر کی تنوین تعمیم کے لیے ہے -

قولهٗ لعملہٖ - اس کی دو غرضیں ہیں - اوّل بیانِ ربط : فرمایا کہ اللہ پاک شاکر ہیں یہ نہیں فرمایا کہ کس پر ہیں - آگے ہے عَلِیْمٌ جاننے والے ہیں تو علامہ سیوطیؒ نے درمیان میں ربط پیدا کرنے کے لیے یہ لفظ نکالا کہ عمل پر شاکر ہیں - دوم دفعیہ سوال مقدّر

سوال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " اِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ " شکر نعمت کے مقابل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک پر کسی نے احسان کیا ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں احسان کر رہے ہیں -

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے لعملہٖ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ شکر کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مقابل عمل ہوتا ہے نہ کہ نعمت اور لعملہٖ کی ضمیر من کی طرف راجع ہے -

قولهٗ بان یثابہ علیہ - (عمل پر ثواب دے کر) یہ جملہ بھی سوال سابق کا جواب ثانی ہے - یعنی اس میں ایفاءِ وعدہ الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ تم عمل کرو میں شاکر ہوں ان اعمال پر میں تمہیں ثواب دونگا - بالفاظِ دیگر شکر تو منعم کا ہوتا ہے مخلوق تو منعم نہیں تو بان یثابہ سے جواب دیا کہ شکر کا مقصد ہے کہ اس پر ثواب دونگا قولهٗ بہٖ - علیمٌ کا صلہ نکالا ہے - ثانیاً اشارۃ الی حذف المتعلق بقرینۃ ما تقدم اور بہٖ کا ضمیر عمل کی طرف راجع ہے -

ونزل فی الیہود اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ الناس مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی کاٰیۃ الرجم ونعت محمد مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ التوراۃ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ یبعدھم من رحمتہ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ○

الملٰئكة والمؤمنون او كلّ شيئ بالدعاء عليهم باللعنة
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا رجعوا عن ذالك وَاَصْلَحُوْا عملهم وَبَيَّنُوْا
ما كتموه فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ اقبل توبتهم وَاَنَا
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ بالمؤمنين اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا
وَهُمْ كُفَّارٌ حال اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ
النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ اى هم مستحقوا ذالك فى الدّنيا و
الاٰخرة والنّاس قيل عام وقيل المؤمنون خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا اى اللّعنة او النار المدلول بها عليها لَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ طرفة عينٍ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ يمهلون
لتوبةٍ او معذرةٍ

ترجمہ (اور یہود کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی) جو لوگ چھپاتے ہیں (لوگوں سے) ان مضامین کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو واضح دلائل اور ہدایت بخش ہیں (جیسے آیت رجم اور آنحضرتؐ کی نعت) اس کے بعد کہ ہم ان کو عام لوگوں پر واضح کر چکے ہیں کتاب (توراۃ) میں ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت فرماتے ہیں (اپنی رحمت سے ان کو دور فرما دیتے ہیں) اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں (فرشتے مؤمنین یا ہر چیز کی پھٹکار ان پر ہوتی ہے) البتہ جو لوگ توبہ کر لیں (اس سے باز آجائیں) اور اصلاح کر لیں (اپنے اعمال کی) اور ظاہر کر دیں (چھپائی ہوئی باتوں کو) ایسے لوگوں پر متوجہ ہو جاتا ہوں (ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں)

اور ہماری عادت ہے توبہ قبول کرلینا اور مہربانی فرمانا (مسلمانوں پر) البتہ جو لوگ اسلام نہ لاویں اور اس حالت کفر پر مرجاویں (کُفَّارٌ حال ہے) ایسے لوگوں پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت پھٹکار (یعنی یہ دین و دنیا میں لعنت کے مستحق ہیں النَّاس سے مراد یا عام انسان ہیں یا خاص مؤمن) وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں گرفتار رہیں گے (یعنی لعنت میں یا نار جہنم میں کہ لعنت کا مدلول ہے) ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پائے گا (ایک پل بھر بھی) اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی (توبہ یا معذرت کی)

شانِ نزول

ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ معاذ بن جبلؓ، سعد بن معاذؓ، خارجہ بن زیدؓ نے چند علماءِ یہود سے تورات کے بعض مضامین کے متعلق دریافت کیا لیکن انہوں نے چھپایا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

بیانِ ربط

تحویل قبلہ کے ذیل میں لیکتمون الحق سے صاحب قبلہ کے سلسلہ میں کتمان حق کا بیان ہوا تھا یہاں ان پر وعید کا بیان ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہٗ نزل فی الیهود۔ آیندہ آیت کا شانِ نزول بیان کر رہے ہیں۔
قولہٗ النّاس۔ یکتمون کا مفعول مقدر ذکر کیا ہے۔
قولہٗ کآیۃ الرجم۔ مثال البینات؛

قولهٗ ونعت مُحمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم - مثال الهدیٰ وفیه اشارة الی ان الهدیٰ مصدر متعدٍ بمعنیٰ راہ نمودن -

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : بیّنٰت کا معنی ہے واضح اور ہدیٰ کا معنیٰ ہے راہِ راست پر لانے والی - تو بیّنات ہیں فی نفسہٖ اور ہدیٰ ہیں غیروں کے لیے -

قولهٗ التوراة - یعنی اللّام للعہد لا للاستغراق اس سے مخصوص کتاب تورات مراد ہے -

قولهٗ یبعدهم من رحمته (دور فرما دیتے ہیں ان کو اپنی رحمت سے) بُعد دو قسم ہے - بُعدِ مُطلق ، بُعد عن الرحمت : علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ بُعد عن الرحمت مراد ہے نہ کہ مُطلقاً بُعد - کیونکہ ان مُطلق اللعن ذی البعد مُتحقق فی المؤمنین -

قولهٗ والملائکة والمؤمنون - لاعنون جمع ہے واؤنون کے ساتھ اور واؤنون والی جمع عموماً ذوی العقول کے لیے آتی ہے - اس لیے علامہ سیوطیؒ نے ملائکہ اور مؤمنین مراد لیے ہیں -

قولهٗ او کل شیءٍ - علامہ سیوطیؒ یہاں سے دوسری قسم بیان فرما رہے ہیں نیز تغلیباً ذوی العقول کے لیے جمع لائے ہیں -

یقول ابو الاسعاد : ومراد کلّ شیءٍ حتّی الجمادات والحیتان فی البحر ویشهد لهٗ الحدیث العاصی یلعنه کلّ شیءٍ حتی الحیتان فی البحر فهذا الوعید ان کان واردًا فی کل شیءٍ خاص الا انه لکل من کتم علمًا ومنه شاهد الزور والمُفتی بغیر الحق کما قالهٗ علامة الصاوی -

قولهٗ بالدعاء علیهم باللعنة - یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے -

سوال - لعنت کا معنیٰ ہے ابعاد عن الرحمت یہ فعل تو اللہ تعالیٰ کا ہے

جبکہ کل شیئ کے اندر لعنت کی نسبت شئی کی طرف ہے ۔

جواب ۔ تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لعنت کی بد دعا کرتے ہیں یعنی بالدعاء کی یا تصویر یہ ہے لعنت کل شئی کی صورت بیان کی ہے ۔

قولہٗ رجعوا ۔ تَابَ بمعنی کسی کام سے رجوع کرنا ، پھر جانا ۔ علامہ سیوطیؒ نے رجعوا کا کلمہ نکال کر تَابُوْا کا معنیٰ بیان کیا ہے ۔

قولہٗ عن ذالك ، ای عن کتمان الحق تابوا کا صلہ نکالا ہے

قولہٗ عملھم ۔ اصلحوا کا مفعول نکالا ہے ۔

قولہٗ ماکتموہ ۔ بَیَّنُوْا کا مفعول نکالا ہے ۔

قولہٗ اقبل توبتھم ۔ دفعیہ سوال مقدر ہے ۔

سوال توبہ کا معنیٰ ہوتا ہے رجوع عن المعصیۃ اور یہ معنیٰ فی حق اللہ تعالیٰ محال ہے جب کہ قرآن پاک میں یہ نسبت توبہ اللہ پاک کی طرف ہے

جواب علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ توبہ کی نسبت جب ذات باری تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنیٰ قبولیت توبہ کے ہوتا ہے فیصح اسنادھا الیہ تعالیٰ ۔!

قولہٗ بالمؤمنین ۔ اس کی دو غرضیں ہیں ۔ اوّل رحیم کا صلہ نکالا ہے دوّم دفعیہ سوال مقدر ہے ۔

سوال ۔ ماقبل میں فرمایا " یلعنھم اللہ " اور یہاں فرمایا " الرحیم " کہ میں رحیم ہوں بظاہر ان میں ربط نہیں ۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے " بِالْمُؤْمِنِیْنَ " کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ میں رحیم ہوں مؤمنوں کے لیے ، اور یَلْعَنُهُمُ اللہُ کا اطلاق کافروں کے لیے ہے ۔

قولہٗ حالٌ ۔ بیانِ ترکیب ہے ۔ یعنی کُفَّارٌ حال بن رہا ہے مَاتُوْا سے ۔

قولہٗ ای ھم مستحقوا ذالك (یعنی وہ مستحق ہیں اس لعنت کے)

یہ جملہ سوال مُقدر کا دفعیہ ہے۔

سوال ما قبل میں فرمایا تھا " اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ " پھر فرمایا " اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ " یہ تکرار ہے اس کے مختلف جواب ہیں ؛

جوابِ اوّل علامہ سیوطیؒ نے یہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ پہلی لعنت سے مراد بالفعل یعنی وقوعِ لعنت ہے اور اس لعنت سے مراد استحقاقِ لعنت ہے۔ ولذا قید بقولہٖ فی الدنیا والآخرة للعموم۔!

جوابِ ثانی بعض نے اوّل سے مُراد دوام تجددِ لعنت اور ثانی سے مراد دوام وثبوتِ لعنت لیا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہُ القوی : فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تکرار بالکل نہیں کیونکہ پہلی آیت میں کاتمینِ حق کے لیے لعنت ہے اس آیت میں عموم ہے تمام کافر مراد ہیں۔ فلا تکرار فیہ فافھم یا ایھا القاری ذالك ھوالفضل الکبیر۔!

قولہٗ والناس قیل عام قیل المؤمنون۔ علامہ سیوطیؒ نے " النّاس " کی تعیین میں دو قول نقل کیے ہیں ؛

قولِ اوّل عام انسان مُراد ہیں بقرینۃ اللام کیونکہ " لان الکفار تعریوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا۔!

قولِ دوم یا خاص مُؤمن مراد ہیں کیونکہ حقیقت میں انسانیت سے نفع اٹھانے والے مؤمن ہی ہیں۔ رہے کافر وہ مثل اَنعَام بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ہیں۔ اس لیے دائرہ انسانیت سے خارج اور ناقابلِ شمار ہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے مُطلقاً اَلنَّاسُ فرمایا۔ آپ نے کیسے مُؤمنین مراد لیے ؟

جواب : اَلنَّاسُ مُطلق ہے اور اَلْمُطْلَقُ اِذَا اُطْلِقَ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ۔!

قولهٗ ای اللعنۃ او النار ۔ یہ دو کلمے نکال کر علامہ سیوطیؒ نے فیہا کے ضمیر کا مرجع بیان فرمایا ہے کہ عند البعض اس کا مرجع معنوی ہے یعنی لعنت! دوم اس کا مرجع نار ہے۔

قولهٗ المدلول علیہا ۔ (لعنت کا مدلول ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: نار کا تو ذکر ہی نہیں آپ نے کیسے فیہا کا مرجع نار کیا ہے۔

جواب ۔ نار ضمناً مذکور ہے کیونکہ استحقاقِ لعنت نار ہی کا درجہ ہے۔

قولهٗ طرفۃ عین ۔ (ایک پل بھر بھی) یعنی مقدار تغمیض العین وفتحہا العادی، علامہ سیوطیؒ نے لا یخفف کا مفعول مطلق للنوع نکالا ہے۔

قولهٗ یمہلون ۔ ینظرون کے دو معنی ہیں ۱ ینظرون نظر سے بمعنی دیکھنا ۲ ینظرون انظار سے بمعنی مہلت دینا۔ تو سیوطیؒ نے یمہلون نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں مہلت کے معنی میں ہے نہ کہ دیکھنے کے معنی میں یعنی انه من الانظار بمعنی التاخیر لا من النظر بمعنی الانتظار : تعیین احد المعانی فرمائی ہے۔

قولهٗ لتوبۃ او معذرۃ ۔ (توبہ یا معذرت کی) علامہ سیوطیؒ نے یہ دو کلمے نکال کر محلّ انظار (یعنی مہلت) بیان کیا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ۔ اگر سیوطیؒ یمہلون من عذاب نکالتے تو بہتر تھا کیونکہ اس سے مہلتِ عذاب بھی تو مراد ہو سکتی ہے کما فی قصۃ قوم سیدنا یونس علیہ السلام قال اللہ تعالیٰ و متّعناہم الی حین ۔ (پ۱۲ س یونس)

بیانِ فوائد

عوام کے سامنے علم الاسرار بیان نہیں کرنا چاہیئے

من البینات والھدیٰ

سے معلوم ہوا کہ ایسے علوم کو چھپانے پر وعید ہے جن کا بیان قرآن و سنت میں ہے اور جو ضروری ہیں۔ لیکن جو دقیق اور باریک باتیں عوام کے لیے فتنہ کا باعث بنیں ان کو زبان و قلم پر نہیں لانا چاہیے۔ ان کا بیان نہ کرنا کتمان علم نہیں ہو گا۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ عوام کے سامنے اتنی علمی باتیں بیان کرو جن کو وہ سنبھال سکیں کیونکہ جو باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر ہوں گی ان کے متعلق ان کو شبہات ہوں گے اور ممکن ہے وہ ان باتوں کا انکار کر بیٹھیں پس تم کیا یہ چاہتے ہو کہ اللہ و رسول کو جھٹلائیں۔ (بخاری)

اَحادیثِ رسُولؐ کا حکم

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ الخ نہ آتی تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ اور متعدد صحابہؓ نے احادیث بیان نہ کرنے کی وجہ کتمان علم اور کتمانِ حدیث کا خوف بتلایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے نزدیک احادیث بھی قرآن ہی کے حکم میں تھیں تب ہی تو انہوں نے احادیث بیان کرنے کو قرآن بیان نہ کرنے کے درجہ میں رکھا۔

ونزل لمّا قالوا صف لنا ربّك وَاِلٰهُكُمْ ای المستحق للعبادة منكم اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لا نظیر لهٗ فی ذاته ولا فی صفاته لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ هو الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ و طلبوا اٰیة علی ذالك فنزل اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وما فیهما من العجائب وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ

بالذہاب والمجیئ والزیادۃ والنقصان وَالْفُلْكِ السفن الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ ولا ترسب موقرۃ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ من التجارات والحمل وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ مطر فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بالنبات بَعْدَ مَوْتِهَا يبسها وَبَثَّ فرق ونشر به فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ لانهم ینمون بالخصب الکائن عنه وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ تقلیبها جنوبًا وشمالًا حارۃً وباردۃً وَالسَّحَابِ الغیم الْمُسَخَّرِ المذلل بامر اللّٰه یسیر الی حیث شاء اللّٰه بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ بلا علاقۃ لَاٰيٰتٍ دلالات علی وحدانیته تعالیٰ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ یتدبرون۔

ترجمہ اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ مشرکین نے کہا کہ آپ اپنے رب کی توصیف بیان کیجئے) اور جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے (یعنی جس کو تم سب کی عبادت کا استحقاق حاصل ہے) ایک ہی معبود ہے (ذات وصفات میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہے) اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے وہی رحمٰن ورحیم ہے (مشرکین نے اس پر نشان طلب کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی) بلاشبہ آسمان وزمین بنانے (اور اس میں جو کچھ عجائبات ہیں) اور رات دن کے اختلاف (دن رات کی آمد ورفت اور کمی بیشی) اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے پھرتے ہیں (اور باوجود ثقل کے غرق نہیں ہوتے) لوگوں کے سامان

نفع لے کر (سامانِ تجارت و بار برداری) اور خدا نے آسمان سے جو پانی (بارش) برسایا پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا (گھاس پھونس سے) اس کے خشک ہونے کے بعد اور پھیلا دیے (متفرق و منتشر کر دیے) اور ہر قسم کے جانور (کیونکہ جانور اسی سبزی سے پلتے ہیں جس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے) اور ہواؤں کے بدلنے چلنے میں (گرم و سرد ہواؤں کا شمالاً جنوباً پلٹنا) اور ابر (بادل) میں جو زمین و آسمان کے درمیان (بغیر علاقہ کے) معلق رہتا ہے (اللہ کے تابع فرمان رہتا ہے جہاں چاہے چلا دیتا ہے) ان میں دلائل ہیں (جو ان کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے ہیں) ان لوگوں کے لیے جو عقلمند (تدبر) ہیں۔

شانِ نزول

لبابُ النقول میں ہے کہ سعید بن منصور نے اپنی سُنن میں اور فریابی نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے شعبُ الایمان میں تخریج کی ہے کہ جب آیت وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ نازل ہوئی تو مشرکین کو بڑا تعجب ہوا کہ سارے زمین و آسمان میں صرف ایک رب کیسے ہو سکتا ہے اور اس پر دلیل کا مطالبہ کیا یہ آیات اسی مطالبہ کا جواب ہیں۔

بیان ربط

سابقہ آیات میں رسالت سے متعلق کتمانِ حق کا بیان تھا۔ دین میں دو ہی بنیادی اور مرکزی مسئلے ہیں: ۱۔ رسالت ۲۔ توحید۔ اس لیے آئندہ آیات میں توحید پر روشنی ڈالی جا رہی ہے اس کا اثبات بالدلیل مشرکین کی مذمت اور ان پر عقوبت کا بیان ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہٗ و نزل لما قالوا ۔ آئندہ آیت کا شانِ نزول بیان کر رہے ہیں۔

قولہٗ ای المستحق للعبادۃ منکم۔ (یعنی جس کو تم سب کی عبادت کا استحقاق حاصل ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ پاک فرما رہے ہیں " اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ " کہ تمہارا معبود ایک ہے حالانکہ مشرکین مکہ نے ۳۶۰ بت (معبود) بنا رکھے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔

جواب علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اِلٰهُكُمْ کا حکم خارج کے اعتبار سے نہیں بلکہ واقع اور نفس الامر کے اعتبار سے ہے یعنی مطلقاً معبود نہیں بلکہ مستحق عبادت معبود مراد ہے۔ انّ المراد من الالٰہ مستحق العبادۃ لا للمعبود مطلقًا یعنی اضافۃ الحکم باعتبار الاستحقاق لا باعتبار الوقوف کیونکہ فانّ الآلهة الغیر المستحقۃ کثیرۃ۔

قولہٗ لا نظیر لہٗ۔ تعیینِ وحدت ہے اور وحدت ذاتی وصفاتی دونوں مراد ہیں" یعنی ان المراد من الوحدۃ فی وجوب الذات وکمال الصفات لا الوحدۃ فی الوجود المطلق۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کی تاکید ہے کیونکہ مشرکین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الوہیت کے مسئلہ میں اختلاف تھا اللہ کے مسئلہ میں نہیں تھا۔

قولہٗ هُوَ۔ اشارہ کیا کہ الرحمٰن مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قولہٗ وطلبوا اٰیۃ۔ آئندہ آیت کے شانِ نزول کا بیان ہے۔

قولہٗ وما فیہما من العجائب (اور اس میں جو کچھ عجائبات ہیں) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ آسمان وزمین کی تخلیق میں میری نشانیاں ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آسمان وزمین کے علاوہ اور بھی تو ہیں جیسے جبال، درخت، ہوا، پانی وغیرہ تو آسمان اور زمین کی تخصیص کیوں ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ صرف ذات سماء وارض مراد نہیں بلکہ تمامی عجائباتِ عالم مراد ہیں یعنی ذکر محل ارادہ حال ہے

قولہٗ من العجائب - یہ ما فیھما کے ما کا بیان ہے۔

قولہٗ بالذھاب والمجیئی والزیادۃ والنقصان (دن رات کی آمد و رفت اور کمی بیشی) اس کی تین غرضیں ہیں۔

اوّل: بالذھاب کی با تصویریہ ہے اختلاف کی صورت بیان کی ہے۔

دوم: علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اختلاف خلیفہ کے معنیٰ میں ہے نہ کہ اختلاف کے معنیٰ میں جو ضد اتفاق ہے۔

سوم: اختلاف دو قسم ہے۔ اوّل اختلاف جنس و ماہیت کہ شئی کی جنس اور ماہیت اصلی ہی تبدیل ہو جائے۔ مثلاً ظلمت (اندھیرا) اس کی جگہ نور (روشنی) آجائے، لیل ہو اس کی جگہ نہار آجائے۔ دوم اختلافِ مقدار کہ شئی کی جنس اور ماہیت تبدیل نہ ہو البتہ شئی کی مقدار میں کمی بیشی ہو جائے۔ مثلاً دن ۱۴ گھنٹے کا تھا رات ۸ گھنٹے کی تھی کمی ہونے سے دن ۱۰ گھنٹے کا ہو گیا رات ۱۴ گھنٹے کی ہو گئی۔ علامہ سیوطیؒ نے بالذھاب والمجیئی سے اختلاف جنس کی طرف اشارہ فرمایا۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ "یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ" اور "والزیادۃ والنقصان" سے اختلافِ مقدار کی طرف اشارہ فرمایا۔

قولہٗ السفن: ولفظ الفُلک یستعمل مُفرداً وجمعاً بوزن واحد والتغایرُ بالوصف یقال فلک مشحونۃ وفلک مشحونات علامہ سیوطیؒ نے سُفن کا کلمہ نکال کر فلک کی تفسیر کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ لا ترسب مؤقرۃ (غرق نہیں ہوتیں باوجود ثقل کے۔ جریان دو چیزوں کے مقابل ہے۔ ۱ جریان مقابل سکون کے یعنی یہ کشتیاں ٹھہرتی نہیں۔ ۲ جریان مقابل غرق کے کہ یہ کشتیاں بوجھ کی وجہ سے غرق نہیں ہوتیں۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اس مقام پر جریان (یعنی تجری) مقابل غرق ہے نہ کہ

مقابل سکون کیونکہ سکون میں قدرت کاملہ کا ظہور کم ہے بہ نسبت غرق نہ ہونے کے۔

تحقیق لفظی

لا ترسب ای لا تسقط لا سفل ترسب رسوب سے بتنگ نشستن در چیزے درآب ترسب بارگران۔

قولہٗ موقرۃ - ای حاملۃ لاثقال۔

قولہٗ من التجارات والحمل (سامانِ تجارت وباربرداری) یہ ینفع الناس کے ما کا بیان ہے یعنی اشارۃ الی ان ما موصولۃ لا موصوفۃ

قولہٗ مطر۔ یہ تفسیر العام بالخاص ہے یعنی جو پانی آسمان سے آوے اس کو مطر (بارش) کہتے ہیں یہ تفسیر عرفی بیان کی ہے۔

قولہٗ بالنبات - (گھاس وغیرہ سے) حیات دو قسم ہے - اوّل حیاتِ حقیقی کسی ذی اجسام کا پیدا ہونا اور اس میں روح کا داخل کرنا جس طرح انسان کی پیدائش اور ادخال روح وغیرہ ہے - دوّم حیات مجازی کہ انسان وحیوانات کی مادہ اگر کسی شئی کا نشو پانا - مثلاً زمین پر درخت گھاس وغیرہ کا پیدا ہونا، ویران شہروں کا آباد ہونا - کما فی قولہٖ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا: اسی طرح موت بھی دو قسم ہے - اوّل موت حقیقی - مثلاً اخراج روح عن الجسد - دوّم موت مجازی کہ آباد زمین کا برباد ہونا، آباد شہروں کا ویران ہونا - کما فی قولہٖ تعالیٰ لِنُحْیِیَ بِهِ بَلْدَةً مَّیْتًا۔

علامہ سیوطیؒ نے بالنبات کا کلمہ نکال کر حیات مجازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کذا فی یبسھا یہاں بھی موت مجازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہٗ یبسھا - قد مرّ بیانہٗ آنفا۔

قولہٗ فرق ونشر - (متفرق ومنتشر کردیے) علامہ سیوطیؒ نے بثّ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر ہے۔

قولہٗ بہٖ - یہ بثّ کے متعلق ہے اور اس کا مرجع احیاء ہے جو حیات کبھی جاری ہے وہی ہے۔

قولہٗ لانھم ینمون بالخصب الکائن عنہ (کیونکہ جانور اسی نبات

سے نکلتے ہیں جس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے۔) علامہ سیوطیؒ ادھر سے دلیل احیاء بیان فرما رہے ہیں۔

قولہٗ تقلیبھا۔ یہ تصریف کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ جنوبًا وشمالًا حارۃً وباردۃً۔ (شمالًا جنوبًا ہواؤں کا چلنا، گرم سرد ہونا) تقلیب (ہواؤں کا چلنا) دو قسم ہے۔ اوّل تقلیب سمتی کہ ہوا کس طرف سے چل رہی ہے۔ دوم تقلیب کیفیتی کہ ہوا کی کیفیت کیا ہے ٹھنڈی ہے گرم ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے شمالًا وجنوبًا کا جملہ نکال کر تقلیب سمتی بیان کی ہے کہ عمومًا شمالًا وجنوبًا ہوائیں چلتی رہتی ہیں اور حارۃً وباردۃً سے تقلیب کی کیفیت بیان کی ہے گرم موسم میں گرم ہوا چلتی ہے۔ سرد موسم میں سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ ثانیًا رد علی الکشاف حیث خصص بعض الاحوال حیث قال وقیل بالرحمۃ والعذاب ووجہ الرد انہ لا وجہ للتخصیص فان التعریف یشمل کلھا۔

قولہٗ الغیم۔ یہ سحاب کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ المذلّل۔ التسخیر بمعنی التذلیل تابع سیوطیؒ نے المذلل المسخر کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہٗ بامر اللہ۔ قرآن مقدس کے اندر مسخر کا ذکر ہے لیکن مسخِّر کا ذکر نہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے مسخر بیان فرمایا ہے یعنی مسخّر کا متعلق نکالا ہے کہ بِاَمْرِ اللہِ مسخر کے متعلق ہے۔ ثانیًا بِاَمْرِ اللہِ کا کلمہ نکال کر فلاسفہ کی تردید فرمائی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مادیات کی بنیاد اسباب پر ہے۔

قولہٗ یسیر الی حیث شاء اللہ۔ (جہاں چاہے چلا دیتا ہے) علامہ سیوطیؒ نے یسیر سے تسخیر کی صورت بیان کی ہے حیث مکانیہ ہے جس مکان سے چاہے چلا دیتا ہے پھر جس مقام پر چاہے پہنچا دیتا ہے۔

قولہٗ بلا علاقۃ۔ (بغیر علاقہ کے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ تمہیدًا عرض ہے کہ تسخیر دو قسم ہے ۱ تسخیر معلق بالارض، جس طرح انسان یا جانور وغیرہ یہ بھی خدا کے

تابع ہیں مگر زمین کے ساتھ معلق ہیں بغیر زمین کے چل پھر نہیں سکتے۔
۲ معلق بغیر الارض یعنی بغیر علاقہ کے۔
غرض اوّل: علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ہواؤں کی تسخیر بغیر تعلیق کے ہے بغیر علاقے کے خلاء کے درمیان چلتی رہتی ہے۔
غرض دوم: وفیہ ردّ علی من قال معناہ انہ مسخر للریاح کہ زمین وآسمان جو تابع ہیں ہوا کی وجہ سے ہیں ان کی تردید فرمادی۔
قولہٗ دالاّت علی وحدانیتہ تعالٰی۔ رجوان کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے ہیں) آیات دو قسم ہیں: ۱ تنزیلی ۲ تکوینی علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ آیات تکوینی مراد ہیں نہ کہ تنزیلی یعنی ان الآیات بمعنی الدلائل لا بمعنی الاجزاء القرآن لان امور المذکور لیست من اجزاء القرآن ثانیاً وحدانیت سے مراد وحدانیت فی الالوہیت لا وحدانیت فی اللہ کیونکہ وہ اس کے قائل ہیں۔
قولہٗ یتدبرون۔ یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔
سوال: قرآن مقدس کی دعوت کسی قوم وعلاقہ کے لیے نہیں بلکہ عمومی ہے رہتی دنیا تک اس کا پیغام ہے مگر آیت کے اندر تخصیص ہے لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔
جواب۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ دعوت تو عام ہے۔ لیکن تخصیص قوم استفادہ کے لیے ہے کہ فائدہ حاصل کرنا یہ صرف اور صرف سمجھ دار قوم کا خاصہ اور شعار رہا ہے۔ اسی لیے یعقلون کو یتدبرون پر محمول کیا ہے۔
خلاصہ، یہ نکلا کہ عاقل قوم وہی ہوتی ہے جو دلیل میں غور وفکر کر کے عمل کرے۔

بیان فوائد

توحید و رسالت اُصولِ اِسلام عقلی ہیں

اسلام کے دونوں اصول توحید و رسالت عقلی ہیں۔ تمام فرعی احکام کا عقلی ہونا ضروری نہیں ہے ان کے لیے تو بس کسی دلیل عقلی کے خلاف نہ ہونا ہی کافی ہے اس لیے ہر ہر جزئی کو دلیل عقلی سے ثابت کرنے کی کوشش بالکل غیر ضروری ہے۔ بنیادی چیزوں کا دلائل عقلیہ سے ثابت ہونا کافی ہے۔

ہوا کے اقسام

والحاصل ان الرّیح تنقسم الی قسمین رحمة وعذاب ثم ان کلّ قسم ینقسم الی اربعة اقسام ولکلّ قسم اسم فاسماء اقسام الرّحمة المبشّرات والنّشر والمرسلات والرّخاء واسماء اقسام العذاب العاصف والقاصف وھما فی البحر والعقیم والصّرصر وھما فی البرّ وقد جاء فی القراٰن بکلّ ھذہ الاسماء مثلاً۔

(۱) کما جاء فی سورۃ الانبیاء پ۱۷ رکوع ۵ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖۤ اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا الخ

(۲) کما جاء فی سورۃ الاسراء پ۱۵ رکوع ۶ فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ الخ

(۳) کما جاء فی سورۃ الذاریات پ۲۷ رکوع ۲ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ الخ

(۴) کما جاء فی سورۃ القمر پ۲۷ رکوع ۲ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ الخ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى
غيره اَنْدَادًا اصناما يُحِبُّوْنَهُمْ بالتعظيم والخضوع
كَحُبِّ اللّٰهِ اى كحبهم له وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰه
من حبهم للانداد لانهم لا يعدلون عنه بحال ما
والكفار يعدلون فى الشدة الى الله وَلَوْ يَرَى تبصر يا محمد
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا باتخاذ الانداد اِذْ يَرَوْنَ بالبناء للفاعل و
المفعول يبصرون الْعَذَابَ لرأيت امرا عظيما واذ
بمعنى اذا اَنَّ اى لان الْقُوَّةَ القدرة والغلبة لِلّٰهِ جَمِيْعًا حال
وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ وفى قرأة يرى بالتحتانية
والفاعل فيه قيل الضمير السامع وَقِيلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
فهى بمعنى يعلم وان ومابعدها سدت مسد المفعولين
وجواب لو محذوف والمعنى لو علموا فى الدنيا شدة
عذاب الله وان القدرة لله وحده وقت معاينتهم له
وهو يوم القيامة لما اتخذوا من دونه اندادا اِذْ
بدل من اذ قبله تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا اى الرؤساء مِنَ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا اى انكروا اضلالهم وَقَدْ رَاَوُا الْعَذَابَ

وَتَقَطَّعَتْ عطف على تبرأ بِهِمُ عنهم الْاَسْبَابُ الوصل التى
كانت بينهم فى الدنيا من الارحام والمودة وَقَالَ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْا لَوْاَنَّ لَنَا كَرَّةً رجعة الى الدنيا فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ اى
المتبوعين كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا اليوم ولو للتمنى و فنتبرأ
جوابه كَذَالِكَ كما اراهم شدة عذابه و تبرئ بعضهم
من بعض يُرِيْهِمُ اللهُ اَعْمَالَهُمُ السيئة حَسَرَاتٍ حال
ندامات عَلَيْهِمْ وَمَاهُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۵ ع ٤ ٢
بعد دخولها

ترجمہ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ (غیر اللہ کو) اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں (اصنام کو) ان سے ایسی محبت کرتے ہیں۔ (تعظیم و پستی کے لحاظ سے) جیسے اللہ سے (ان کی) محبت رکھنا ضروری ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو صرف اللہ سے انتہائی محبت ہے (بتوں کے ساتھ ان کی محبت سے بھی زیادہ ہے کیونکہ مسلمان تو کسی حال میں بھی اللہ سے نہیں پھرتے اور کفار سختی میں بتوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آجاتے ہیں) اور کیا خوب ہوتا اگر آپ دیکھتے (اے محمد ﷺ) ان لوگوں کو جو (شرک و بت پرستی سے) ظلم کرنے والے ہیں جبکہ دیکھتے ہیں (یرون کی قرأت معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) عذاب کو (تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے ایک ہولناک معاملہ کو اور اذ بمعنیٰ اذا ہے) اس لیے کہ (ان بمعنیٰ لان) قوت (قدرت و غلبہ) اللہ تعالیٰ ہی کی ہے تمام کی تمام (جمیعًا حال ہے) اور اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت سخت ہے (اور ایک قرأت میں لفظ یریٰ یائے تحتانیہ کے ساتھ ہے اور فاعل کے متعلق بعض

کی رائے ہے کہ ضمیر خطاب ہے اور بعض نے الذین ظلموا کو کہا ہے اس صورت میں یری بمعنیٰ یعلمو ہوگا اور لفظ ان اور اس کا مابعد مفعولین کے قائم مقام ہو جائیگا اور لو کا جواب محذوف ہوگا اور معنی آیت اس طرح ہوں گے کہ دنیا میں اگر یہ لوگ اللہ کے عذاب کی شدت اور عذاب کے معائنہ کے وقت یعنی قیامت میں تنہا اسی کی قدرت کو سمجھ جائیں تو ہرگز اس کے ماسوا کسی کو اس کا شریک معبود نہ بنائیں) جبکہ صاف بچ نکلنے کی کوشش کریں گے وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے (خواص ان لوگوں سے جو ان کا کہا مانتے تھے (یعنی ان کے گمراہ کرنے کا انکار کر دیں گے) اور سب مشاہدہ کرلیں گے عذاب کا اور قطع ہو جائیں گے (اس کا عطف تبرّأ پر ہے) باہم ان میں جو تعلقات تھے (صلہ رحمی اور دوستی کے جو علائق دنیا میں ان کے مابین تھے) اور کہہ رہے ہوں گے عوام کہ کس طرح ہم سب کو بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جاتے (دنیا میں واپس ہو جائیں) تو ہم بھی ان سے (خواص سے) صاف الگ ہو جائیں گے جس طرح یہ ہم سے صاف الگ ہو بیٹھے (اس وقت اور لَوْ تمنائیہ ہے اور فنتبرّأ اس کا جواب ہے) یونہی (جس طرح ان کو شدتِ عذاب اور ایک دوسرے کی طوطا چشمی ہم نے دکھلا دی ہے) دکھلائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال (بد) کو خالی ارمان کر کے (یہ حال ہے بمعنیٰ ندامت) ان کو اور وہ کبھی دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے (داخلہ کے بعد)

شانِ نزول

قد مرّ انفًا فی ایة السّابقة

بیانِ ربط

قد مرّ انفًا فی ایة السّابقة

بیان اَغراضِ جلالین

قولہٗ ای غیرہ : اشارہ کیا کہ دون بمعنیٰ غیر ہے لیس بمعنی القُرب

قولہٗ اصنامًا : علامہ سیوطیؒ نے کلمہ اَصْنَامًا نکال کر انداداً کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے لغوی معنیٰ اور ترجمہ بیان نہیں کیا کیونکہ آیت "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا الخ" میں علامہ سیوطیؒ نے انداداً کا معنیٰ شرکاء فی العبادۃ کیا ہے۔ ثانیًا وفیہ ردّ علیٰ من فسّر الانداد بالرؤساء الذین کانوا یطیعونھم الخ

قولہٗ بالتعظیم والخضوع (تعظیم اور عاجزی کے لحاظ سے) یحبونھم سے قرآن مقدس نِدّ کی تشریح فرمارہے ہیں اور آیت مبارکہ کے اندر دو لفظ ہیں یُحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ : یُحِبُّوْنَھُمْ سے اشارہ فرمایا کہ مشرکین شرکاء فی الحب بناتے تھے شرکاء فی الخلق نہیں بناتے تھے۔

سوال محبت تو ہر انسان کو غیر اللہ کے ساتھ ہے مثلاً بیٹے کی محبت، مال کی محبت وغیرہ

جواب تو اللہ پاک نے فرمایا نہیں کحبّ اللہ خدا والی محبت مراد ہے پھر محبت کا محل قلب ہے اور قلب مستور ہے پتہ نہیں چلتا کہ محبت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کونسی محبت ہے تو علامہ سیوطیؒ نے بالتعظیم والخضوع کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ محبت مراد نہیں بلکہ ثمرہ محبت مراد ہے۔ یعنی بالتعظیم کی باء تصویر یہ ہے۔ یحبونھم کی صورت بیان کی ہے لہذا یحبّون بمعنیٰ یعظّمونَ ہوگا یعنی انسان جو جذبہ معبودیت کے اندر آکر اپنے مالک اور پروردگار کی تعظیم وتکریم عبادت کے اندر بجالاتا ہے۔ مشرکین بھی اپنے معبودانِ باطلہ کی وہی تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقام ہذا پر یحبونھم کحبّ اللّٰہ کا معنیٰ کرتے ہیں " یعظّمونھم کتعظیم اللّٰہ "۔

قولہٗ ای کحبھم للہ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حب کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور فاعل اس کا مقدر ہے جسے علامہ سیوطیؒ نے ھُمْ ضمیر کی صورت میں بیان کیا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : ای کحبھم کے دو مطلب ہو سکتے ہیں : اوّل کہ یحبون الاصنام کما یحبون اللہ : جس کا حاصل شرک فی المحبۃ ہے۔ دوم : یحبون الاصنام کحب المؤمنین اللہ۔

قولہٗ من حبھم للانداد : ان بتوں کے ساتھ ان کی محبت سے بھی زیادہ ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اَشَدُّ اسم تفضیل ہے اور ہر اسم تفضیل مفضل علیہ کو تقاضا کرتا ہے۔ مقام ہذا پر تو مفضل علیہ مذکور نہیں ہے۔

جواب۔ تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر مفضل علیہ کو بیان فرمایا۔

قولہٗ لانھم لا یعدلون عنہ بحال ما الخ : کیونکہ مسلمان کسی حال میں بھی اللہ سے نہیں پھرتے اور کفار سختی میں بتوں کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آجاتے ہیں)۔ علامہ سیوطیؒ یہاں سے اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ کے دعویٰ پر دلیل بیان فرما رہے ہیں۔

ثانیًا یشیر لیس المراد من شدۃ محبۃ المؤمنین قوتھا فی نفسھا بل شدۃ فی المحل وھی رسوخھا فیھم و عدم زوالھا عنھم فلایرد علیہ انا نری الکفار یأتون بطاعاتٍ شَاقَّۃٍ لا یأتی بشیئٍ منھا احد من المؤمنین فلیکف یقال ان محبۃ المؤمنین اشد من محبتھم الخ

قولہٗ تبصر۔ علامہ سیوطیؒ نے تبصر سے تفسیر کر کے عامر و نافع کی قراءۃ بالتاء کی طرف اشارہ کردیا۔ ثانیًا اشارہ فرمایا کہ رؤیت بصری مراد ہے نہ کہ رؤیت علمی کیونکہ جہاں رؤیت علمی مراد ہو وہاں تری بمعنیٰ تعلم کے ہوتا ہے۔

قولہٗ یا مُحمّدُ : تعیین مخاطب ہے۔

قولہٗ باتخاذ الانداد : اس کی باتصویر یہ ہے ظلم کی صورت بیان کی ہے

یا ظلم کا اعلیٰ درجہ بیان کیا ہے اور سب سے بڑا ظلم غیر اللہ کو معبود بنانا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ
ان الشرک لظلم عظیم۔

قولہٗ بالبناء للفاعل والمفعول۔ بیانِ قرأت ہے یعنی معروف بناء للفاعل یَرَوْنَ ومجہول بناء للمفعول یُرَوْنَ دونوں طرح ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ بناء للفاعل کے وقت رؤیۃ سے ہوگا اور بناء للمفعول کے وقت ارادہ سے ہوگا۔

قولہٗ یبصرون۔ قد مرّ غرضہٗ آنفًا۔

قولہٗ لو رأیت امرًا عظیمًا (آپ دیکھیں گے ایک ہولناک معاملہ کو) ولو تری کی جزا مقدر کی ہے یعنی جواب لَو ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب خاص ہے یا ہر مخاطب کو خطاب عام ہے۔

قولہٗ واذ بمعنٰی اذا (اذ بمعنیٰ اذا ہے) قانون یہ ہے کہ اِذْ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور اِذَا مضارع پر۔

سوال: یَرَوْنَ مضارع ہے اس پر اِذَا داخل ہونا چاہئے تھا جبکہ یہاں تو اذ داخل ہے جو ماضی کے لیے ہے۔

جوابِ اوّل | تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اذ بمعنیٰ اِذا کے ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ یہاں مضارع پر اِذْ داخل کرکے اس طرف اشارہ کیا کہ حق تعالیٰ کا فعل مستقبل ایسا ہی متیقن اور محقق ہے جیساکہ ہماری ماضی۔

قولہٗ: ای لانّ: اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل قانونِ نحو ہے کہ اَنْ اور اَنَّ سے پہلے حرف جر کا مقدر ہونا قیاسی ہے تو اسی حرفِ جر کو مقدر کیا ہے۔
دوّم: اَنَّ کو لِاَنَّ کے معنیٰ میں لے کر اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہ لو رأیت کے جواب محذوف کی دلیل ہے۔

قولہٗ القدرۃ: قرآن مقدس کے اندر لفظ قوت دو معنوں میں مستعمل ہے،

اوّل قدرت، دوم ما بہ القوت - کما فی قصۃ ذوالقرنین "اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ" اس جگہ قوۃ ما بہ القوۃ کے معنیٰ میں ہے - تو علامہ سیوطیؒ نے القدرۃ کو کہہ کر اس کا موضوع لہٗ معنیٰ بیان فرمایا ہے -

قولہٗ : الغلبۃ - یہ قدرت کا لازمی معنیٰ بیان کیا ہے کیونکہ قدرت کے لیے غلبہ لازم ہے -

قولہٗ حالٌ - بیانِ ترکیب ہے - جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمیعًا حال ہے متعلق جار مجرور کی ضمیر سے یعنی اس کا ذوالحال کائنۃٌ کے اندر ضمیر ہے - تقدیرِ عبارت اس طرح ہے " اَنَّ القوۃ کائنۃ لِلّٰہِ جَمِیْعًا -

قولہٗ و فی قراءۃ یرٰی بالتحتانیۃ - بیانِ قرأت ہے -

قولہٗ والفاعل فیہ قیل الضمیر السامع الخ علامہ سیوطیؒ ایک نحوی اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں - بعض حضرات کے نزدیک یریٰ کا فاعل مطلقًا سامع ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر - دوسرا قول یہ ہے کہ یَرٰی کا فاعل اَلَّذِیْنَ ظلموا ہے - قولہٗ فھی بمعنیٰ یعلم جب یریٰ کا فاعل اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بنائیں گے تو یریٰ بمعنیٰ یعلم ہوگا - لان رؤیۃ الظالمین فی الدنیا شدۃ عذاب اللہ بمعنی رؤیۃ البصر لا یمکن " کیونکہ عذاب کا تحقق تو قیامت میں ہوگا نہ کہ دنیا میں - اس لیے بمعنیٰ یعلم کیا ہے -

قولہٗ وان وما بعدھا سدّت مَسدّ المفعولین ، یہاں سے علامہ سیوطیؒ ایک قانون کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں -

قانون : یَرٰی جب یَعْلَمُ کے معنیٰ میں ہوگا تو باب عَلِمَ یَعْلَمُ دو مفعولوں کو تقاضا کرتا ہے اس لیے علامہ سیوطیؒ دو مفعولوں کو بیان کر رہے ہیں - جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اَنَّ اور اس کی خبر و اسم مل کر دو مفعولوں کے قائم مقام ہوں گے -

قولہٗ وجواب لو محذوف : یہاں سے علامہ سیوطیؒ یرٰی کی جزا مقدر کر رہے ہیں -

قولہٗ والمعنیٰ ، اس سے سابقہ آیت کا حاصل معنی بیان فرما رہے ہیں۔
قولہٗ فی الدنیا ۔ علم کا زمانہ بیان فرما رہے ہیں۔
قولہٗ وقت معاینتھم (وقت دیکھنے عذاب کے) یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ علم کا زمانہ وقت دنیا ہے۔ یہاں سے شدتِ عذاب اور قدرت اللہ کا وقت بیان فرما رہے ہیں۔

قولہٗ لما اتخذوا من دونہ ۔ بیانِ جزا ہے ۔ لیکن
یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : پہلی قرأت تریٰ کی صورت میں لرأیت جواب کو انّ القوۃ الخ سے پہلے مقدر مانا گیا ہے۔ اور دوسری قرأت میں یُریٰ کی صورت میں انّ القوۃ کو پہلے اور لمّا اتخذوا جواب کو مؤخر مقدر مانا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں جواب کی علت ہے اس لیے جواب مقدم اور علت مؤخر ہونی چاہیے۔ اور دوسری صورت میں انّ القوۃ معمولِ یریٰ ہے گویا اس کا اتمام ہے اس کی تکمیل کے بعد جواب لایا گیا ہے۔

قولہٗ بدل من اذ قبلہٗ ۔ بیانِ ترکیب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اذ تبرأ یہ اذ پہلے اذ یرون سے بدل ہو کر ظرف ہوگا۔

قولہٗ ای الرؤساء ۔ ریاست (سرداری) دو قسم ہے ۱ دنیوی بادشاہ وغیرہ حاکم وغیرہ ۲ دینی پیر استاذ وغیرہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس میں دونوں ریاستیں مراد ہیں۔ باقی علامہ سیوطیؒ نے رؤساء کا کلمہ نکال کر الّذین موصول کی تعیین فرمائی ہے کہ اس سے رؤسا مراد ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ "تَبَرَّءْنَا اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ"

قولہٗ ای انکروا اضلالھم (یعنی ان سے گمراہ کرنے کا انکار کر دیں گے) یہاں سے علامہ سیوطیؒ تبرّی کی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ مشرک پیر اپنے مشرک مریدوں کے متعلق صاف صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا تھا۔

سوال علامہ سیوطیؒ نے انکروا اضلالھم نکالا ہے یعنی مشرک پیر گمراہی کا انکار کر دیں گے۔ حالانکہ قرآن مقدس میں ہے "اَغْوَيْنٰهُمْ

کما غوینا" اس سے گمراہ کرنا صاف معلوم ہو رہا ہے۔

جواب ۔ انکار نفس گمراہی کا نہیں کریں گے بلکہ مجبوری وجبر کا انکار کریں گے کہ ہم نے ان کو جبراً گمراہ نہیں کیا تھا۔

سوال جبر تو کرتے تھے۔ آگ پر لٹاتے، پاؤں میں زنجیریں ڈالتے تھے اور قید میں رکھتے تھے کہ زبان سے کلمہ کفر کہہ دیں۔ کما فی قصۃ بلال حبشی وفی قصۃ مُسْتَضعفین رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا الخ

جواب ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے اور دل پر کسی کا جبر نہیں ہے۔ دل آزاد ہے۔ کلمہ کفر زبان سے کہہ دیتے لیکن دل میں ایمان رکھتے

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی - اگر سیوطی تبری وخلاصی عن عذاب ذکر کرتے تو بہتر تھا تاکہ یہ دو سوال ہی وارد نہ ہوتے۔

قولہٗ قد ۔ وَرَاَؤُ میں قَدْ کی تقدیر اشارہ جملہ حالیہ کی طرف ہے اَلَّذِیْنَ سے حال ہے اور ضمیر جمع تابع ومتبوع دونوں کی طرف راجع ہے اور حال میں عامل لفظ تبرأ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے تبرؤا فی حال رؤیتھم کما فی جملۃ لقنہ راکبین

قولہٗ عطف علٰی تبرأ ۔ بیانِ ترکیب ہے۔

قولہٗ عنھم ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ با بمعنی عن ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی - بھم کی با سببیت کے لیے بھی ہو سکتی ہے" ای انقطعت بسبب کفرھم اسباب النجاۃ : اور با ملابست کے لیے بھی ہو سکتی ہے" ای انقطعت الاسباب موصولۃ بھم" اور با تعدیت کے لیے بھی ہو سکتی ہے" ای قطعت بھم الاسباب۔

قولہٗ الوصل التی کانت بینھم (وہ تعلقات جو ان کے درمیان تھے) اَلْوُصل (بالضم الواو) وُصْلَۃٌ" مصدر بمعنی الاتصال ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اسباب کی تفسیر کی ہے کیونکہ اسباب جمع سبب اور سبب کہتے ہیں" الحبل الذی

يرتقى به الشجر و فسّر بالوصل مجازًا لان الحبل سبب الوصول فتأمل

قولهٗ فی الدنیا ۔ اشارہ فرمایا کہ دنیوی تعلقات مراد ہیں۔

قولهٗ من الارحام والمودة (وہ تعلقات جو رشتہ داری یا دوستی کی وجہ سے تھے) من بیانیہ ہے ۔ یہ بیان ہے الوصل التی کا کیونکہ بعض دفعہ رشتہ داری کام آتی ہے، بعض دفعہ دوستی کام آتی ہے۔ لیکن عذاب کے وقت دونوں رشتے ختم ہوجائیں گے ۔ کما فی قوله تعالیٰ " یوم یفر المرء من اخیه و امه وابیه وصاحبته وبنیه "۔ و فی مقام اٰخر: وَلَا يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۔

قولهٗ رجعة کرة یہ مصدر بمعنی رجعت ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے بمعنی پھرنا۔

قولهٗ الی الدنیا ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر منتہٰی کو ذکر فرمایا ہے کیونکہ کرۃ اور رجعۃ منتہٰی کو طلب کرتے ہیں۔

قولهٗ ای المتبوعین : علامہ سیوطیؒ نے منھم ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے یعنی بیان مرجع ہے۔

قولهٗ الیوم : (آج کے دن) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر ایک سوال کا جواب دیا ہے جس کو علامہ تفتازانیؒ نے بھی اپنے انداز میں حل کیا ہے۔

سوال : قال علامة التفتازانی ان فی قرأة اتبعوا (علی بناء المعلوم) اشکال لان الاتباع اذا تبرؤا فی الآخرة لم یکن لهٰذا التمنی معنی والجواب اشار الشارح بقوله الیوم فی تفسیر قوله کما تبرؤا منا حیث قید بتبرء المتبوعین بالیوم فیدل بطریق المفهوم المخالف ان تبرء الاتباع فی الدنیا ۔!

قولهٗ ولو للتمنی : تحقیق صرفی بیان کر رہے ہیں کہ لو تمنیہ ہے شرطیہ نہیں یعنی تعیین لو ہے " ولذا اجیب بالفاء فنتبرأ منهم الخ والا فانما سبب الشرط۔

قولهٗ فنتبرأ جوابه ۔ فنتبرأ جواب لو ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لیت لنا کرة فنتبرأ منهم ۔ ! لیکن ار،

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی، فتبرأ جوابہ دراصل دو وجہوں کا جواب ہے۔ احدھما ان جواب لو یکون باللام ملا بالفاء فلو ادخل الفاء علیہ ھھنا والثانی انہ ما وجہ لنصب فتبرأ مع عدم ناصبہ لا لفظا ولا تقدیرا وبھذا ازال ذلک بقولہ ولو للتمنی فانہ لما کان للتمنی فیکون قولہ فتبرأ جواب التمنی وجواب التمنی یکون بالفاء ومنصوب بأن المقدرۃ کما لا یخفی علی من لہ درایۃ فی علم النحو۔

قولہ کما اراھم شدۃ عذابہ (جس طرح دکھلادی ہے ہم نے ان کو شدت عذاب) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر کذالک کا مشار الیہ بیان فرمایا ہے۔ کما میں ما مصدریہ اور کذالک قائم مقام مفعول مطلق کے ہے یُرِیْھِمْ سے۔

قولہ وتبری بعضھم من بعض (اور بری ہونا بعض کا بعض سے) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر کذٰلک کا دوسرا مشار الیہ نکالا ہے کہ کذالک کے دو مشار الیہ ہیں۔ اوّل شدت عذاب دوم تبری البعض عن البعض، یا کذالک میں تشبیہ تھی اس عبارت سے مشبہ کو بیان فرمایا۔

قولہ السیئۃ۔ وانما قید بھذہ الصفۃ لان الاعمال الصالحۃ لیست علیھم حسرات وفیہ اشارۃ الی ان الاضافۃ فی اعمالھم للعھد۔

سوال جس طرح مشرکین کے لیے اعمال سیئہ حسرات کا سبب ہوں گے اسی طرح مؤمنین کے لیے بھی اعمال سیئہ حسرات کا سبب ہوں گے تو مشرکین کی تخصیص کیوں ہے؟

جواب یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی: اعمال سیئہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو فی الواقع برے تھے لیکن ان کی نظروں میں اچھے تھے جن پر ان کو نجات کی امید تھی۔ آخرت میں جاکر ان کو معلوم ہوا کہ یہ برے ہیں اس لیے صاحب مدارک اعمالھم سے عبادتھم الاصنام مراد لیا ہے اس لیے کہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت کو نیکی سمجھ کر کرتے تھے۔ مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔

قولہٗ حالٌ۔ بیانِ ترکیب ہے لیکن اگر رؤیت اعمال بصریہ ہے تو اس سے حال ہے اگر رؤیت قلبیہ ہے تو یہ اس کا مفعولِ ثالث ہے۔

قولہٗ ندامات: یہ حسرات کی تفسیر بیان کی ہے اور تغیر الفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ بعد دخولہا: علامہ سیوطیؒ نے خروج کا تتمہ بیان کیا ہے کیونکہ خروج دخول کو تقاضا کرتا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی: وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ: یہ ما انا قلت کی طرح مفید حصر ہے یعنی صرف کافر جہنم سے نہیں نکلیں گے معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمانوں کا یہ حکم نہیں ہے وہ مدت پوری ہونے پر نجات پائیں گے جب کہ معتزلہ کا نقطہ نظر اس کے برخلاف ہے۔

بیانِ فوائد

محبّت کا اصل ذائقہ تو چکھنے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے

محبت کی تعریف کیا کی جائے یہ وہ آگ ہے جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے محبت کا جو مزہ چکھنا چاہے وہ محبت کرکے دیکھ لے۔ فانی کے ساتھ نہیں بلکہ باقی کے ساتھ البتہ آثارِ محبت میں بعض کہتے ہیں کہ دل میں فریفتگی اور میلان کا رہنا محبت کا اثر ہوتا ہے یہ اثر محبت صحیحہ غیر صحیحہ محبت خاص وعام سب میں پایا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ محبوب کو مرغوبات پر ترجیح دینا محبت کا اثر ہے یہ حکم اور اثر منجملہ احکام وآثار محبت کے یقیناً ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حاضر وغائب ہر حال میں محبوب کی موافقت محبت کا اثر ہوتا ہے۔ یہ اثر پہلے دونوں اثروں سے زیادہ مکمل ہے کیونکہ یہ صرف سچی اور صحیح خاص محبت کی تاثیر ہوتی ہے۔

مُصیبت کے وقت غور کرنے کی حکمت

آیت وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ میں خاص طور پر مصیبت کے وقت غور کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ایسے وقت غور و خوض مؤثر ہوجاتا ہے کسی قدر طبیعت ذرا ٹھکانے لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اور راہِ راست پر آنے لگتی ہے اور اللہ کی طرف رجوع آسان ہوجاتا ہے اگر صحیح نظر سے کام لیا جائے تو ہمیشہ کے لیے راہِ حق کھل سکتی ہے اور توحید پر ثبات نصیب ہوسکتا ہے۔

ونزل فیمن حرم السوائب ونحوها يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا حال طَيِّبًا صفة مؤكدة او مستلذا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ طرق الشَّيْطٰنِ اى تزيينه إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ بين العداوة إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ الاثم وَالْفَحْشَاءِ القبيح شرعًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ من تحريم ما لم يحرم وغيره وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اى الكفار اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ من التوحيد وتحليل الطيبات قَالُوا لَا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا من عبادة الاصنام وتحريم السوائب والبحائر قال تعالى أيتبعونهم وَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا من امر الدين وَلَا يَهْتَدُونَ ○ الى الحق والهمزة للانكار وَمَثَلُ صفة

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ومن يدعوهم الی الھدی كَمَثَلِ الَّذِیْ

یَنْعِقُ یصوت بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً ای صوتا

لا یفهم معناه ای هم فی سماع الموعظة وعدم تدبرها

کالبهائم تسمع صوت راعیها ولا تفهمه هم صُمٌّ

بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ الموعظة

ترجمہ (جو لوگ سائبہ وغیرہ جانوروں کو حرام سمجھتے تھے ان کے متعلق آیت نازل ہوئی) اے لوگو کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں موجود ہیں حلال (یہ لفظ حال ہے) پاک چیزیں (طیبًا صفت مؤکدہ ہے یا محض لذت کے لیے ہے) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو (خُطُوَات بمعنی طرق اور شیطان کے طرق سے مراد اس کی تزئین کے طریقے ہیں) فی الواقع شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے (ظاہر العداوت ہے) وہ ان ہی باتوں کی تعلیم کرتا ہے جو بری (گناہ کی) اور گندی (شرعًا بری) ہیں اور یہ کہ اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے (حلال کو حرام کرنا وغیرہ) اور جب کوئی ان سے (کفار سے) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم بھیجا ہے اس پر چلو (یعنی توحید اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا) تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا (اَلْفَیْنَا بمعنی وجدنا بت پرستی اور سائبہ اور بحیرہ جانوروں کو حرام کرنا حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا (یہ ان کا اتباع کرتے ہیں) اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ سمجھ نہ رکھتے ہوں (دین کے معاملہ کی) اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (حق کی طرف اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے) اور کیفیت (حالت) کافروں کی (اور جو لوگ ان کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں) اس کیفیت کے مانند ہے کہ ایک شخص چلا رہا ہے (آواز دے رہا ہے) اس (جانور) کے پیچھے جو بجز پکارنے اور بلانے کے کوئی بات نہیں سنتا (یعنی ایسی آواز جس

کے معنی سمجھ میں نہ آئیں یعنی یہ کافر وعظ سننے اور نہ سمجھنے میں چوپاؤں کی طرح ہیں کہ چرواہے کی صرف آواز سنتے رہتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں یہ کفار) بالکل بہرے گونگے اندھے ہیں چنانچہ بالکل نہیں سنتے (نصیحت کو)

شانِ نزول

بقول علامہ آلوسی ابنِ جریر وابنِ عباسؓ کی رائے کے مطابق یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو بحیرہ سائبہ وصیلہ حام وغیرہ خاص قسم کے جانوروں کو اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے یعنی تحریم حلال جو شارع کا حق ہے اس کے مرتکب تھے اس پر آیت یاأیہا الناس الخ نازل ہوئی۔

بیانِ ربط

گذشتہ آیات میں مشرکین کے عقیدہ شرکیہ کا ابطال کیا تھا ان آیات میں ان کے بعض شرکیہ اعمال کی تردید کی جارہی ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہٗ ونزل فیمن حرم السوائب۔ آیندہ آیت کا شانِ نزول بیان کررہے ہیں۔ ثانیاً اشارۃ الی ضعف ما قیل انہا نزلت فی قوم حرموا علی انفسہم رفیع الاطعمۃ والملابس وما قیل انہا نزلت فی عبد اللہ بن سلام واحزابہ حیث حرموا علی انفسہم لحم الابل لما کان حرامًا فی دین الیہود ووجہ الاختیار الاول علی ہذین امتہ اختار

ابن جنی وغیرہ وایضا اوردہٗ فی بحرالمواج وایضا ما قبلہٗ بیان حال المشرکین وھذا ایضا من احوالھم فینا سبیان۔

قولہٗ السوائب - جمع سائبۃ وہ اونٹنی جو زمانہ جاہلیت میں بتوں کیلئے نامزد کردی جاتی تھی اس کے دودھ اور گوشت کے استعمال کو حرام سمجھتے تھے۔

قولہٗ حالٌ - بیان ترکیب ہے مما فی الارض سے حال بن رہا ہے۔

قولہٗ صفۃ مؤکدۃ او مستلذا - صفت مؤکدہ ہے یا محض لذت کے لیے ہے، طیّب دو معنوں میں مستعمل ہے۔

اوّل : ما یستطیبُ بہ الشرع جس کو شریعت حلال کرے یعنی بمعنی حلال

دوم : بمعنی لذیذ۔

سوال - اگر طیّب سے مراد ما یستطیب بہ الشرع مراد ہو تو فلا فائدۃ فی ذکرہ بعد ذکر الحلال وھذا تکرارٌ۔

جواب اوّل - تو علامہ سیوطیؒ نے صفۃ مؤکدۃ کا کلمہ نکال کر جواب دیا کہ طیّبًا صفت مؤکدہ ہے حلال کے لیے اور تاکید میں تکرار ہوتا ہے۔

جواب دوم - علامہ سیوطیؒ نے مستلذًا کا کلمہ نکال کر جواب ثانی دیا ہے کہ تکرار ہے ہی نہیں - کیونکہ طیّب لذیذ کے معنیٰ میں ہے۔

قولہٗ طرق - دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال - اللہ پاک فرماتے ہیں کہ شیطان کے قدموں پر نہ چلو حالانکہ شیطان کے قدم تو نظر ہی نہیں آتے۔

جواب - تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ خطوات کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجازی معنیٰ مراد ہے یعنی ذکر خطوات (قدم) اور مراد طریق (راستہ) ہیں۔

قولہٗ ای تزیینہٗ - علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ شیطٰن سے پہلے تزیینہٗ مقدر ہے - ثانیًا دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال - یہ ہے کہ ہر طریق کے موجد تو اللہ پاک ہیں مگر یہاں نسبت شیطان کی طرف ہے

قولہٗ ای الکفار : لھم ضمیر کا مرجع بیان فرمایا ہے۔

قولہٗ من التوحید وتحلیل الطیبات (یعنی توحید اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا) مَآ اَنزَلَ کے مَا کا بیان ہے۔ ثانیاً یشیر الی ان ما موصولۃ کما ذکرت انفاً فتفکر۔

قولہٗ لا : علامہ سیوطیؒ نے لَا کا کلمہ اس لیے نکالا کہ آگے بَلْ کا کلمہ ہے اور یہ اضراب کے لیے آتا ہے یعنی ماقبل کی نفی اور مابعد کا اثبات تو تھا نفی نہیں تھی اس لیے ماقبل کی نفی کے لیے لَا کا کلمہ مقدر کیا تاکہ تقاضا پورا ہو جائے یعنی اشارۃ الی انہ بل للاضراب لا للترقی۔

قولہٗ وجدنا۔ یہ اَلْفَیْنَا کی تفسیر ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ من عبادۃ الاصنام وتحریم السوائب والبحائر : بتوں کی عبادت کرنا، سائبہ بحیرہ کو حرام کرنا۔ مَآ اَلْفَیْنَا کے مَا کا بیان ہے کما سبق مترشاً انفاً۔

تحقیق بحیرہ

بحائر جمع بحیرہ وہ جانور جس کا صرف دودھ بتوں کے نام پر نامزد اور ممنوع کر دیا جائے یا بحائر بحر سے ہے بحر بمعنی کان شق کرنے کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہی ہے کہ ایسے جانور کا بطور علامت کے کان شق کر دیا کرتے تھے۔ بنو ثقیف، بنو عامر، بنو خزاعہ، بنو مدلج قبیلوں کے لوگ ایسا کرتے تھے۔

قولہٗ قال تعالیٰ۔ بیانِ ربط ہے یعنی ان کے قول کا جواب ہے۔

قولہٗ یتبعونھم : یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ ولوکان کی واو عاطفہ ہے اور معطوف علیہ ہے جو فعل یتبعونھم کی شکل میں ہے۔

قولہٗ من امر الدین۔ یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال قرآن مقدس میں مطلقاً عقل کی نفی ہے حالانکہ وہ لوگ ماہر فی الشرک تھے اور دنیا کے ماہر تھے۔

جواب ۔ تو علامہ سیوطیؒ نے جواب دیا کہ استغراق حقیقی نہیں ہے کہ کسی چیز

قولہٗ ای الکفار : لھم ضمیر کا مرجع بیان فرمایا ہے ۔

قولہٗ من التوحید وتحلیل الطیبات (یعنی توحید اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا) مَآ اَنْزَلَ کے مَا کا بیان ہے ۔ ثانیًا یشیر الی ان ما موصولۃ کما ذکرت انفًا فتفکر ۔!

قولہٗ لا : علامہ سیوطیؒ نے لَا کا کلمہ اس لیے نکالا کہ آگے بَلْ کا کلمہ ہے اور یہ اِضراب کے لیے آتا ہے یعنی ماقبل کی نفی اور مابعد کا اثبات تو تھا نفی نہیں تھی اس لیے ماقبل کی نفی کے لیے لَا کا کلمہ مقدر کیا تاکہ تقاضا پورا ہوجائے یعنی اشارۃ الی انہ بل للاضراب لا للترقی ۔

قولہٗ وجدنا ۔ یہ اَلْفَیْنَا کی تفسیر ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے ۔

قولہٗ من عبادۃ الاصنام وتحریم السوائب والبحائر : (بتوں کی عبادت کرنا، سائبہ بحیرہ کو حرام کرنا ۔ مَآ اَلْفَیْنَا کے مَا کا بیان ہے کما سبق مرتین انفًا ۔

تحقیق بحیرہ بحائر جمع بحیرہ وہ جانور جس کا صرف دودھ بتوں کے نام پر نامزد اور ممنوع کر دیا جاتا یا بحائر تبحر سے ہے تبحر بمعنی کان شق کرنے کے ہیں ۔ وجہ تسمیہ یہی ہے کہ ایسے جانور کا بطور علامت کے کان شق کر دیا کرتے تھے ۔ بنو ثقیف، بنو عامر، بنو خزاعہ، بنو مدلج قبیلوں کے لوگ ایسا کرتے تھے ۔

قولہٗ قال تعالیٰ ۔ بیانِ ربط ہے یعنی ان کے قول کا جواب ہے ۔

قولہٗ یتبعونھم : یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ ولو کان کی واو عاطفہ ہے اور معطوف علیہ ہے جو فعل یتبعونھم کی شکل میں ہے ۔

قولہٗ من امر الدین ۔ یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے ۔

سوال قرآن مقدس میں مطلقًا عقل کی نفی ہے حالانکہ وہ لوگ ماہر فی الشرک تھے اور دنیا کے ماہر تھے ۔

جواب ۔ تو علامہ سیوطیؒ نے جواب دیا کہ استغراق حقیقی نہیں ارکسی چیز

کا عقل نہیں رکھتے تھے) بلکہ استغراق عرفی مراد ہے کہ دین کے معاملہ میں بالکل کورے اور صفر تھے یعنی "انہم یعقلون بامور الدنیا لا امور الدین۔

قولہٗ الی الحق : یَھتدون کا صلہ بیان کیا ہے۔

قولہٗ والھمزۃ للانکار : علامہ سیوطیؒ نے اولو کان کے ہمزہ کی تعیین فرمائی ہے کہ یہ ہمزہ انکار کا ہے نہ کہ استفہام کا" ای لا ینبغی ذالک کیونکہ ان الاستفہام من اللہ تعالیٰ محالٌ۔

قولہٗ صفۃ : قد مرّ تحقیقہٗ فی اٰیۃ مثلھم کمثل الذی استوقد نارًا الخ۔

قولہٗ من یدعوھم الی الھدٰی : (جو لوگ ان کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ " اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُشَبَّہ اَلَّذِیْ یَنْعِقُ مشبہ بہ ہے مشبہ اور مشبہ بہ میں تطبیق معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ کافروں کو تشبیہ دی جا رہی ہے نَاعِقْ بِھَائِمْ اور رَاعِیْ بَھَائِمْ کے ساتھ۔ جب کہ کافروں کو تشبیہ دی جاتی بہائم کے ساتھ نہ کہ ناعق بہائم کے ساتھ۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر کر کے جواب دیا کہ معطوف علیہ مقدر ہے۔ خلاصۂ جواب یہ نکلا کہ کفار کو تشبیہ دی جانوروں کے ساتھ اور ان کفار کے داعین کی تشبیہ ہوگی اَلَّذِیْ یَنْعِقُ کے ساتھ تو اس لحاظ سے مشبہ بھی مرکب اور مشبہ بہ بھی مرکب فَلَا اِشْکَالَ عَلَیْہِ۔

نیز داعی الی الہدیٰ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے مشبہ بہ فیہ کے محذوف ہونے کی طرف اِلَی الْھُدٰی سے اشارہ کیا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی" ومثل من یدعوا الذین کفروا الی الھُدٰی کمثل الذی ینعق" گویا اس تشبیہ میں راعی یعنی داعی الی الہدیٰ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ کفار مثل بہائم اور غنم کے ہوں گے۔

قولہٗ یصوت - یعنی ان النعق بمعنی مطلق الصوت لا بمعنی صوت الحمار کما ھو المشھور - یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ ای صوتًا لا یفھم معناہ - علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر دعاءً وندائً کی مراد بیان کی ہے - ثانیًا اشارۃ الی ان الدعاء والنداء بمعنی واحد حیث فسرھما بقولہ ای صوتًا الخ -

قولہٗ ھم فی سماع الموعظۃ وعدم تدبرھا کالبھائم تسمع صوت راعیھا ولا تفھمہٗ (یعنی یہ کافر وعظ سننے اور نہ سمجھنے میں جانوروں کی طرح ہیں کہ چرواہے کی صرف آواز سنتے رہتے ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں) علامہ سیوطیؒ نے اس سارے جملہ میں آیتِ سابقہ کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہٗ ھُم ، اشارہ کیا کہ صُمٌّ خبر ہے مبتدا محذوف کی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ہدایت کے طرق ثلاثہ کی نفی فرمائی ہے کما مَرَّ۔

قولہٗ الموعظۃ - لا یعقلون کا مفعول ہے یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

بیانِ فوائد

تقلیدِ کُفّار اور تقلیدِ فقہی کا فرق

بعض لوگ ناواقفیت سے آیت واذا قیل لھم الخ کو تقلید کی مذمت اور عدمِ تقلید کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو اس سے تقلید مجتہدین کی تائید اور تقویت نکل رہی ہے کیونکہ تقلید دوؔ طرح کی ہوتی ہے۔

اوّل تقلیدِ صحیح ، کہ جس شخص کی تقلید کی جائے اُس کا قول مستند ہو دلیل شرعی کی طرف اور وہ دلیل شرعی خواہ نص یا حدیث سے ہو جس کو یہاں لفظ ہدایت سے تعبیر فرمایا گیا ہے - اور یا قیاس شرعی ہو جس میں علتِ حکم قرآن وحدیث سے

مستنبط ہوتی ہے جس کو یہاں عقل سے تعبیر فرمایا گیا ہے پس ایسا شخص شرعاً قابلِ اتباع اور لائق تقلید ہوتا ہے جب تک کہ اس قول کا دلیل صحیح اور صریح سے معارض ہونا معلوم نہ ہو جائے آیت میں اُس کی نفی نہیں ہے۔

دُوم تقلید غیر صحیح: جو اس کے برخلاف ہو۔ یعنی جو شخص یا طریقہ ان دونوں باتوں سے عاری ہو کہ نہ اس کی بات کی سند قرآن وحدیث ہو اور نہ قیاس کی تائید اس کو حاصل ہو، پھر تقلید بھی ایسی بات میں نہ ہو کہ جس کے متعلق شرع خاموش ہو بلکہ شریعت میں اُس کے برخلاف دلیل موجود ہوتے ہوئے بھی اس کی تقلید کی جائے۔ یہ تقلید جامد اور کورانہ تقلید کہلائیگی جو شیوۂ کفار تھی جس کی تغلیظ اس آیت میں کی گئی ہے اس کو فقہی تقلید سے قطعاً مَس نہیں ہے۔

اِعتدال اتّباعِ مشائخ اِدراکاتِ رُوحانیہ

كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ اور وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ میں غلو فی المجاہدہ سے بچنے اور اعتدال پر رہنے کی تعلیم ہے اور آیت ولو کان میں بلا تردد اتباعِ مشائخ پر دلالت ہے۔ آیت صُمٌّ بُكْمٌ سے مدرکاتِ روحانی کی اتباع کا اثبات ہو رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ حلالات مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ على ما احل لكم اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ اى اكلها اذا الكلام فيه وكذا ما بعدها وهى مالم تذك شرعًا والحق بها

بالسُّنة ما ابين من حيّ وخصّ منها السمك والجراد وَالدَّمَ اى المسفوح كما فى الانعام وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ خصّ اللحم لانه مُعظم المقصود وغيره تبع له وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اى ذُبح على اسم غيره تعالىٰ والاهلال رفع الصوت وكانوا يرفعونه عند الذبح لآلهتهم فَمَنِ اضْطُرَّ اى الجأته الضرورة الى اكل شيئ ممّا ذكر فاكله غَيْرَ بَاغٍ خارج على المُسلمين وَّلَا عَادٍ مُتعدّ عليهم بقطع الطريق فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فى اكله اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لاوليائه رَّحِيْمٌ باهل طاعته حيث وسّع لهم فى ذالك وخرج الباغيّ والعاديّ ويلحق بهما كل عاص بسفره كالآبق والمكّاس فلا يحل لهم اكل شيئ من ذالك ما لم يتولوا وعليه الشافعيؒ۔

ترجمہ اے اہل ایمان کھاؤ ان چیزوں میں سے جو حلال (پاک) چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں اور اللہ میاں کا شکر ادا کرو کہ ان کو تمہارے لیے حلال فرمایا ہے، اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام فرمایا ہے مردار کو (یعنی اس کا کھانا حرام فرمایا ہے کیونکہ گفتگو کھانے میں ہو رہی ہے علیٰ ہذا بعد والے الفاظ) میتۃ شرعاً غیر مذبوحہ جانور کو کہتے ہیں اور جس زندہ جانور کا کچھ حصہ الگ کاٹ لیا جائے۔ حدیث کے اعتبار سے وہ کٹا ہوا حصہ بھی میتہ کے حکم میں ہے

اور حکم میتہ سے مچھلی اور ٹڈی کو خاص کر دیا گیا ہے) اور خون (جو بہتا ہوا ہو جیسا کہ سورۃ انعام میں ہے) اور خنزیر کا گوشت (خنزیر میں گوشت کی تخصیص اس لیے ہے کہ بڑا مقصد اس میں گوشت ہی ہوتا ہے دوسری سب چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں) اور جو جانور غیر اللہ کے نامزد ہوں (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں اِھْلَال کہتے ہیں آواز بلند کرنے کو یہ لوگ ذبح کے وقت بلند آواز سے ان کا نام لیا کرتے تھے) پھر بھی جو شخص بے تاب ہو جائے (یعنی ضرورت مجبور کرے ان چیزوں کو کھانے کے لیے اور وہ کھالے) بشرطیکہ نہ تو وہ باغی ہو (مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلانے والا) اور نہ ظالم ہو (لوٹ مار سے ان پر تعدی کرنے والا) تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں ہے (اس کے کھانے میں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اپنے دوستوں کی) مغفرت فرمانے والے (اور فرمانبرداروں پر) رحم فرمانے والے ہیں (کہ ان کو ایسے وقت میں وسعت دیدی ہے اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہو گئے ہیں اور ہر وہ شخص جس کا مقصد سفر معصیت اور نافرمانی ہو، جیسے بھاگا ہوا غلام یا زبردستی ٹیکس وصول کرنے والا وہ بھی اس حکم میں ان دونوں کے ساتھ شریک ہیں چنانچہ ان کے لیے مذکورہ چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے تاوقتیکہ توبہ نہ کرلیں۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے۔

شانِ نزول

شانِ نزول تقریباً وہی ہے جو سابقہ آیات میں گذر چکا ہے۔

بیانِ ربط

پہلی آیات میں حلال چیزوں سے متعلق کفار کی غلطی کا اظہار تھا اور ان کی اصلاح مقصود تھی۔ ان آیات میں مسلمانوں کو اس باب میں ان کی پیروی کرنے سے روکا جا رہا ہے

اور ان پر انعام کا اظہار اور اس پر شکر کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہٗ حلالات ۔ قد مر تحقیقہ انفا۔

قولہٗ علی ما احل لکم ۔ قانون ہے کہ شکر ہمیشہ نعمت کے بعد ہوتا ہے یعنی پہلے نعمت ہو پھر شکر کرے۔ قرآن مقدس میں شکر کا ذکر تو ہے لیکن نعمت کا ذکر نہیں تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر نعمت کو ذکر فرمایا یعنی بیانِ نعمت ہے کہ مذکورہ چیزیں (سائبہ، بحیرہ، وصیلہ، حام) حرام نہیں ہیں بلکہ ہم جن کو بتلا رہے ہیں وہ حرام ہیں۔

قولہٗ ای اکلھا ۔ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے میتۃ کو حرام کیا ہے حالانکہ حلت وحرمت کا تعلق ذوات واعیان سے نہیں ہوتا جب کہ یہاں تو ذات میتۃ وعین میتۃ کو حرام کہا ہے۔

جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے مضاف مقدر فرما کر اشارہ کیا کہ ذات میتۃ وعین میتۃ مراد نہیں بلکہ اس کا کھانا حرام ہے۔

قولہٗ اذا الکلام فیہ (کیونکہ کلام اسی کی ہو رہی ہے) علامہ سیوطیؒ مضاف مقدر کرنے پر دلیل پیش کر رہے ہیں۔ خلاصۂ دلیل یہ ہے کہ تذکرہ ماقبل میں کھانے کے متعلق ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے میتۃ کے کھانے کو حرام فرمایا۔ کما فی ایۃ السابق کلوا من طیبٰت الخ۔

قولہٗ وکذا ما بعدھا الخ ۔ وکذا الاکل مقدر فیما بعدھا من الدم ولحم الخنزیر الخ۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی، قانون ہے کہ جب تحلیل وتحریم کی نسبت کسی شیٔ کے عین کی طرف کی جائے تو مراد افعال ہوتے ہیں عین شیٔ نہیں ہوتی اسی لئے یہ نہیں کہیں گے کہ میتۃ

حرام ہے بلکہ یوں کہیں گے کہ اکلِ میتہ یعنی میتہ کا کھانا حرام ہے اس لیے مضاف مقدر کرتے ہیں لیکن میں اس کا قائل نہیں ہوں یہ سب مولویوں کی اختراع ہے۔ میرے نزدیک ذاتِ میتہ حرام ہے۔ اللہ پاک نے بھی ذاتِ میتہ کو ذکر فرمایا ہے اور حرمت کی نسبت بھی ذاتِ میتہ کی طرف کی ہے نہ کہ افعالِ شی کی طرف۔ چنانچہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے نور الانوار میں تصریح فرمائی ہے: والتحریم المضاف الی الاعیان کالمحارم والخمر حقیقۃ عندنا
(نور الانوار ص۱۳۰ بحث حقیقۃ والمجاز اخر مقام۔ مطبع ایچ ایم سعید کراچی)

قولہٗ وھی مالم تزل شرعًا۔ (میتہ شرعًا غیر مذبوحہ جانور کو کہتے ہیں) یہاں سے علامہ سیوطیؒ میتہ کی تشریح فرما رہے ہیں کہ میتہ اسی کو کہتے ہیں جسے غیر شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو۔

قولہٗ والحق بھا بالسنۃ ما ابین من حیّ (اور لاحق کر دیا گیا ہے ساتھ میتہ کے ثبوتِ حدیث وہ حصہ کٹا ہوا زندہ سے) یہ ملحقاتِ میتہ کا بیان ہے۔ جس کا خُلاصَہ یہ ہے کہ اگر کسی حلال جانور کے وجود سے بغیر شرعی تکبیر کے گوشت کا کچھ حصہ کاٹ کر استعمال کیا جائے تو وہ بھی حرام ہے اور کالمیتہ کے حکم میں ہے۔

کما جاء فی الحدیث المبارکۃ عن ابی واقد قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما قطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھی میتۃ (ابوداؤد شریف ص۳۹ ج ۲ باب اذا قطع من الصید قطعۃ کتاب الصید۔

قولہٗ وخص منھا السمک والجراد۔ دفعِ سوال مقدر ہے۔

سوال ۔ یہ ہے کہ ما ابین من حیّ میں تو سمک (مچھلی) اور جَراد (ٹڈی) بھی داخل ہے پھر یہ کیوں حلال اور طیّب ہیں۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حدیثِ پاک کے اعتبار سے مچھلی اور ٹڈی کی تخصیص ہے۔ ابن ماجہ اور حاکم نے ابن عمرؓ سے مرفوعًا تخریج کی ہے: احلت لنا میتان السمک والجراد ودمان الکبد والطحال یہ حدیث مشہور ہے جس سے زیادتی علی الکتاب جائز ہے۔ ابن ماجہ ص۲۳۲ ج۲ ابواب الصید باب صید الحیتان والجراد۔

قولہٗ ای المسفوح (جو بہتا ہوا ہو) یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الدم کی
الف لام عہد کی ہے خاص دَم مراد ہے۔

قولہٗ کما فی الانعام : (جیسا کہ سورۃ انعام میں ہے) بیانِ قرینہ ہے
قال اللہ تعالیٰ فی سُورۃ الانعام ہ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔

قولہٗ خُصّ اللحم لانہ معظم المقصود و غیرہ تبع لہ
(خنزیر میں گوشت کی تخصیص اس لیے ہے کہ بڑا مقصد اس میں گوشت کا ہی ہوتا ہے اور
دوسری سب چیزیں اس کے تابع ہوتی ہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : کہ خنزیر بجمیع اجزائہٖ حرام ہے۔ پھر صرف گوشت ہی کا ذکر کیوں فرمایا ؟

جواب - علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مقصود خنزیر میں گوشت ہی ہے باقی اس کے تابع ہیں۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ عرب کے ہاں شحم (چربی) بھی لحم میں داخل ہے۔ لہٰذا تابع کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

قولہٗ ای ذبح علی اسم غیرہٖ تعالیٰ : (جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ کا حاصل معنیٰ بیان فرمایا ہے۔ مَا ذُبِحَ یہ مجاہدؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ کا قول ہے۔ اور ربیع بن انس اور ابنِ زید عام معنیٰ مراد لیتے ہیں یعنی ما ذکر علیہ اسم غیر اللہ اور یہی معنیٰ الفاظ کے زیادہ اوفق ہیں۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : علامہ سیوطیؒ نے چار چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

۱- مَا کو مذبوحہ کے ساتھ خاص کیا۔
۲- ذُبِحَ اُهِلَّ کا ترجمہ کیا
۳- لِغَيْرِ اللهِ کی لام کو بمعنیٰ عَلیٰ کیا۔
۴- اسم مضاف مقدر کیا ہے۔

قولہٗ والاھلال رفع الصوت (اور اہلال کہتے ہیں آواز بلند کرنے کو)
یہاں سے علامہ سیوطیؒ لفظی بحث بیان فرمارہے ہیں کہ اہلال کا معنی رفع الصوت ہے خواہ عند الذبح ہو یا نہ ہو۔ نیز اہلال ہلال بمعنی چاند بھی ہے اس لیے کہ چاند کے نکلنے پر آوازیں بلند کی جاتی ہیں دیکھنے اور دکھلانے پر۔

قولہٗ وکانوا یرفعونہٗ عند الذبح لا لھتھم (یہ لوگ بلند کرتے تھے آواز کو ذبح کے وقت اپنے معبودوں کے لیے) دفعیہ سوال مُقدر ہے۔

سوال: جب اِھلال بمعنیٰ رفع الصّوت ہے تو آپ نے ذبح کے ساتھ رفع الصوت کو کیوں خاص کیا ہے؟

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے بتوں کے نام جب جانور ذبح کرتے تو آوازیں بلند کرتے تھے یعنی علامہ سیوطیؒ وکانوا سے عادت کا بیان ذکر فرما رہے ہیں۔

قولہٗ ای الجائتہ الضرورۃ الی اکل شیئ مما ذکر (یعنی ضرورت مجبور کرے ان چیزوں کو کھانے کے لیے) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اضطرّ فعل مجہول ہے جو نائب فاعل کو تقاضا کرتا ہے یہ جملہ اس کا نائب فاعل ہے۔

قولہٗ مما ذکر۔ یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہ حکم صرف ما قبل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے یعنی عموی حکم ہے۔

قولہٗ فاکلہٗ (پس کھائے) علامہ سیوطیؒ نے فاکلہٗ سے اشارہ کیا کہ جملہ اضطرّ کا معطوف محذوف ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ علامہ سیوطیؒ نے دفعیہ سوال مقدر کیا ہے۔

سوال فَمَنِ اضْطُرَّ شرط فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ جزا ہے۔ شرط اور جزا آپس میں مرتب نہیں ہیں کیونکہ معنی ہوگا کہ جو مجبور ہو وہ کھاتے تو

اس پر گناہ نہیں اگر مجبور نہ ہو نہ کھائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یعنی مُضطر پر تو عدم اثم مُرتّب ہو سکتا ہے جب کہ غیر مضطر پر عدم اثم کیسے مُرتّب ہوگا۔

جواب ۔ تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اثم اور عدمِ اثم کا تعلق اکل کے ساتھ ہے اِضطرّ کے ساتھ نہیں۔

قولہٗ خارج عن المُسلمین ۔ غَیْرَ بَاغٍ کی تفسیر میں اختلاف ہے امام شافعیؒ کے نزدیک باغٍ کا اصطلاحی معنیٰ مراد ہے یعنی مسلمانوں کے خلاف بغاوت نہ کرے جبکہ حنفیہ حضرات کے نزدیک لا زیادۃ فی الطعام کہ کھانے میں زیادتی نہ کرے سیوطیؒ شافعی المسلک ہیں اس لیے اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے غَیْرَ بَاغٍ کا اصطلاحی معنیٰ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت پھیلانے والا نہ ہو۔

قولہٗ مُتعدٍّ علیھم ۔ (زیادتی کرنے والا ہو ان پر) یہاں پر بھی علامہ سیوطیؒ نے عَادٍ کا اصطلاحی معنیٰ بیان کیا ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اس کا لغوی معنیٰ مراد ہے۔

قولہٗ بقطع الطریق ۔ (لوٹ مار سے) اس کی باتصویر یہ ہے ۔ علامہ سیوطیؒ نے تعدی کی صورت بیان کی ہے کہ اس سے مراد قطاع الطریق ہیں۔

قولہٗ فی اکلہٖ ۔ محل اثم بیان کیا ہے۔

قولہٖ لاولیائہٖ ۔ محل مغفرت بیان کیا ہے۔

قولہٖ باھل طاعتہٖ ۔ دفع لما یقال اَنّ اطلاق غفورٌ ینافی قولہٖ "اِنَّ اللہَ عَدُوٌّ لِلْکَافِرِیْنَ" وجوابہ رحیم باھل طاعۃ عَدُوٌّ للکافرین فلا مُنافات لَہٗ ۔!

قولہٗ حیث وسّع لھم فی ذالک (کہ ان کو ایسے وقت میں وسعت دیدی ہے) کہ میتہ کا کھانا اور اس سے پیٹ بھرنا مُباح کردیا۔ علامہ سیوطیؒ نے اس جملے میں تعیینِ رحمت فرمائی ہے۔

قولہٗ وخرج الباغی والعادی (نکل جائیں گے اس رخصت سے باغی اور عادی) احکام شریعت میں جہاں بھی رخصت ہے مثلاً قصرِ صلوٰۃ اکلِ طعام وغیرہ اس

بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ رخصت صرف اور صرف مطیعین کے لیے ہے عاصیین کے لیے نہیں یعنی تخصیص ہے تعمیم نہیں۔ لیکن امام اعظم اور جمہور کے نزدیک ان احکام کی رخصت کی تخصیص کسی کے ساتھ نہیں اس سے ہر انسان نفع اٹھا سکتا ہے۔ تو چونکہ علامہ سیوطیؒ شافعی المسلک ہیں اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ باغی اور عادی اس رخصت سے خارج ہیں۔

قولہ ویلحق بہما کل عاص بسفرہ۔ (اور شریک ہے ان کے ساتھ ہر وہ شخص جس کا مقصد سفرِ معصیت اور نافرمانی ہو) اصولِ امام شافعیؒ بیان فرما رہے ہیں۔

قولہ کالآبق والمکاس (جیسے بھاگا ہوا غلام یا زبردستی ٹیکس وصول کرنے والا) بیان مشبہ بہ ہے کہ یہ بھی رخصت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

قولہ فلا یحل لہم اکل شیئ من ذالک ما لم یتوبوا (چنانچہ ان کے لیے مذکورہ چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے تا وقتیکہ توبہ نہ کریں) بیان نتیجہ ہے لیکن علامہ سیوطیؒ نے وعلیہ الشافعی سے فرما دیا ہے کہ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے نہ کہ جمہور کا......

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ المشتمل على نعت محمد صلى الله عليه وسلم وهم اليهود۔

وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ من الدنيا يأخذونه بدله من سفلتهم فلا يظهرونه خوف فوته عليهم۔

أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ۔ لانها مآلهم

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ غضبا عليهم

وَلَا يُزَكِّيهِمْ۔ يطهرهم من دنس الذنوب۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مؤلم هو النار

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ۔ اخذوها

بدله فی الدنیا وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ المعدة لهم فی الآخرة
لو لم یکتموا فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ای ما اشد صبرهم
وهو تعجیب للمؤمنین من ارتکابهم موجباتها من غیر
مبالاة والا فای صبر لهم ذٰلِكَ الذی ذکر من اکلهم النار
وما بعده بِاَنَّ بسبب ان اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ متعلق
بنزل فاختلفوا فیه حیث آمنوا ببعضه وکفروا ببعضه
بکتمه وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ بذلك وهم الیهود
وقیل المشرکون فی القرآن حیث قال بعضهم شعر وبعضهم سحر
وبعضهم کهانة لَفِىْ شِقَاقٍ خلاف بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ عن الحق

ترجمہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اخفا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب کا (جو مشتمل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ پر مراد ان سے یہود ہیں) اور اس کے معاوضہ میں کچھ نفع حاصل کرتے ہیں (اس کے بدلہ میں کچھ دنیا کما لیتے ہیں اپنے عوام سے اور ان منافع کے فوت ہو جانے کے اندیشہ سے ان کو ظاہر نہیں کرتے) یہ لوگ اور کچھ نہیں اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں (کیونکہ اس برائی کا انجام جہنم کی آگ ہے) اور اللہ میاں نہ تو ان سے قیامت میں کلام فرمائیں گے (ناراضگی کی وجہ سے) اور نہ ان کو پاک (صاف) کریں گے (گناہوں کے میل کچیل سے) اور ان کو سزا دردناک ہوگی (الیم بمعنیٰ مولم بصیغہ فاعل و مفعول مراد نارِ جہنم) یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی مول لے لی ہے (دنیا میں ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی ہے) اور مغفرت چھوڑ کر عذاب لے لیا ہے (مراد وہ مغفرت ہے جو کتمان نہ کرنے کی صورت میں ان کو آخرت میں ملتی) سو کیسے باہمت ہیں جہنم کی آگ کے لیے (بڑے ہی صبر والے معلوم ہوتے ہیں دراصل مسلمانوں کو بے فکری سے ان کے موجباتِ نار کے ارتکاب سے تعجب دلانا مقصود ہے ورنہ ان کو صبر کہاں ہے (آگ کا کھانا وغیرہ

جو کچھ ذکر گیا ہے) اس وجہ سے ہے (یعنی ای بسبب ان) کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا (بالحق کا تعلق نزل کے ساتھ ہے چنانچہ اس حق میں یہود نے اختلاف کیا بعض حصّہ کو مانا اور بعض کو چھپا کر رد کر دیا) اور جو لوگ کتاب میں بے راہ روی اختیار کرتے ہیں (اس بارہ میں مراد ان سے یہود ہیں اور بعض کے نزدیک مشرکین کہ قرآن کو بعض نے شعر کہا بعض نے سحر کہا بعض نے کہانت قرار دیا) وہ ظاہر ہے کہ ایسے بڑے شقاق میں ہیں (جو) بہت دور ہے (حق سے)

شانِ نزول

لباب النقول میں ہے کہ یہ آیت ان علمائے یہود کے باب میں نازل ہوئی ہے جو عوام سے رشوتیں وصول کرتے تھے۔ اور یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزمان انہی میں مبعوث ہوں گے۔ لیکن جب آپ کی ذات مبارکہ انور قوم عرب میں مبعوث ہوئی تو علمائے یہود کو اپنے ہدایا اور نذرانوں کی فکر دامن گیر ہوئی اور لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکورہ فی التوراۃ میں تبدیلی کرنے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

بیانِ ربط

پہلی آیت میں محرمات حسیہ کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں محرمات معنویہ کا بیان ہے یعنی یہود کا اخفائے حق اور رشوت ستانی کرنا مقصود مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تعلیم دینا ہے۔!

بیانِ اغراض جلالین

قولہٗ المشتمل علی نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو مشتمل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پر) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الکتاب کی الف لام عہد کی ہے اور کتاب سے مراد توراۃ ہے چونکہ توراۃ کے اندر حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ لکھی ہوئی تھیں۔ یہودی اسی کا کتمان کرتے تھے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ علامہ سیوطیؒ نے نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو محل کتمان بنا کر حصر کر دیا ہے یہ غیر صحیح ہے کیونکہ ماقبل میں بحث مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی چل رہی ہے لہٰذا محل کتمان دونوں ہیں یعنی اوصاف مبارکہ اور ما اہل بہ لغیر اللہ۔!

قولهٗ وهم اليهود۔ تعیین موصول بیان کی ہے۔

قولهٗ من الدنيا۔ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہودی ثمن قلیل لیتے تھے حالانکہ وہ تو ثمن کثیر لیتے تھے۔

جواب: علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ جتنا بھی لیتے تھے آخر مالِ دنیا تھا اور دنیا کا مال آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں قلیل بھی ہے اور حقیر بھی! کما فی قولہٖ تعالیٰ "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ"۔

قولهٗ يأخذونه بدله من سفلتهم (لیتے ہیں بدلہ میں اپنے عوام سے) یہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: اللہ پاک نے یشترون کا کلمہ فرمایا ہے حالانکہ بیع و شراء میں ملکیت ضروری ہے۔ ثانیًا بیع و شراء میں مبادلۃ المال بالمال ہوتا ہے جبکہ یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں کیونکہ ایک جانب مال دوسری جانب کتمان پھر کیسے یشترون فرمایا۔

جواب: علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ اشتریٰ کا حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجازی معنیٰ مراد ہے یعنی بدلہ لینا۔ تو وہ کتمان کے بدلہ میں مال لیتے تھے

قولهٗ فلا يظهرونه خوف فوتهم۔ (پس ظاہر نہیں کرتے تھے ان منافع کے فوت ہو جانے کی وجہ سے) یہاں سے علامہ سیوطیؒ کتمان کی علت بیان کر رہے ہیں کہ کتمانِ حق صرف اس وجہ سے کرتے تھے کہ کہیں ہمارے دنیوی منافع فوت نہ ہو جائیں۔

قولهٗ لا نها مآلهم۔ (کیونکہ اس برائی کا انجام جہنم کی آگ ہے)

دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال ۔ قال اللہ تعالیٰ "مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ" ولکن لا یاکلون النار بل ھو یاکلون اموال الناس فکیف قال تعالیٰ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ۔ ؟

جواب ۔ ھذا الحکم باعتبار المآل یعنی انجام کے اعتبار سے ہے یعنی آخرت میں کھانا مراد ہے "لا یاکلون فی الآخرۃ اِلَّا النَّارَ۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ۔ کتمانِ حق کے عوض میں رشوتیں مراد ہیں جو نارِ جہنم کا سبب ہوں گی ۔

قولہٗ غضبًا علیھم (ناراضگی کی وجہ سے) یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال ۔ یہاں اللہ پاک فرماتے ہیں " وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ کہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں ہوگی جب کہ سورۃ المؤمنون میں ہے " اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ یہاں سے تو کلام ثابت ہو رہی ہے ۔

جواب ۱ ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ کلام دو قسم ہے :

اوّل کلام لطفًا کہ نرمی اور پیار سے کلام کی جائے ۔

دوّم کلام غضبًا کہ غصہ سے کلام نہ کی جائے ۔ یہاں مطلقًا کلام کی نفی نہیں بلکہ پیار سے کلام کرنے کی نفی ہے ۔

جواب ۲ ۔ کہ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ کنایۃ عن الغضب کما قالہ السیوطیؒ کیونکہ حکام ناراضگی کے وقت کلام سے اعراض کر لیا کرتے ہیں ۔

قولہٗ یطھرھم من دنس الذنوب (نہ ان کو صاف کریں گے گناہوں کی میل کچیل سے) يُطَهِّرُهُمْ یہ يُزَكِّيْهِمْ کا معنیٰ بیان کیا ہے ۔ یعنی تفسیر بلفظ آخر ہے ۔ طہارت دو قسم ہے :

اوّل طہارت حسّی : مثلاً بدن کپڑے وغیرہ کا پاک کرنا ۔

دوّم طہارت معنوی : گناہ وغیرہ سے اپنے آپ کو پاک و صاف رکھنا ۔

علامہ سیوطیؒ نے من دنس الذنوب کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ طہارت معنوی مراد ہے نہ کہ حسی۔

قولہٗ مُؤلِمٌ : اَلِیْمٌ بمعنی اسم فاعل مُؤْلِمٌ بمعنی درد دینے والا یا بمعنی اسم مفعول مُؤْلَمٌ اس معنی میں مبالغہ ہے یعنی ایسا عذاب جس کو آپ سے درد ہو رہا ہے لیکن معلوم نہیں دوسروں کو کتنا درد ہوگا۔

قولہٗ ھو النار : عَذَابٌ اَلِیْمٌ کی تعیین فرمائی ہے۔

قولہٗ اخذ وھا بدلہٗ فی الدنیا : قد مر غرضہ فی ابتداء سُورۃ البقرۃ -!

قولہٗ المعدۃ لھم فی الاٰخرۃ لولم یکتموا (مراد مغفرت ہے جو کتمان نہ کرنے کی صورت میں ان کو آخرت میں ملتی) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال قرآنِ مقدس میں ہے "وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ" کہ عذاب کو مغفرت کے بدلہ میں لے لیا۔ حالانکہ مغفرت تو ان کے لیے تھی ہی نہیں پھر عذاب سے کیسے تبادلہ کیا۔!

جواب مغفرت دو قسم ہے۔ ۱۔ حاصلہ : کہ ان کو مغفرت حاصل ہو جائے۔ ۲۔ معلقہ : جو کسی فعل کے کرنے سے معلق ہو کہ یہ فعل کرے گا تو مغفرت ملے گی ورنہ نہیں۔!

علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مغفرت سے مراد مغفرت معلقہ ہے جو ان کو عدم کتمانِ حق کے ذریعے حاصل ہوتی مگر انہوں نے عدم کتمانِ حق کے بجائے کتمانِ حق پر عمل کیا۔ اسی وجہ سے مغفرت نہ مل سکی۔

قولہٗ ای ما اشد صبرھم (بڑے ہی صبر والے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر فَمَآ اَصْبَرَھُمْ فعل تعجب کا ترجمہ کیا ہے۔

قولہٗ وھو تعجیب للمؤمنین - یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال - تعجب کسی امر غریب کی وجہ سے ہوتا ہے اللہ پاک تو عالم الغیب ہیں ان کو

کیسے تعجب ہو سکتا ہے یعنی مَعنَی التعجُّب فی حقِ اللہ تعالی مُحالٌ۔

جواب: علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تعجب دو قسم ہے ۱۔ قد تکون لتعجب المتکلم ۲۔ وقد تکون لتعجب السامع۔ اس مقام پر تعجب سامع کے لیے ہے اور سامع مؤمنین ہیں یعنی مؤمنو تم تعجب کرو۔

قولہٗ من ارتکابھم موجباتھا من غیر مبالاۃ والافای صبر لھم۔ (مرتکب ہونا ان کا موجبات نار کا بے فکری سے ورنہ ان کو صبر کہاں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: اللہ تعالی فرماتے ہیں "فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ" حالانکہ دوسرے مقام پر ہے "وَنَادَوْا یَا مَالِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ" یہ آیت عدم صبر پر دال ہے۔

جواب: اِنّ الکلام علیٰ حذف المضاف ای ما اشد صبرھم علیٰ ارتکاب موجبات النار۔ یعنی موجبات جہنم کے اوپر بے پرواہی مراد ہے تو گویا انہوں نے نار پر صبر کیا ہے کیونکہ یہ اسباب نار کے ہیں۔

قولہٗ الذی ذکر من اکلھم النار وما بعدہٗ (یہ آگ کا کھانا وغیرہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے) ھذا بیانٌ للمُشار الیہ۔

قولہٗ بسبب انّ۔ یعنی اَنّ الباء للسّببیّۃ لا للالصاق۔

قولہٗ متعلق بنزّل۔ بیان ترکیب ہے کہ بالحق کا مُتعلق نزّل ہے۔

قولہٗ فاختلفوا فیہ۔ (چنانچہ اس حق میں یہود نے اختلاف کیا) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ اس لیے نکالا کہ عبارت کی درستگی ہو جائے کیونکہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اختلاف کیا وہ بڑے ضد ہی میں ہے حالانکہ ان کا اختلاف مذکور ہی نہیں تو علامہ سیوطیؒ نے اقتضاء النص کے طور پر فاختلفوا کا کلمہ نکالا ہے تاکہ ان کا اختلاف واضح ہو۔

قولہٗ حیث آمنوا ببعضہ وکفروا ببعضہ۔ بیان ہے

علامہ سیوطیؒ اختلاف کی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

قولہٗ بکتمہ۔ اس کی با، تصویریہ ہے کفر کی صورت بیان کی ہے۔

قولہٗ بدّ اللہ۔ علامہ سیوطیؒ نے بدّ اللہ کا کلمہ حدیثہ یہ نکالا ہے کہ اختلاف صرف کتاب میں کیا۔ نیز اس کا مشار الیہ ای بالایمان ببعض ویکفر بالبعض الآخر او کتمہٗ۔

قولہٗ ھم الیہود۔ مفسرین حضرات میں اختلاف ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اختلفوا سے کون لوگ مراد ہیں عند البعض مشرکین مراد ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے جمہور حضرات کے نزدیک اس سے مراد یہود ہیں کیونکہ ماقبل میں تذکرہ ہی یہود کا ہے تو علامہ سیوطیؒ نے ھُمُ الْیَھُوْدُ کا کلمہ نکال کر تعیینِ موصول بھی فرمائی اور جمہور کے قول کی بھی تائید کی کہ یہود مراد ہیں نہ کہ مشرکین۔

قولہٗ فی القرآن۔ اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّل: اشارہ فرمایا کہ الکتٰب کی الف لام عہد کی ہے اس سے مراد قرآن مقدس ہے

دوّم: محل اختلاف بیان فرمایا ہے تو گویا کہ الکتٰب اوّل سے مراد تورات ہے اور دوسرے سے مراد قرآن مقدس ہے۔

قولہٗ حیث قال بعضھم شعر وبعضھم سحر وبعضھم کھانۃ (کہ قرآن پاک کو بعض نے شعر کہا اور بعض نے سحر کہا بعض نے کہانت قرار دیا) حیث تعلیلیہ ہے علامہ سیوطیؒ نے اختلاف کی تعیین فرمائی ہے۔

قولہٗ خلاف۔ علامہ سیوطیؒ نے لفظ "خلاف" سے شقاق کی تفسیر باللازم بیان کی ہے کیونکہ جب دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے تو ہر شخص اپنی جانب پر چلتا ہے اور دوسری جانب چھوڑ دیتا ہے تو گویا شقاق کو خلاف لازم ہوا۔ یعنی: والشقاق فی الاصل من الشقیق الذی احد الجانبین من الشیٔ لکنہ المراد بہ المخالفۃ مجازًا۔

قولہٗ عن الحق۔ بُعد دو قسم ہے۔ اوّل بُعد حسی۔ دوّم بُعد معنوی۔

علامہ سیوطی نے عن الحق کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ بُعد معنوی ہے حسی نہیں

بیانِ فوائد

تاریخی شہادت یہ ہے کہ فتنہ وفساد کی جڑ ہمیشہ علماءِ سوء رہے ہیں

بار بار قرآن مجید میں علمائے یہود کی ان برائیوں کو ذکر کرکے مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ تمہارے علماء میں یہ خرابیاں نہیں ہونی چاہئیں - ورنہ یہ عُلماءِ سوء عوام کا الانعام کو لے ڈوبیں گے کیونکہ تمام اصلاح وفساد کی جڑ یہ خواص ہی ہوتے ہیں - علمائے اہل کتاب نے حلال وحرام کے بارہ میں طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی تھیں کتاب اللہ کے علم و عمل کو ترک کرکے دنیا کی طمع سے احکام الٰہی میں تحریف کرکے حق کوشی اور حق فروشی کرتے تھے عوام اپنے پیشواؤں کی بے سمجھ اندھی تقلید کرتے فی الحقیقت اختلاف ہمیشہ جہالت اور ظن وتخمین سے پیدا ہوتے ہیں - جہاں علم الٰہی کی حقیقی روشنی سامنے آجائے وہاں اختلاف کے تمام بادل چھٹ جایا کرتے ہیں - لیکن جو لوگ کتاب الٰہی کے نزول کے بعد بھی اپنی گروہ بندیوں اور تفرقہ پروری میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور الگ الگ پارٹی بندیاں کرکے اپنی وحدت پارہ پارہ کر بیٹھتے ہیں تو وہ شقاق بعید میں گم ہوجاتے ہیں - !

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ فى الصلوٰة قِبَلَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ نزل ردًا على اليهود والنصارٰى
حيث زعموا ذالك وَلٰكِنَّ الْبِرَّ اى ذا البر وقرئ البار
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ اى
الكتب وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى مع حُبِّهٖ له ذَوِى الْقُرْبٰى
القرابة وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ المسافر
وَالسَّآئِلِيْنَ الطالبين وَفِى فك الرِّقَابِ المكاتبين و
الاسرى وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ المفروضة و
ما قبله فى التطوع وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا الله
او الناس وَالصّٰبِرِيْنَ نصب على المدح فِى الْبَاْسَآءِ
شدة الفقر وَالضَّرَّآءِ المرض وَحِيْنَ الْبَاْسِ وقت
شدة القتال فى سبيل الله اُولٰٓئِكَ الموصوفون بما ذكر
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا فى ايمانهم او ادعاء البر وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ○ الله ـ

ترجمہ نہیں بھلائی یہ کہ پھیر و تم منہ اپنے کو (نماز میں) طرف مشرق اور مغرب کے
(یہود و نصاریٰ کا اعتقاد یہی تھا اس کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی)

لیکن کمال یہ ہے (یعنی کمال والا ایک قرأت میں برّ کی بجائے بارّ پڑھا گیا ہے) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور تمام کتابوں (کتاب بمعنی کتب) پر اور پیغمبروں پر، اور مال دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں (علی بمعنی مع) رشتہ داروں کو (قربیٰ بمعنی قرابت) اور یتیموں اور محتاجوں، مسافروں سوال کرنے والوں کو اور گردن (چھڑانے) میں (مکاتب اور قیدی کی) اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو (زکوٰۃ فرضی مراد ہے اور اس سے پہلے نفلی صدقات تھے) اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب کہ کوئی عہد کرلیں (اللہ سے یا لوگوں سے) اور مستقل مزاج رہنے والے ہوں (الصابرین منصوب علی المدح ہے) تنگ دستی، شدتِ فقر اور بیماری (مرض) میں اور معرکہ جہاد میں (قتال فی سبیل اللہ کی شدت کے وقت) یہ لوگ (جو مذکورہ اوصاف کے مالک ہیں) سچے ہیں (ایمان میں یا دعویٰ بر میں) اور یہی متقی ہیں (اللہ سے ڈرنے والے)

شانِ نزول

لباب النقول میں قتادہؓ سے روایت ہے کہ یہود کا قبلہ مغرب بیت المقدس تھا اور نصاریٰ کا قبلہ مشرق بیت المقدس تھا وہ اسی کو خالص نیکی کا کام اور قابل فخر سمجھتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام زاہد یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ خندق کے موقعہ پر نازل ہوئی جب کہ مسلمانوں پر یہاں تک تنگ دستی ہوئی کہ مدینہ میں قحط اور سخت گرمی تھی کہ بعض حضرات کو ایک ہفتہ میں کچھ کھانا نصیب نہ ہوا۔ باب المدینہ پہ لوگ نکل پڑے۔

بیان اغراض جلالین

قولہٗ نَزَلَ رَدًّا۔ لَیْسَ الْبِرَّ والی آیت کا شانِ نزول بیان کر رہے ہیں

ردًا مفعول لہ ہے۔

قولہٗ حیث زعموا (جب کہ گمان کر لیا تھا انہوں نے) کیفیت تردید ہے یعنی انّ الخطاب فی قولہٖ اِنْ تَوَلَّوْا الخ۔ للیہود والنصاریٰ من حیث انّہا نزلت ردًّا علیہم لانّہم کثروا الخوض فی شان القبلۃ وفی تحویل القبلۃ وادعیٰ کلّ طائفۃ منہم حصر البرّ علیٰ قبلۃ فردّ اللّٰہ تعالیٰ علیہم بنفی جنس البرّ عن قبلتہم۔!

قولہٗ ذا البر۔ یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ البرّ لکنّ کا اسم ہے اور من آمن خبر ہے اور قانون ہے کہ خبر کا حمل اسم پر ہوتا ہے جب کہ یہاں معاملہ برعکس ہے کیونکہ البرّ وصف ہے اور من آمن ذات ہے تو ذات کا حمل ذات پر ہوتا ہے وصف پر نہیں ہوتا۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے حذف مضاف کرکے اشارہ فرمایا کہ البرّ بمعنی ذا البرّ ہے۔ اور ذا البرّ ذات ہے۔ فصحّ حمل مَنْ آمَنَ علی البرّ۔

قولہٗ وقرئ البارّ۔ اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّل: بیان قرینہ ہے کہ ذا البرّ کے موافق قرأت بارّ ہے۔

دوم: بیان قرأت ہے کہ روایت حفص البرّ ہے۔ اور قرأت میں بارّ ہے

قولہٗ ای الکتب۔ یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے الکتاب کی الف لام کے جنس ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی "انّ المراد بالکتاب جنس الکتب لانّ البرّ ھو الایمان بجمیع الکتب کما ورد فی الحدیث انْ تُؤْمِنَ باللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لا التوراۃ کما یتوھم من انّ الخطاب للیہود لعدم القرینۃ المخصصۃ لہا الخ۔

قولہٗ مع۔ اشارۃ الی انّ علیٰ بمعنی مع لعدم صحۃ

استعدادہ خھنا کیونکہ معنیٰ ہوگا " دیتا ہے مال اور حب کے " اس لیے یعنی مع ہے معنیٰ ہوگا " دیتا ہے مال ساتھ محبت کے ۔

قولہٗ لَہٗ ۔ علامہ سیوطی رحؒ نے لہٗ کا کلمہ نکال کر حُبّہ کا صلہ بیان کیا ہے بعض حضرات کے نزدیک حبّہ کی ضمیر اللہ پاک کی طرف راجع ہے لیکن اکثر مفسرین حضرات کے نزدیک مال کی طرف راجع ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ دل میں مال کی محبت کے باوجود پھر بھی صدقہ کرتا ہے ۔

یقول ابو الاسعاد صانہ اللہ عن الشر والفساد ۔ مال کو خرچ کرنے میں عَلٰی حُبِّہٖ کی قید لگائی جس میں تین احتمال ہیں :

احتمال اوّل حُبِّہٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ مال خرچ کرنے میں کوئی نفسانی غرض نام ونمود کی شامل نہ ہو بلکہ اخلاص کامل کے ساتھ صرف اللہ جل شانہٗ کے ساتھ محبت اس خرچ کرنے کا داعیہ ہو ۔

احتمال دوم یہ ہے کہ یہ ضمیر مال کی طرف راجع ہو تو مراد یہ ہوگی کہ اللہ کی راہ میں وہ مال خرچ کرنا موجبِ ثواب ہے ۔ جو انسان کو محبوب ہو بیکار چیزیں جو پھینکنے کی تھیں ان کو دے کر صدقہ کا نام کرنا کوئی صدقہ نہیں ۔ اگرچہ پھینکنے کی نسبت سے بہتر یہی ہے کہ کسی کے کام آسکے تو اس کو دیدے ۔

احتمال سوم یہ ہے کہ لفظ آتی میں جو اس کا مصدر ایتا مفہوم ہوتا ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہو اور معنیٰ یہ ہوں کہ وہ اپنے خرچ کرنے پر دل سے راضی ہو یہ نہ ہو کہ خرچ تو کر رہا ہے مگر اندر سے دل دکھ رہا ہے ۔

قولہٗ القرابۃ ۔ قربیٰ کے دو معنیٰ ہیں ۱۔ قرابت یعنی رشتہ داری ۲۔ نزدیکی یعنی قربت ۔ علامہ سیوطی رحؒ نے القرابۃ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ قربیٰ رشتہ داری کے معنیٰ میں ہے نزدیک کے معنیٰ میں نہیں ۔

قولهٗ المسافر : اس کی دو غرضیں ہیں ۔

اوّل : ابن سبیل بمعنیٰ ملازم السبیل یعنی ابن سبیل کی اضافت لزوم کی ہے کیونکہ لفظ ابن اور اب لزوم و مصاحبت کے لیے آتے ہیں چنانچہ مسافر بھی راستہ کو اپنے اوپر لازم کردیتا ہے ۔

دوم : المراد من السبیل المسافر لا الضیف کما قیل لان تسمیة بابن السبیل لملازمة السبیل کما سمّی القاطع ابن الطریق وھذا المعنیٰ متحقق فی المسافر دون الضیف ۔

قولهٗ الطّالبین ۔ تفسیر اللفظ بلفظ آخر نیز شرعی سائل مراد ہے خواہ غنی ہو یا فقیر کما یدل علیہ ظاہر الحدیث وھو انہ علیہ السلام قال للسائل حق وان جاء علیٰ فرس ۔

قولهٗ فلت ۔ (اور گردن چھڑانے میں) علامہ سیوطی رحؒ نے یہ کلمہ نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور حذف مضاف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ معنیٰ ظرفیت درست ہو جائے کیونکہ معنیٰ ہوتا، مال دینا، گردنوں میں حالانکہ گردنوں میں تو کوئی بھی مال نہیں دیتا جب مضاف مقدر کریں گے تو معنیٰ ہوگا کہ مال دیتا ہے گردن کے چھڑانے میں ۔

یقول ابوالاسعاد ۔ علامہ سیوطی رحؒ نے یہ کلمہ نکال کر تفسیر القرآن بالقرآن بیان فرمائی ہے " کما فی قولہ تعالیٰ فی سورة البلد " فَكُّ رَقَبَةٍ ۔

قولهٗ المکاتبین والاسریٰ (مکاتب اور قیدی کی) مکاتب وہ باندا جس کی آزادی بدل کتابت کے ساتھ معلق ہو اور اسارٰی سے مراد وہ مسلمان قیدی جو کفار کے ہاں قید ہوں ۔ علامہ سیوطی رحؒ نے یہ کلمے نکال کر رقاب کی تعیین فرمائی ہے ۔ ثانیًا اشارة الی الاختلاف بین العلماء فقال بعض العلماء انّ المراد من الرقاب المکاتبین کما ھو مذھب ابی حنیفة وبعضھم یقولون ان المراد فکُّ الاسریٰ ۔

قولہٗ المفروضۃ وما قبلہٗ فی التطوع (زکوٰۃ فرضی مراد ہے اور اس سے پہلے نفلی صدقات تھے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال کہ ماقبل میں بھی مال کا ذکر فرمایا (وآتی المال علیٰ حبہ) پھر دوبارہ مال کا ذکر فرما رہے ہیں (وآتی الزکوٰۃ) یہ تکرار ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ فلا تکرار علیہ کیونکہ ماقبل میں نفلی صدقہ کا بیان تھا اب فرضی صدقہ کا بیان ہے یعنی زکوٰۃ کا۔

سوال کہ صدقہ فرضی کا درجہ نفلی صدقہ سے مقدم ہے۔ لیکن مقام ہذا پر نفلی صدقہ کو فرضی صدقہ پر مقدم کیوں کیا؟

جواب نفلی صدقات کے بیان کی تقدیم ان کے اہتمام شان کے لیے ہے کیونکہ نفلی صدقہ دینا مشکل ہوتا ہے جیسے نفلی نماز فرائض کے مقابلہ میں مشکل ہوتی ہے۔

قولہٗ اللہ او الناس ، عہد دو قسم ہے ۱ عہد باللہ جس کو حقوق اللہ بھی کہتے ہیں۔ ۲ عہد بالناس جس کو حقوق العباد کہتے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے دو کلمے علیحدہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ دونوں حقوق کی تکمیل و ایفاء ضروری ہے۔ عند البعض اللہ اور الناس یہ دو مفعول ہیں۔ کما جاء فی الحدیث اذا وعدوا انجزوا واذا نذروا اوفوا۔!

قولہٗ نصب علی المدح ۔ (الصابرین منصوب علی المدح ہے) یہ کلمہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال کہ صابرین کا عطف موفون پر ہے جبکہ موفون مرفوع اور صابرین منصوب ہے ان کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ یہ منصوب

علی المدح ہے اس جگہ فعل امدح مقدر ہے یعنی جس فعل کی اللہ پاک مدح کرنا چاہیں تو اس کو علیحدہ اعراب دے کر اختصاص کے لیے ذکر فرماتے ہیں۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی " اَمْدَحُ واخص الصابرین یہ جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا جس طرح صفات منقطعہ میں نصب علی المدح ہوتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ " وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ معطوف میں بھی نصب علی المدح ہوتا ہے۔

قولهٗ شِدَّةُ الفقر : یہ بَأْسَاءَ کا معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولهٗ المرض : یہ ضَرَّاءَ کا معنیٰ بیان کیا ہے۔ مفسرین حضرات کے نزدیک بأساء اور فقر مال میں ہوتا ہے۔ ضَرَّاءَ اور مرض نفس میں ہوا کرتا۔

قولهٗ وقت شدة القتال (شدت قتال کے وقت) یہ بأس کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولهٗ فی سبیل اللہ : علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ قتال سے مراد قتال معنوی (مجاہدہ نفس) نہیں بلکہ حسی قتال مراد ہے یعنی لڑائی وغیرہ۔

یقول ابو السعاد : حِیْنَ الْبَأْسِ میں ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہے کیونکہ صبر علی الفقر سے بڑھ کر صبر علی المرض ہوتا ہے، اور صبر علی المرض سے بڑھ کر صبر علی القتال ہوتا ہے۔ اس لیے بَأْسَاءَ اور ضَرَّاءَ کے ساتھ فِی ظرفیہ استعمال کیا۔ یعنی جب تک ان دونوں کا اشتغال اور احاطہ ظرفیت کی طرح نہ ہو قابل مدح نہیں تھوڑی بہت تکلیف تو ہر ایک کو ہر وقت ہوتی رہتی ہے البتہ جنگ کی ہولناکیوں پر صبر تھوڑی دیر بھی کافی ہے اس لیے لفظ حِیْنَ استعمال کیا ہے کیونکہ یہ حالت دائمی نہیں ہوتی۔

قولهٗ الموفون بما ذکر : بیان مشار الیہ ہے۔

قولهٗ فی ایمانهم : محل صدق اوّل۔

قولہٗ اوادعاء البر (ایمان میں یا دعویٰ بر میں) محل صدق ثانی۔
قولہٗ اللہ ۔ مُتَّقُوْنَ کا مفعول ہے یعنی بیان ترکیب ہے۔

بیانِ فوائد

اسلام سے پہلے عالمگیر مذہبی گمراہی

قرآنِ مقدس میں خاص طور پر ان دو سمتوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ تحویلِ قبلہ کے وقت یہود و نصاریٰ کی تمام تر بحث صرف اسی میں رہ گئی تھی بلکہ نزولِ قرآن کے وقت دنیا کی عالمگیر مذہبی گمراہی یہی تھی کہ لوگ سمجھتے تھے کہ دین سے مقصد محض شریعت کے ظواہر و رسوم ہیں اور انہی کے کرنے، نہ کرنے پر انسان کی نجات و سعادت کا دار و مدار ہے۔ اس لیے قرآن مقدس اعلان کر رہا ہے کہ اصل دین خدا پرستی اور نیک کرداری ہے۔ شریعت کے ظاہری رسوم و اعمال بھی اس لیے ہیں کہ یہ مقصود بکمل طریقہ پر حاصل ہو۔ اس لیے جہاں تک دین کا تعلق ہے ساری کوشش مقصد کی ہونی چاہیے نہ کہ وسائل کی مثلاً اصل کمال نماز ہے استقبال قبلہ اس کے شرائط اور توابع میں سے ہے نماز ہی کی وجہ سے اس میں بھی حسن و خوبی آگئی اسی طرح اگر نماز مشروع نہ ہوتی تو کسی خاص سمت منہ کرنے کی فضیلت بھی نہ ہوتی پس یہ کیسی درجہ حیرت انگیز بات ہوگی کہ نماز کی تو خبر نہیں لیکن سارا زور اور تمام تر قوت ایک ذیلی اور فرعی مسئلہ پر خرچ کی جا رہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فرض
الْمُماثلة فِي الْقَتْلٰى وصفًا و فعلًا اَلْحُرُّ يقتل بِالْحُرِّ

ولا يقتل بالعبد وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى و

بينت السنة ان الذكر يقتل بها وانه تعتبر المماثلة

فى الدين فلا يقتل مسلم ولو عبدا بكافر ولو حرًا

فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ من القاتلين مِنْ دم اَخِيْهِ المقتول

شَيْئٌ بان ترك القصاص منه وتنكير شَيْئٌ يفيد

سقوط القصاص بالعفو عن بعضه ومن بعض الورثة

وفى ذكر اخيه تعطف داع الى العفو وايذان بان القتل

لا يقطع اخوة الايمان ومن مبتدأ شرطية او موصولة

والخبر فَاتِّبَاعٌ اى فعلى العافى اتباع القاتل بِالْمَعْرُوْفِ

بان يطالبه بالدية بلا عنف وترتيب الاتباع على العفو
يفيد ان الواجب احدهما وهو احد قولى الشافعىؒ والثانى

الواجب القصاص والدّية بدل عنه فلو عفا
ولم يسمها فلا شيى ورجح وَعلى القاتل اَدَآءٌ للديّة

اِلَيْهِ الى العافى وهو الوارث بِاِحْسَانٍ بلا مطل ولا بخس

ذٰلِكَ الحكم المذكور من جواز القصاص والعفو عنه

على الدية تَخْفِيْفٌ تسهيل مِّنْ رَّبِّكُمْ عليكم وَرَحْمَةٌ بكم

حیث وسع فی ذالک ولم یحتم واحد منهما کما حتم
علی الیهود القصاص وعلی النّصارٰی الدیة فَمَنِ
اعْتَدٰی ظلم القاتل بان قتله بَعْدَ ذَالِكَ ای العفو فَلَهٗ
عَذَابٌ اَلِیْمٌ مؤلم فی الاٰخرة بالنّار او الدّنیا بالقتل
وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ ای بقاء عظیم یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ
ذوی العقول لان القاتل اذا علم انه یقتل ارتدع فاحیٰ
نفسه ومن اراد قتله فشرع لکم لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○
القتل مخافة القود۔

ترجمہ اے اہلِ ایمان مقرر (فرض) کیا جاتا ہے تم پر قصاص (برابری کا قانون) مقتولین کے بارہ میں (برابری وصف کے لحاظ سے بھی ہو اور فعلاً بھی) آزاد آدمی (قتل کیا جائے) آزاد آدمی کے بدلہ (اور غلام کے بدلہ قتل نہ کیا جائے) اور غلام غلام کے بدلہ میں، اور عورت عورت کے بدلہ میں (اور حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کے بدلہ قتل کیا جائے اور یہ کہ دینی مماثلت اور ہم مذہب ہونا بھی شرط ہے۔ چنانچہ مسلمان اگرچہ غلام ہی کیوں نہ ہو کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے چاہے کافر آزاد ہی کیوں نہ ہو) ہاں جس کو (قاتلین میں سے) کچھ معافی مل جائے اس کے بھائی (مقتول کے خون سے) کچھ (اس طرح کہ قصاص سے بچ جائے۔ اور لفظ شَیْءٌ کی تنکیر سے یہ فائدہ ہوا کہ بعض قصاص اور بعض حصہ دار وارث کی معافی سے بھی قصاص بالکلیہ ساقط ہو جائے گا۔ اور لفظ

"اَخِیۡہِ" میں معافی پر ابھارنا ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ ارتکاب قتل اخوتِ ایمانی کو منقطع نہیں کر دیتا اور "مَنۡ" مبتدا شرطیہ ہے یا موصولہ اور اس کی خبر لفظ "فَاتِّبَاعٌ" ہے) تو مطالبہ ہے (یعنی معافی دینے والے کو قاتل سے مطالبہ کا حق ہے) معقول طریقہ پر (اس طرح کہ بغیر زبردستی کیئے دیت کا مطالبہ کرے اور معافی پر اتباع کو مرتب کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ امام شافعیؒ کے ایک قول پر ان دونوں باتوں میں سے ایک کا وجوب ہے۔ اور دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ قصاص واجب ہے اور دیت اس کا بدل ہے چنانچہ اگر وارث نے قصاص معاف کر دیا اور دیت کی تعیین نہیں کی تو قاتل پر کچھ نہ آئے گا اور یہی دوسرا قول راجح ہے) اور (قاتل مدعا علیہ پر) ادا کرنا (دیت کا) ہے اس (معاف کرنے والے مدعی وارث) کے لیے خوبی کے ساتھ (بغیر ٹال مٹول اور کمی کے) یہ (مذکور حکم جواز قصاص اور بدل موت کا) آسانی (سہولت) ہے تمہارے پروردگار کی جانب سے (تم پر) اور رحمت ہے (تمہارے ساتھ کہ اس میں تم کو فراخی دی کسی ایک جانب کو واجب قرار نہیں دیا جیسا کہ یہود پر قصاص اور نصاریٰ پر دیت لازم کر دی تھی) پھر جو شخص تعدی کرے (قاتل کو ظلماً قتل کر دے) بعد اس (معافی) کے تو اس کو بڑا دردناک عذاب ہوگا (آخرت میں تکلیف دہ بشکل جہنم یا دنیا میں بصورتِ قتل) اور تمہارے لیئے قصاص میں بڑا بچاؤ (بقاءِ عظیم) ہے۔ اے فہیم لوگو (دانشمندو کیونکہ قاتل کو جب اپنے قتل ہونے کا قانون معلوم ہوگا تو وہ ارتکابِ قتل سے بچے گا اس لیے گویا اس نے خود کو بھی بچا لیا اور اپنے مقتول کو بھی زندہ رہنے دیا) یہ قانون تمہارے لیئے مشروع کر کے ہم اُمید کرتے ہیں کہ تم لوگ پرہیز رکھوگے (قتل سے خطرۂ قصاص کے ہوتے ہوئے)

شانِ نزول

سعید بن جبیر سے معالم میں روایت ہے کہ اوس و خزرج دو قبیلوں میں

چشمک رہتی تھی اور ایک خاندان دوسرے خاندان پر افضلیت و برتری رکھتا تھا۔ چنانچہ برتر خاندان کا اگر غلام بھی قتل ہوجاتا تو اس کے بدلہ میں آزاد مرد قتل کردیا، عورت قتل ہوجاتی تو اس کے عوض مرد قتل کردیا جاتا، اور آزاد مرد قتل ہوجاتا تو اس کے بدلہ میں دو مرد اور دو کے بدلہ میں چار مرد قتل کیے جاتے۔ غرض کہ اس طرح اپنی برتری کا اظہار کیا جاتا۔ اسلامی مساوات قائم کرنے کیلیے اس آیت میں مماثلت کا حکم دیا گیا ہے۔

بیانِ ربط

ابواب بر جن کا اجمالی تذکرہ آیتِ سابقہ میں آچکا ہے اس کی تفصیلی جزئیات کا بیان شروع ہورہا ہے یہ پہلی جزئی ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہٗ فرض ، علامہ سیوطیؒ نے کُتِبَ کا لغوی معنی بیان کیا ہے کیونکہ لغت میں کتب بمعنی فرض ہوتا ہے اس لیئے کہ وہی چیز لکھی جاتی ہے جو فرض ہو۔ ثانیًا یُشِیرُالیٰ انّہ کتب فی معنی الفرض لا بمعنی النقش بالقلم کما فی قولہٖ تعالیٰ " اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا "

قولہٗ المُماثلۃ ـ قصاص ماخوذ ہے قص الاثر سے یعنی قدموں کے نشانات پر چلنا ـ کما فی قولہٖ تعالیٰ " فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِھِمَا قَصَصًا " ـ گویا قاتل ایسا راستہ اختیار کرتا ہے کہ دوسرے اس کا اتباع کرتے ہیں اور اس کے نقشِ قدم پہ چلتے ہیں ـ قِصّہ کو بھی قصہ اس لیے کہتے ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے تابع اور پیچھے ہوتی ہے ـ علامہ سیوطیؒ نے " المُماثلۃ " کا کلمہ نکال کر قصاص کا لغوی معنی بیان کیا ہے۔

یعنی قصاص مماثلت کے معنی کو متضمن ہے اسلیے فی کے تعدیہ سے استعمال ہوا۔
فلا یرد ان القصاص لا یتعدی بفی بل باللام۔
قولہٗ وصفًا وفعلًا (برابری وصف کے لحاظ سے بھی ہو اور فعلاً بھی)
مساوات دو قسم ہے۔
اوّل مماثلت وصفی، کہ دونوں میں اوصاف کے لحاظ سے کوئی کمی بیشی نہ ہو جیسے آزاد اور غلام میں اوصاف کا فرق ہے۔
دوّم مماثلت فعلی: دونوں کے فعل میں برابری ہو ایک نے تلوار سے قتل کیا تو دوسرا بھی تلوار ہی سے قتل کیا جائے ایک نے غرق کیا تو دوسرا بھی غرق کرے۔

فقہی اختلاف

ائمہ فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ شرعی طور پر قصاص میں کونسی مماثلت ہے۔ اس میں دو مسلک ہیں: اوّل امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک قصاص میں دونوں مماثلت ہیں یعنی وصفًا و فعلًا۔ مستدل ابو داؤد شریف ص۲۷۴ ج ۲ باب یقاد من القاتل بروایت حضرت انسؓ بامر النبی ان یرض رأسہ بالحجارۃ۔ نبوی دور کا واقعہ ہے کہ ایک عورت کو سر پر پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا وہ عورت مرنے کے قریب تھی لوگوں نے اس کے سامنے ایک یہودی کا نام لیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ واقعی اس نے مجھے مارا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہودی کے ساتھ ایسے ہی کیا یہ مماثلت وصفی بھی ہے اور فعلی بھی۔
دوّم: احناف حضرات کے نزدیک فعلاً مماثلت نہیں بلکہ وصفًا ہے۔ ان کے دو مستدل ہیں:

مستدل اوّل

ابو داؤد شریف ص۳۳ ج ۲ کتاب الضحایا باب فی الرفق بالذبیحۃ۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت ہے:
" قال خصلتان سمعتهما من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیٔ فاذا قتلتم فاحسنوا القتل۔
قتل احسان کی صورت یہی ہے کہ قصاص میں اسے کم سے کم تکلیف ہو وہ وصفاً ہے،

نہ کہ فعلاً۔

مُستدل دُوم ابن ماجہ شریف ص۱۹۱ ج۱ الباب الحُدُود باب لا قود اِلّا بالسّیف ، حضرت ابی بکرہ کی روایت ہے " قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قود اِلّا بالسّیف " قصاص صرف تلوار ہی سے ہے۔

امام شافعیؒ کے مُستدل کا جواب یہ کہ حضرت انس والی روایت منسوخ ہے ناسخ یہی دو روایتیں ہیں۔ مکمل تشریح " اسعدُ المفاتیح لحل مشکوٰۃِ المصابیح " یا فصلُ المعبُود فی حلِّ سُننِ ابی داؤد میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آمدم برسرِ مطلب علامہ سیوطیؒ نے وصفًا وفعلًا یہ دو کلمے نکال کر امام شافعیؒ کی تائید فرمائی ہے کہ مساوات کی دونوں قسمیں قصاص میں داخل ہیں۔

قولہٗ یقتل : اس کی مختلف غرضیں ہیں۔

اوّل : عند البعض بالحرّ کے متعلق محذوف کی طرف سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا ہے یعنی بِالحُرِّ کا متعلق محذوف اور مقدر ہے۔

دوم : اَلحُرُّ اور بِالحُرِّ کے درمیان معنوی ربط پیدا کرنے کے لیے فعل مُقدّر کیا ہے کیونکہ اس فعل کے بغیر معنٰی درست نہیں بنتا تھا اس لیے کہ اَلحُرُّ بِالحُرِّ کا معنٰی ہے کہ حُر کو حُر کے ساتھ۔ لیکن جب فعل مقدر کریں گے تو عبارت اس طرح ہوگی " اَلحُرُّ یُقتَلُ بِالحُرِّ " کہ قصاص کے اندر حُر کے بدلے حُر قتل کیا جائے گا۔

سوم : علامہ سیوطیؒ نے اَلحُرُّ بِالحُرِّ کا مُرادی معنٰی بیان کیا ہے۔

قولہٗ لا یقتل بالعبد : (اور نہ قتل کیا جائے غلام کے بدلہ میں) علامہ سیوطیؒ نے اس جملہ میں بھی ایک فقہی اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

فقہی اختلاف قرآن مقدس کے اندر اللہ تعالیٰ نے تین اصول بیان فرمائے ہیں ۱ اَلحُرُّ بِالحُرِّ۔ ۲ العَبدُ بِالعَبدِ

بِالْعَبْدِ الخ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی : حاصل اختلاف یہ ہے کہ احناف حضرات کے نزدیک اگر حُر حُر کو قتل کرے تو بھی قصاص ہوگا - اسی طرح اگر حُر باندے کو مار ڈالے تو حُر کو باندے کے قصاص میں قتل کیا جائے گا - و بالعکس -

دلیل کما فی قولہ تعالیٰ " اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ " اور حدیث پاک المسلمون تتکافو دماءھم بھی ان کی مؤید ہے جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حر باندے کو مار ڈالے تو حُر سے قصاص نہیں لیا جائے گا - یعنی غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہ کیا جائے گا اس پر بطور دلیل کے حدیث لا یقتل حُرٌّ بعبدٍ سے تائید پیش کرتے ہیں جس کا جواب کتب فقہ میں دیکھا جا سکتا ہے - مَنْ شاءَ فلیراجع الیہ -

الغرض بر سرِ مطلب علامہ سیوطیؒ نے لا یقتل بالعبد کا کلمہ نکال کر مفہوم مخالف بیان فرمایا ہے مقصد صرف مسلک شافعیہ کی تائید کرنا ہے کہ غلام کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہ کیا جائے -

قولہ وبیّنت السنۃ ان الذکر یقتل بہا (اور حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے -

سوال بعض حضرات کے نزدیک اگر مرد عورت کو قتل کرے تو مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرآن مقدس کے اندر اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ ہے یا الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ہے - کما فی الکشاف یعنی من انہ لا یقتل الذکر بالاُنثٰی -

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر ان لوگوں کی تردید فرمادی اور جواب دیا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کر دیا جائے گا - چنانچہ صحیحین میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کو ایک عورت کے قصاص میں قتل فرمایا -

قولہ وانہ تعتبر المماثلۃ فی الدین - (اور یہ کہ دینی

مماثلت اور ہم مذہب ہونا بھی شرط ہے) اس جملہ میں بھی علامہ سیوطیؒ نے ایک فقہی اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

صورت اوّل ۔ اس میں تمامی فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم قاتل کو مسلم مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

صورت دوم اگر کسی مسلمان نے کافر کو قتل کر دیا تو کیا قصاص میں مسلمان قاتل کو قتل کیا جائے گا یا نہیں ؟ صورت ثانیہ کی وضاحت سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کافر دو قسم ہیں ؛

اوّل ذمّی جو باقاعدہ طور پر مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتا ہے اور مسلمانوں کی امان میں ہے۔ دوّم حربی جو ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہتا ہے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلم قاتل کو حربی کافر اور ذمی کافر یعنی دونوں کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا جب کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مسلم قاتل کو حربی مقتول کے بدلہ میں تو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن ذمی مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا کیونکہ دارالاسلام میں رہنے کی وجہ سے مسلمان اس کے مال و جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

حاصلِ اختلاف یہ ہے کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک قصاص میں مماثلت دینی مراد ہے چونکہ مسلم قاتل اور کافر مقتول میں بظاہر دینی مماثلت نہیں لہٰذا مسلم قاتل کو کافر مقتول کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ جب کہ احناف حضرات کے نزدیک مماثلت دینی کا اعتبار حربی کافر میں تو ہے اس لیے اس کے بدلہ میں مسلمان قاتل کو قتل نہیں کریں گے لیکن ذمی کافر میں مماثلت کا اعتبار ہے (بوجہ امان طلب کرنے اور جزیہ ادا کرنے کے) اس لیے ذمی مقتول کے بدلہ میں مسلمان قاتل کو قتل کیا جائے گا چونکہ علامہ سیوطیؒ شافعی المسلک ہیں اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرما دیا کہ مماثلت دینی کا مطلقاً اعتبار ہے خواہ کافر ذمی ہو یا حربی۔

قولہٗ فلا یقتل مسلم ولو عبدًا بکافر ولو حرًّا (پس نہ قتل کیا جائے گا مسلمان کو اگرچہ غلام ہی کیوں نہ ہو کافر کے عوض چاہے کافر آزاد ہی کیوں نہ ہو) یہ شوافع کی رائے ہے۔ مستدل یہ حدیث ہے "لا یقتل مؤمن بکافر" اور احناف کے نزدیک کافر ذمی کے بدلہ میں مسلمانوں کو قصاصًا قتل کیا جائے گا البتہ کافر حربی یا مستامن کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا چنانچہ ارشادِ نبوی ہے "قَتَلَ مُسْلِمًا بِذِمِّیٍّ" امام شافعیؒ کی پیش کردہ روایت کافر حربی پر محمول ہے سیاق فی حدیث ولا ذو عهد فی عهده اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ عطف تغایر پر دلالت کرتا ہے۔

قولہٗ من القاتلین (قاتلین میں سے) بیان ہے مَنْ کا۔ ۲
ثانیًا ففیه اشارة الی ان مَنْ عبارة عن القاتل لا عن ولی المقتول کما قیل الخ۔

قولہٗ دمٌ — یعنی ان المضاف محذوفٌ وهو الدم وفیه ردٌّ علی من قال ان المضاف محذوفٌ ههنا مالٌ۔

قولہٗ المقتول : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر کرکے اشارہ فرمایا کہ اَخِیْهِ کی اضافت عہد کی ہے اور مقتول مراد ہے یعنی اَخ کا مصداق مقتول ہے کیونکہ یہ قاتل کا دینی بھائی ہے لیکن علامہ زمخشری صاحبِ کشاف کی رائے میں اَخ سے مراد ولی دم یعنی وارث مقتول ہے۔

قولہٗ بأن ترك القصاص منه ۔ (اس طرح کہ قصاص سے بچ جائے) بِاَنْ کی با تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ کی صورت بیان کی ہے یعنی عفی بمعنی ترک لیا ہے اور شَیْءٌ مفعول بہ ہے کما یقال عَفَوْتُ الشَّیْءَ اذا ترکته حتی یطول لیکن علامہ زمخشری کی رائے اس کے خلاف ہے وہ عُفِیَ کے بجائے اعفا کہتے ہیں اس لیے شیٔ مفعول مطلق ہوگا۔ کیونکہ عفا لازم ہے تقدیرِ عبارت یوں ہوگی "فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ جِهَةِ اَخِیْهِ

شَیْئٌ مِنَ الْعَفْوِ۔

قولہٗ وتنکیر شیئ یفید سقوط القصاص بالعفو عن بعضہ و من بعض الورثۃ (اور لفظ شیئ کی تنکیر سے یہ فائدہ ہوا کہ بعض قصاص اور بعض حصہ دار وارث کی معافی سے بھی قصاص بالکلیہ ساقط ہوجائے گا۔ یہ جملہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال آیت مبارک کے اندر شیئ کو نکرہ لایا گیا ہے حالانکہ مقام تو معرفہ لانے کا تھا کیونکہ فاعل کا معنیٰ ہے " لِقیام مَقامہ ؛

جواب علامہ سیوطیؒ نے جواب دیا کہ شیئ کو نکرہ لانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ قصاص میں ایک وارث بھی معافی دیدے تو قصاص ختم ہوجاتا ہے یعنی " انّ العفو البعض ایضًا یسقط القصاص کعفو الکل جو کہ معرفہ لانے سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

قولہٗ وفی ذکر اخیہ تعطف داع الی العفو (اور لفظ " اخیہ " کے ذکر کرنے میں معافی پر ابھارنا ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس کے اندر مقتول کو قاتل کا بھائی کہا ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب ۔ اس کی دو وجوہ ہیں : علامہ سیوطیؒ تعطف سے وجہ اوّل بیان فرما رہے ہیں ۔ قانونِ دنیا یہ ہے کہ اگر مجرم از خود اقرار جرم کرلے یا اپنے بیان کے اندر قرابت یا اخوت کا ذکر کرے تو ورثاء مقتولین کے قلوب میں نرم گوشہ پیدا ہوجاتا ہے جس سے معافی کی توقع کی جاسکتی ہے ۔ کما فی ہذا المقام چنانچہ یہاں بھی اَخِیْہِ کا لفظ ذکر کرنے سے معافی کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ جرم تو ہوگیا ہے لیکن پھر بھی یہ تمہارا دینی بھائی ہے گنجائش معافی اگر ہو تو معاف کردیں۔

قولہٗ وایذان بان القتل لا یقطع اخوۃ الایمان (اس پر تنبیہ ہے کہ ارتکاب قتل اخوت ایمانی کو منقطع نہیں کردیتا) یہاں سے وجہ ثانی

بیان فرمارہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شاید بعض لوگ یہ تصور کریں کہ قاتل کے ساتھ کسی قسم کا میل جول نہیں رکھنا چاہیے کہ یہ قاتل ہے تو اس کی تردید کردی کہ نہیں اللہ پاک نے مومنین میں جو اخوت ایمان کا رشتہ رکھا ہے وہ قائم و دائم ہے اسے کوئی چیز ختم نہیں کرسکتی اگر اس نے قتل جیسا عظیم جُرم کرلیا ہے تو کیا ہوا اسے تو قانون کے مطابق سزا ملے گی لیکن رشتہ ایمانی یا اخوت ایمانی برقرار رہے گی۔ اگر مقتولین ورثاء اس کو معاف کردیتے ہیں تو اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو عام مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

قولہٗ ومن مُبتداء شرطیۃ او موصولۃ والخبر۔ یہ بیان ترکیب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فَمَنْ عُفِیَ میں مَنْ مبتدا ہے اور لفظ اتباعٌ خبر ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک مَنْ شرطیہ ہے کیونکہ اس کی خبر فَاتِّبَاعٌ میں فاء موجود ہے بعض حضرات نے اس کو موصولہ بنایا ہے۔

قولہٗ ای فعلی العافی اتباع القاتل (یعنی معافی دینے والے کو قاتل سے مطالبہ کا حق ہے) علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ فَاتِّبَاعٌ مبتدا محذوف الخبر ہے یعنی فاتباع مبتدا ہے فعلی العافی خبر محذوف ہے اور "القاتل" اتباعٌ کا مفعول ہے۔

قولہٗ بان یطالبہ بالدیۃ بلا عنف (اس طرح کہ بغیر زبردستی کئے دیت کا مطالبہ کرے) بیان کی باء تصویر یہ ہے علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر معروف کی صورت بیان کی ہے۔

قولہٗ وترتیب الاتباع علی العفو (اور معافی پر اتباع کو مرتب کرنے سے یہ فائدہ ہوا) اس جملہ کی غرض یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے معافی پر (جو فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ سے سمجھی جارہی ہے) اتباع کو (جو فَاتِّبَاعٌ سے سمجھا جارہا ہے) اس لیے مرتب فرمایا ہے کہ دونوں باتوں میں سے ایک کا وجوب ہے یعنی صرف قصاص یا صرف دیت دونوں کا بیک وقت وجوب نہیں ہوتا۔

یقول ابوالاسعاد: قتل کئی قسم ہے ۱۔ قتل عمد: امام اعظمؒ کے

نزدیک اس قتل کا مقتضیٰ صرف قصاص ہے ۔ ۲ قتلِ خطاء، امام اعظمؒ کے نزدیک اس قتل کا مقتضیٰ صرف دیت ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قتلِ عمد میں مقتضیٰ قصاص ہے لیکن دیت بھی ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ امام شافعیؒ کے مسلک کو بیان فرمارہے ہیں۔ لیکن یہ امام شافعیؒ کا مرجوح قول ہے۔

قولهٗ والثانی الواجب القصاص : یہاں سے امام شافعیؒ کا قول ثانی بیان فرمارہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قصاص علی التعیین واجب ہے اور دیت ابتداءً واجب نہیں بلکہ قصاص کا بدل ہے اصل کے ساقط ہونے کے بعد اس کا نمبر آئے گا یعنی دیت تابع ہوئی اگر ورثاء دیت کا نام نہ لیں تو اس پر دیت نہیں آئیگی دوسرا قول راجح ہے جس کو وجہ سے بیان فرمارہے ہیں۔

قولهٗ علی القاتل۔ فیه اشارة الی حذف الخبر یعنی اداءٌ مبتداء مؤخر علی القاتل : خبر مقدم محذوف ہے۔

قولهٗ للدّیة (واسطے دیت کے) علامہ سیوطیؒ نے محل ادا بیان فرمایا ہے۔

قولهٗ الی العافی (معاف کرنے والے مدعی) بیان ہے مرجع کا۔

قولهٗ وهو الوارث۔ عافی کی تعیین فرمائی ہے کہ معاف کرنے والے وارث ہی ہو سکتے ہیں۔

قولهٗ بلا مطل وبخس (بغیر تاخیر اور کمی کے) بلا مطل کی یا تصویر یہ ہے علامہ سیوطیؒ نے احسان کی صورت بیان کی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ قاتل خونبہا کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام نہ لے کیونکہ یہ قاتل کی طرف سے مزید احسان فراموشی ہوگی۔

قولهٗ الحکمُ المذکورِ من جواز القصاص والعفو عنه علی الدیة (حکم مذکور جواز قصاص یا معافی قصاص علی الدیۃ) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر مشار الیہ کی تعیین فرمائی ہے کیونکہ ذٰلِكَ اسم اشارہ ہے جو مشار الیہ کو تقاضا کرتا ہے۔ ثانیًا مِنَ الْجَوَازِ کا مِنْ بیانیہ ہے یہ حکم مذکور کا بیان ہے۔

قولہ تسہیل : علامہ سیوطیؒ نے تخفیف کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ باللفظ آخر ہے۔

یقول ابوالاسعاد : ففی شرعیۃ العفو تخفیف علی القاتل و فی شرعیۃ الدیۃ نفع لاولیاء المقتول۔

قولہٗ علیکم۔ اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل تَخْفِیْفٌ کا صلہ ہے۔ دوم مخفف علیہ کا بیان ہے۔

قولہٗ بکم۔ اس کی بھی دو غرضیں ہیں۔ اوّل رَحْمَۃٌ کا صلہ ہے۔ دوم بیان للمرحوم علیہ عند البعض علیکم وبکم بیان لربطہ بما سبق لان الخطاب للمؤمنین۔

قولہٗ حیث وسع فی ذالک۔ حیث تعلیلیہ ہے علامہ سیوطیؒ نے تخفیف اور رحمت کی علت بیان کی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہمیں ایک حکم کا پابند نہیں کیا بلکہ سہولت کی خاطر تین حکم بیان فرما دیئے۔ عند البعض نصاریٰ پر دیت اور معافی دونوں کا اختیار تھا۔ بہرحال قصاص بالاتفاق ان پر نہیں تھا۔

قولہٗ ظلم القاتل۔ (ظلم کرے قاتل پر) یہ جملہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اعتدٰی کا معنٰی بیان کیا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ اعتدٰی کی کئی صورتیں ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے ظلم القاتل کا کلمہ نکال کر مختلف صورتوں میں سے ایک صورت کی تعیین فرمائی ہے۔

قولہٗ بان قتلہ (ظلم کی صورت یہ ہے کہ قتل کرے قاتل کو) اس کی یا تصویر یہ ہے یہ ظلم کی صورت بیان کی ہے کہ معاف بھی کر دے یا دیت بھی لے لے پھر قتل بھی کر دے تو یہ ظلم ہے۔

قولہٗ ای العفو۔ ھٰذا بیانٌ للمُشار الیہ۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ علامہ سیوطیؒ نے مشار الیہ

میں تخصیص کی ہے صرف عفو کو مشار الیہ بنایا ہے۔ حالانکہ ماقبل میں تعمیم ہے یعنی الحکم المذکور من جواز القصاص والعفو عنہ علی الدیۃ الخ ۔ تو بہتر یہی تھا کہ یہاں بھی تعمیم فرماتے یعنی " ای العفو والدیۃ والقصاص ۔

قولہٗ مُؤْلِمٌ ۔ علی صیغۃ المفعول مُبالغۃ قد مرّ غیر مرۃ۔

قولہٗ فی الآخرۃ ۔ محل عذاب کی تعیین فرمائی ہے کہ ان کو عذاب آخرت میں ملے گا۔ قولہٗ بالنار ۔ تعیینِ عذاب ہے۔

قولہٗ اوالدنیا بالقتل : ریا دنیا میں عذاب قتل کی شکل میں ہوگا) اس کا اَوْ تنویعیہ ہے۔ عذاب دو قسم ہے ۱ اخروی ۲ دنیوی، عذاب الیم کا تعلق دونوں قسموں کے ساتھ ہے اگر آخرت کا عذاب ہے تو اس سے مراد نارِ جہنم ہے جس کو علامہ سیوطیؒ نے فِی الآخرۃ بالنار سے بیان فرمایا اگر عذاب دنیا والا ہے تو اس سے مراد قصاص میں قتل کیا جاتا ہے جس کو اَوِالدنیا بالقتلِ سے بیان فرمایا۔

یقول ابوالاسعاد ۔ والاول اولی لانہ شائع فی الکتاب المجید والموافق لوصف العذاب بالالیم۔

قولہٗ ای بقاءٌ عظیمٌ ۔ علامہ سیوطیؒ نے بَقَاءٌ کا کلمہ نکال کر حیاۃٌ کی تفسیر باللازم بیان کی ہے کیونکہ حیات کو بقاء لازم ہے اور عَظِیْمٌ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حیاۃ کی تنوین تعظیم کی ہے عام حیاتی نہیں بلکہ حیاتِ عظیم ہے۔

یقول ابوالاسعاد ۔ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو مشرکین مکہ حیران تھے کہ قتل (یعنی قصاص) کو کیسے حیاۃِ عظیم کہا جا سکتا ہے۔ لیکن بنظرِ غامض دیکھا جائے تو حقیقتًا واقعتًا حیوۃ عظیم ہے۔ چنانچہ علامہ خازنؒ نے اپنی تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ قصاص کے ساتھ ہی نوعِ حیات مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام جروح میں بھی بعینہٖ یہی تقریر جاری ہوگی۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ " وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ " الخ کیونکہ جارح کو جب اپنی پاداش اور انجام معلوم ہوگا تو یقینًا وہ جارح ہونے سے باز رہے گا اور مجروح بھی محفوظ ہو جائے گا۔

قولہٗ ذوی العقول ۔ ذوی، اولی کی تفسیر ہے اور العقول، الباب

کی تفسیر ہے کما مرّ۔

قولہٗ لان القاتل اذا علم انہ یقتل ارتدع فاحیٰ نفسہ ومن اراد قتلہ (کیونکہ قاتل کو جب اپنے قتل ہونے کا قانون معلوم ہوگا تو وہ ارتکاب قتل سے بچے گا۔ اس لیے گویا اس نے خود کو بھی بچا لیا اور اپنے مقتول کو بھی زندہ رہنے دیا) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ الخ والی آیت کا حاصل معنی بیان فرمایا ہے۔ اور عند البعض قصاص کو حیات کہنے کی علت ہے۔

قولہٗ فشرع لکم: (یہ قانون معین کر کے) لعلکم کا متعلق نکالا ہے کہ اس کا متعلق مقدر ہے۔

قولہٗ القتل مخافۃ القود (قتل سے خطرہ قصاص کی وجہ سے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل محل تقویٰ بیان فرمایا ہے۔ دوم بیانِ ترکیب ہے کہ القتل مفعول ہے تتقون کا اور مخافۃ القود مفعول لہٗ ہے۔

بیانِ فوائد

کبیرہ گناہ سے انسان نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے نہ کافر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب قاتلین کو کیا گیا ہے حالانکہ قتل کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ مرتکب کبیرہ دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یا خوارج کا یہ کہنا کہ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔

انسانی مساوات

اس آیت میں انسدادِ جرائم کی رعایت پھر اس میں بھی حد درجہ اعتدال انسانی مساوات کی انتہا کر دی ہے۔ اسلام نے اس بارہ میں شریف و رذیل اور اونچ نیچ، غلام، آزاد مرد، عورت، مسلم غیر مسلم ذمی کے وہ سارے امتیازات

ختم کر دیے ہیں جن کی وجہ سے انسانی حقوق پامال ہو رہے تھے۔ انسانیت کے ناطے سب برابر ہیں ہاں اگر ورثاءِ مقتول خون بہا لینے پر بخوشی رضامند ہوں تو قاتل کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

كُتِبَ فرض عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اى اسبابه إِنْ تَرَكَ خَيْرًا مالا الْوَصِيَّةُ مرفوع بكتب ومتعلق باذا ان كانت ظرفية ودال على جوابها ان كانت شرطية وجواب ان محذوف اى فليوص لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ بالعدل بان لا يزيد على الثلث ولا يفضل الغنى حَقًّا مصدر مؤكد لمضمون الجملة قبله عَلَى الْمُتَّقِيْنَ الله وهذا منسوخ باية الميراث وبحديث لا وصية لوارث رواه الترمذى فَمَنْ بَدَّلَهُ اى الايصاء من شاهد ووصى بَعْدَ مَا سَمِعَهُ علمه فَإِنَّمَا إِثْمُهُ اى الايصاء المبدل عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُونَهُ فيه اقامة الظاهر مقام المضمر إِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ لقول الموصى عَلِيْمٌ ○ بفعل الوصى فمجاز عليه فَمَنْ خَافَ

مِنْ مُّوْصٍ مخففًا و مثقلا جَنَفًا ميلًا عن الحق خطأً اَوْ اِثْمًا بان تعمد ذالك بالزيادة على الثلث او تخصيص غنى مثلا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ بين الموصى والموصى له بالامر بالعدل فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فى ذالك اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ع

ترجمہ مُقرّر (فرض) کیا جاتا ہے تم پر کہ جب کسی کو موت (اسباب موت) آنے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو وصیت کرنا (وصیت مرفوع ہے لفظ کُتِبَ سے اور متعلق ہے اِذَا کا یعنی عامل ہے بشرطیکہ ظرفیہ ہو اور اِذَا شرطیہ ہو تو یہ دال بر جواب ہے اور اِنْ کا جواب محذوف ہوگا یعنی فلیوص والدین اور عزیز و اقارب کے لیے معقول طریقے پر (انصاف کے ساتھ کہ تہائی مال سے وصیت بڑھنے نہ پائے اور نہ مالدار کو ترجیح دی جائے) ضروری ہے (حقًا مصدر ہے ماقبل کے مضمون جملہ کے لیے مؤکد ہے خدا) خوف رکھنے والوں پر (یہ آیت منسوخ ہے دوسری آیتِ میراث يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ سے اور حدیث " لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے جس کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے) اور پھر جو شخص تبدیل کرے گا اس (وصیت) کو (خواہ وہ گواہ ہو یا منیجر) اس کے سُن لینے سے (معلوم کر لینے) کے بعد تو اس (تبدیل شدہ وصیت) کا گناہ تبدیل کرنے والوں ہی کو ہوگا (اس جملہ اسم ظاہر کے بجائے ضمیر استعمال کیا گیا ہے یعنی علیھم کے بجائے علی الذین فرمایا ہے) یقینًا اللہ تعالیٰ (وصیت کنندہ کا قول) سُن رہے ہیں (منیجر کے افعال سے) باخبر ہیں (ان کو کیے کے مطابق بدلہ ملے گا) ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی طرف سے اندیشہ ہو (لفظ مُوْصٍ مخفف و مُشدّد دونوں طرح

بڑھا گیا ہے، کسی بے عنوانی کا رحق سے خطا کی طرف میلان کا، یا کسی جرم کے ار
کی تحقیق معلوم ہوئی ہو رکہ جان کر ثلث مال سے زائد وصیت کی ہو یا مالدار کی تخصیص
کی ہو مثلاً) پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے (یعنی وصیت کنندہ اور جن
کے لیے وصیت کی گئی دونوں کو انصاف کا مشورہ دے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں (
(اس بارہ میں) واقعی اللہ تعالیٰ تو معاف فرما دینے والے رحم فرمانے والے ہیں۔

بیانِ شانِ نزول

زمانہ جاہلیت میں ریاء اور نام و نمود کے لیے اپنے اموال کی وصیت اجانب
اور اغنیاء کے لیے کر کے اقرباء اور والدین کو محروم کر دیا کرتے تھے اس آیتِ وصیت میں
اس کی اصلاح کی گئی ہے۔

بیانِ ربط

پہلی آیت میں جان سے متعلق احکام کا ذکر تھا اس آیت میں مال سے متعلق
احکام کا بیان ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہٗ فرض : قد مرّ بیانہٗ فی تفسیر قولہٖ تعالیٰ کُتِبَ
عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فتذکّر۔

قولہٗ ای اسبابہٗ (اسبابِ موت) یہ لفظ بھی جواب ہے سوال مقدّر کا

سوال موت کہتے ہیں مفارقۃ الرّوح عن الجسد کو جب کہ اللہ پاک
فرماتے ہیں " کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ " حالانکہ موت

کے وقت تو وصیت نہیں ہو سکتی" فلا معنی لفرضیۃ الوصیۃ علی المیت۔
جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ خود موت مراد نہیں بلکہ اسباب موت مراد ہیں کہ موت کے اسباب ظاہر ہونے لگیں تو انسان وصیت کرے یعنی حذف مضاف ہے ای اسباب موتہ۔

قولہٗ مالاً - اس کی دو غرضیں ہیں : اوّل : علامہ سیوطیؒ نے خیرا پہ مال کا اطلاق کر کے اشارہ فرمایا کہ مال ہونا ہی خیر ہے اس لیے کہ انسان چوری، بد معاشی، تنگی، فقر وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے تو یہ ایک قسم کی بھلائی ہوئی۔ دوئم اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مال وصیت حلال طیب ہونا چاہیے کیونکہ خبیث مال کی وصیت گناہ ہوگی، اور دوسرا جواب پھر اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ خیر سے مراد قلیل ہے یا کثیر بعض حضرات کے نزدیک خیر سے مراد مال قلیل ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اکثر قلیل معنی میں مستعمل ہے مثلاً - ۱ - وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ - ۲ - وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ - ۳ - وَإِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ - لیکن بعض کا خیال ہے کہ مال کثیر مراد ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے ایک غلام کے پاس سات سو درہم تھے اس نے وصیت کا ارادہ کیا تو آپ نے اس کو منع فرما دیا کہ یہ مال کثیر نہیں، جس کا حکم اس آیت میں ہے۔ ثانیاً اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کی کثرت وقلت اضافی ہے حالات اور اشخاص کی وجہ سے مختلف ہو سکتی ہے۔

قولہٗ مرفوع - بیانِ اعراب ہے کہ الوصیۃ مرفوع ہے منصوب یا مجرور نہیں۔

قولہٗ بکتب - ھذا بیان للرفع کہ وصیۃ کتب کے نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ثانیاً فیہ رد علی من قال انہ مبتدا وخبرہ للوالدین۔

سوال - نحو کا قانون ہے کہ عامل معمول، فعل فاعل میں مطابقت ضروری ہے جبکہ یہاں مطابقت نہیں کیونکہ فعل مذکر اور فاعل الوصیۃ مؤنث ہے۔
جواب : جب فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہو تو اس وقت تطبیق کر کے

ضروری نہیں ہوتی چنانچہ یہاں بھی فعل اور نائب فاعل کے درمیان مفعول کا فاصلہ ہو
ہے اس لیے تانیث کے باوجود فعل کو مذکر لانا جائز ہے۔

قولہٗ متعلّق باذا۔ اس کا عطف مرفوع پر ہے اور اس کا تعلق اذا
کے ساتھ ہے اور متعلق سے مراد عمل ہے یعنی الوصیّۃ ، اذا حضر میں عمل کر رہا

قولہٗ ان کانت ظرفیۃ ودالّ علٰی جوابہا وان کانت شرط
وجواب اِنْ محذوف ای فلیوص ۔ علامہ سیوطیؒ نے اذا
کے استعمال کے متعلق دو صورتیں بیان فرمائی ہیں ۱ کبھی اذا ظرفیہ محضہ کے لیے
مستعمل ہوتا ہے۔ جب ظرفیہ محضہ کے لیے مستعمل ہو تو دال بر جواب ہوتا ہے یعنی جزا
کو تقاضا کرتا ہے تو اس مقام پر جواب یوں ہے " ای کتب علیکم ان یوصی
احدکم وقت حضور الموت۔ ۲ کبھی اذا شرط محضہ کے لیے استعمال ہوتا
ہے۔ جب اذا معنیٰ شرط کو متضمن ہو تو جزا کو تقاضا کرتا ہے۔ یہی صورت حال
اِنْ کے ساتھ ہے کہ وہ بھی شرط کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور جزا کو بھی تقاضا کرتا ہے تو گویا دو شرطیں
جمع ہو گئیں ایک اِذَا حَضَرَ دوسری اِنْ تَرَكَ خَيْرًا میں تو دونوں کی جزا مقدر ہے
ای فلیوص غرضیکہ علامہ سیوطیؒ نے تین باتیں یہاں ذکر کی ہیں۔ ۱ لفظ وصیۃ
کتب سے مرفوع ہونا۔ ۲ دوسرے اذا کا اس میں عمل کرنا بشرطیکہ ظرفیہ ہو اور اگر شرطیہ
ہو تو اس کے جواب پر دلالت کرنا۔ ۳ تیسرے جواب اِنْ پر دلالت کرنا۔

قولہٗ بالعدل۔ علامہ سیوطیؒ نے معروف کا حاصل معنی بیان کیا ہے
کیونکہ شرعاً وعرفاً معروف چیز عدل ہوتی ہے اور ظلم شرعاً وعرفاً برا ہے۔

قولہٗ بان لا یزید علی الثلث ولا یفضل الغنی۔ (کہ نہ تہائی
سے وصیت بڑھنے پائے اور نہ مالدار کو ترجیح دی جائے) بیان کی با تصویر ہے
علامہ سیوطیؒ نے بالمعروف کی صورت بیان کی ہے کہ تہائی مال کے حصہ سے
زیادہ کی وصیت نہ کرے کہ باقی رشتہ دار محروم رہیں یا غریب رشتہ دار کو چھوڑ کر
غنی رشتہ دار کے حق میں وصیت کرے یعنی کسی کو فضیلت نہ دے۔

قولهٗ مصدر، مؤکد لمضمون الجملة قبلهٗ ـ علامہ سیوطیؒ ترکیب بیان فرمارہے ہیں ۔ ماقبل کے مضمون جملہ سے مُراد کُتِبَ عَلَیْکُمْ الخ ہے جس میں سوائے حقیت کے دوسرا احتمال نہیں ہے اس لیے مفعول مُطلق مؤکد لنفسہٖ ہوگیا یعنی حَقًّا مفعول مُطلق للتاکید ہے اصل عبارت اس طرح تھی " ای حقّ ذالک حقًّا ۔

قولهٗ اللّٰه ـ هٰذا مفعولٌ للمتّقین ۔

قولهٗ وهٰذا منسُوخٌ بآیة المیراث الخ ۔ اس سارے جملہ کا مقصد اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ ماقبل میں جو وصیت للوالدین والاقربین کا حکم تھا وہ آیتِ نساء یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ الخ اور حدیث " لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ " سے منسوخ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیتِ میراث نے ان وارثوں کی وصیت کو منسوخ کر دیا جن کا میراث میں حصہ مقرر ہوگیا ہے البتہ جن رشتہ داروں کا میراث میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوا ان کے حق میں وصیت کا جواز اب بھی باقی ہے یعنی یہ وصیت فرض نہیں ہے بلکہ حسبِ ضرورت صرف مستحب ہے اور حدیث ابن عباسؓ کے الفاظ یہ ہیں " لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ یُّجِیْزَ الْوَرَثَةُ " یعنی اب نہ وارثوں کے لیے ضرورت ہے اور نہ اجازت ۔ البتہ اگر دوسرے وارث اجازت دیدیں تو پھر کسی وارث کے لیے بھی وصیت کی جاسکتی ہے ۔

فائدہ ۔ مفسرین حضرات میں اختلاف ہے کہ لا وصیة لوارث والی روایت ناسخ آیت بن سکتی ہے یا نہیں کیونکہ یہ خبرِ واحد ہے اس سے کتاب اللہ منسوخ نہیں ہوسکتی اس میں تین طائفے ہیں :

طائفہ اُولیٰ ابوبکر جصاص کے نزدیک یہ حدیث متواتر ہونے کی وجہ سے ناسخ آیت بن سکتی ہے ۔ قرطبیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ ہم تک بطریقِ خبرِ واحد پہنچی ہے مگر اس قدر جم غفیر کی موجودگی میں اس اعلان نے اور اجماعِ امت نے واضح کر دیا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قطعی الثبوت ہے ذرا بھی اس میں اگر شک ہوتا تو آیت کے حکم کو چھوڑ کر اس پر اجماع نہ کرتے ۔ اور

حجۃ الوداع کا اجماع تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کا تھا جس میں یہ اعلان فرمایا تھا:۔

"لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ"

طائفہ ثانیہ بعض مفسرین حضرات کے نزدیک آیتِ میراث ناسخ آیت ہے حدیث نہیں۔ حدیث باب تبیین اور وضاحت کے لیے ہے کیونکہ خبر واحد کتاب اللہ کے لیے ناسخ نہیں بن سکتی۔

طائفہ ثالثہ کچھ حضرات اس کے قائل ہیں کہ آیت منسوخ نہیں ہے تو ان پر اعتراض ہوگا کہ دو آیتوں کا آپس میں تعارض ہے تو یہ حضرات اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ والدین اقربین سے مراد مشرک ہیں کیونکہ مشرک اور کافر مسلمان کے وارث نہیں ہو سکتے اس لیے وصیت کا حکم دیا ہے۔

سوال: مشرک والدین واقربین کے لیے وصیت تو فرض نہیں ہے پھر کُتِبَ کیوں فرمایا؟

جواب۔ کُتِبَ کی اصطلاح جس طرح فرض کے لیے مستعمل ہے اسی طرح استحباب واباحت کے لیے بھی مستعمل ہے۔ کما فی اٰیۃ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ۔!

قولہٗ ای الایصاء۔ (وصیت کو) بیان تعیین مرجع ہے۔

سوال: راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے کیونکہ وصیت مؤنث ہے اور فمنْ بدّلہٗ کی ضمیر مذکر ہے۔

جواب: تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ وصیت بتاویل ایصاء کے ہے۔

قولہٗ من شاھد ووصی (خواہ گواہ ہو یا جس کے لیے وصیت کی گئی ہے) علامہ سیوطیؒ نے یہ دو جملے نکال کر فمن بدّلہٗ کے مَن کا بیان فرمایا ہے کہ مَن سے مراد گواہ یا جس کے لیے وصیت کی گئی ہے مراد ہے۔

قولہٗ علِمَہٗ۔ (معلوم کر لینے کے بعد) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر

اشارہ فرمایا کہ ذکر سماع کا ہے مراد علم ہے کیونکہ مدار وصیت سماع پر نہیں بلکہ علم پر ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ۔ علامہ سیوطیؒ سماع کو علم کے معنیٰ میں نہ کرتے بلکہ تعمیم کرتے کہ سماع بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ کیونکہ سماع علم کے بھی دو طریقے ہیں یعنی علم کا حصول بھی انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

قولہٗ ای الایصاء ۔ ھٰذا بیان للمرجع یعنی ان ضمیر اثمہٗ راجع الی الایصاء جب ایصاء کی طرف ضمیر پھرے گا تو سوال ہوگا کہ وصیت کرنا تو فرض ہے گناہ کیسے ہے تو سیوطیؒ نے المبدل کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ وصیت مبدل مراد ہے یعنی تبدیل شدہ وصیت گناہ ہے نہ کہ مطلقاً وصیت۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ۔ اگر علامہ سیوطیؒ اثمہٗ کا ضمیر بَدَّلَہٗ کے مصدر تبدیل کی طرف راجع کرتے تب بھی صحیح تھا اتنی عبارت مقدر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی لیکن علامہ سیوطیؒ یہاں بھی ایک نقطہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ عربوں کے نزدیک کلام اور عبارت میں وحدتِ ضمائر بھی ضروری ہے کیونکہ اس سے کلام اور عبارت میں حسن پیدا ہو جاتا ہے اور انتشارِ ضمائر لازم نہیں آتا۔

قولہٗ فیہ اقامۃ الظاہر موضع المضمر ۔ (اس جملہ میں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے استعمال کیا گیا ہے) یعنی علیھم کے بجائے عَلَی الَّذِین فرمایا ہے صرف مَنْ کی رعایت کرتے ہوئے یہ تفنن فی العبارت ہے۔

قولہٗ لقول الموصِی ۔ (وصیت کنندہ کا قول) محلِ سماع بیان فرمایا ہے۔

قولہٗ بفعل الوصِی ۔ (وصیت کے سربراہ کے افعال سے) محلِ علم بیان فرمایا ہے۔

قولہٗ ۔ فمجازعلیہ (ان کو کیے کے مطابق بدلہ ملے گا) علامہ سیوطیؒ نے سَمِیْعٌ اور عَلِیْمٌ کا لازمی معنیٰ بیان کیا ہے یعنی جب ہمارے ہر قول کو سننے والے اور ہمارے ہر فعل کو جاننے والے تو لازماً جزا بھی دیں گے۔

قولہٗ مُخففا و مُثقّلاً (لفظ مُوصٍ تخفیف اور تشدید دونوں طرح

پڑھا گیا ہے) بیانِ قرأت ہے۔

قولہٗ میلاً عن الحق خطاءً (حق سے خطاء کی طرف میلان کا) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر جنفاً کا لغوی معنیٰ بیان فرمایا ہے کہ لغت میں مطلقاً میلان کو جنف کہتے ہیں لیکن یہاں غلطی سے میلان مراد ہے کیونکہ جنفًا اور اِثمًا کا تقابل ہے اور اسی تقابل کو منطبق کرنے کے لیے خطأً کا کلمہ نکالا اور اشارہ فرمایا کہ جنفاً سے مراد خطا ہے اور اثم سے مراد عمد ہے۔

قولہٗ بان تعمد ذالك ۔ علامہ سیوطیؒ نے صحتِ تقابل کے لیے یہ جملہ نکالا ہے تاکہ خطأً کا تقابل صحیح ہو جائے۔

قولہٗ بالزیادۃ علی الثلث ۔ ثلثِ مال سے زائد وصیت کی ہو او تخصیص غنی یا مالدار کی تخصیص کی ہو۔ بالزیادۃ کی با تصویریہ ہے یہ جملہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے ارتکابِ جرم کی صورت بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ریاکاری اور نام ونمود کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں والدین جیسے اقارب کو لوگ فراموش کر دیتے تھے اور اغنیاء اجانب کے بارہ میں وصیتیں کر جاتے تھے اس قسم کی دوسری بے اعتدالیاں اور بھی کرتے تھے اس لیے علامہ سیوطیؒ نے مثلاً کہا ہے۔ باقی مثلاً مفعول مطلق ہے فعل محذوف مثلت کا یعنی یہ دونوں مثال کے طور پر ہیں۔

قولہٗ بین الموصی والموصی لہٗ (یعنی وصیت کنندہ اور جس کے لیے وصیت کی گئی) بینھم کے ضمیر کا مرجع بیان فرمایا ہے۔

قولہٗ بالامر بالعدل (دونوں کو انصاف کا مشورہ دے) بالامر کی باء تصویریہ سے اصلاح کی صورت بیان کی ہے۔

قولہٗ فی ذالك (اس بارہ میں) محل اثم بیان فرمایا ہے یعنی ای فی ذالك التبديل لانه بدل الباطل بالحق وهو موجب الثواب۔

بیانِ فوائد

وصیّت ایک مُقدّس امانت ہے۔

مرنے والے میں اپنے پسماندگان کے لیے خیراندیشی اور خیرسگالی کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے انسان جو کچھ چھوڑ جاتا ہے وہ اگرچہ دوسروں کے قبضہ میں چلا جاتا ہے تاہم مرنے والے کو اس کے ٹھیک ٹھیک خرچ ہونے کی اور اپنے عزیزوں، قریبیوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر اس کے فرائض زندگی میں سے ہے اس ذمّہ داری سے وہ سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ نیز اس مرنے والے کی وصیّت ایک مُقدّس امانت ہے جو لوگ اس کے امین ہوں بے کم وکاست اس کی تعمیل کرنا ان کا فریضہ ہے جن کے سپرد اس وصیّت کی تعمیل کی گئی ہے وہ اگر خیانتِ مجرمانہ کرنے لگیں تو وہ خود اس کے لیے جوابدہ ہوں گے وصیّت کرنے یا مُستفید ہونے والے بریُ الذمّہ ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ فرض عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ من الامم لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ المعاصی فانه يكسر الشهوة التى هى مبدؤها اَيَّامًا نصب بالصِّيَامِ او بصوموا مقدرًا مَّعْدُوْدٰتٍ اى قلائل اى موقتات بعدد معلوم وهى رمضان كما سياتی وقلله تسهيلاً على المكلفين فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ حين شهود مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اى مسافرًا سفر

القصر واجهده الصوم في الحالين فافطر فَعِدَّةٌ فعليه
عدة ما افطر مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يصومها بدله وَعَلَى الَّذِينَ
لا يُطِيقُونَهُ لكبر او مرض لا يرجى برؤه فِدْيَةٌ هي طعام
مِسْكِينٍ اى قدر ما ياكله في يوم وهو مد من غالب
قوت البلد لكل يوم وفي قراءة باضافة فدية وهي للبيان
وقيل لاغير مقدرة كانوا مخيرين في صدر الاسلام بين
الصوم والفدية ثم نسخ بتعيين الصوم بقوله فمن
شهد منكم الشهر فليصمه قال ابن عباس الا الحامل
والمرضع اذا افطرتا خوفا على الولد فانها باقية بلا نسخ
في حقهما فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا بالزيادة على القدر المذكور
في الفدية فَهُوَ اى التطوع خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا مبتدأ
خبره خَيْرٌ لَّكُمْ من الافطار والفدية إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ
انه خير لكم فافعلوه تلك الايام -

تر جمہ اے اہل ایمان مقرر (فرض) کیا گیا تم پر روزہ جس طرح فرض کیا گیا تھا تم سے پہلے (امتوں) پر اس امید پر کہ تم پرہیزگار بن جاؤ گے (بچتے) رہنا ہوں سے کیونکہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو گناہوں کی جڑ ہے چند روزہ (ایاما)

منصوب ہے لفظ صِیَام یا صُومُوا مُقدر ہے اور مَعْدُودَاتٍ بمعنی قلیل یعنی رمضان کے گنتی کے چند روز مراد ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے اور تقلیل کے عنوان میں مکلفین کے لیے تسہیل مقصود ہے) پھر جو شخص تم میں (رمضان آنے کے وقت) بیمار ہوجائے یا مسافر ہو (سفر قصر کررہا ہو اور دونوں صورتوں میں روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہو تو اس کو افطار کرلینا چاہیے) تو اتنی ہی تعداد (جس قدر روزے افطار کئے ہیں اتنے ہی اس پر واجب ہیں) دوسرے دنوں میں (اس کے بدلے روزے رکھے) اور جو لوگ روزے کی طاقت (نہ) رکھتے ہوں (بڑھاپے یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے جس کے اچھے ہونے کی توقع نہ ہو) ان کے ذمے فدیہ ہے کہ (وہ) ایک غریب آدمی کا کھانا ہے (جس قدر ایک روز میں ایک آدمی کھا سکتا ہو جس کی مقدار روزانہ کیلئے ایک مد غلہ تجویز کی گئی ہے جو غلہ رواجی ہو اور ایک قرأت میں لفظ فدیہ اضافت بیانیہ کے ساتھ آیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یُطِیقُونَہٗ سے پہلے لا مقدر نہ کیا جائے۔ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو روزہ اور فدیہ کے درمیان اختیار تھا اس کے بعد یہ منسوخ ہو کر آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کے ذریعہ روزہ کی تعیین ہوگئی حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ اس حکم نسخ سے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت مستثنیٰ ہے اگر یہ دونوں قسم کی عورتیں بچہ کے خیال سے روزہ افطار کرلیں تو یہ حکم فدیہ ان کے لیے اب بھی باقی اور غیر منسوخ ہے) جو شخص خوشی سے خیر خیرات کرے (فدیہ کی مقدار مقررہ سے زائد خرچ کر ڈالے) تو یہ (نفلی خیرات) اس کے لیے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (یہ مصدر ہے جس کی خبر آگے ہے) زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت افطار فدیہ کے) اگر تم کچھ واقفیت رکھتے ہو (کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تو اس کی تعمیل کرلو)

بیان شانِ نزول

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ

يطيقونه نازل ہوئی تو ہم لوگوں کو اختیار تھا چاہے روزہ رکھ لیں اور چاہے فدیہ دے کر افطار کر لیں لیکن جب اس کے بعد والی آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو پھر یہ اختیار منسوخ ہو کر روزہ متعین ہو گیا۔

بیان ربط

ابواب البر کا سلسلہ شروع ہے اس کا تیسرا حکم روزہ کے متعلق ہے تقریبًا پورے رکوع میں دور تک اسی کے متعلقات اور احکامات کا بیان جاری رہیگا۔

بیان اغراض جلالین

قوله فرض - قد مرّ غرضه من قريب -

قوله من الامم : تعیین موصول ہے جو الذین ہے۔ ثانیًا فیہ ردٌ على من قال ان المراد منه النصارى -

يقول ابو الاسعاد - من الامم سے مراد یا بعینہ تشبیہ ہے جیسا کہ ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ پہلی امتوں پر بھی روزے فرض تھے یا نفس صوم میں شرکت مقصود ہے وقت مقدار، کیفیت سب میں اشتراک بیان کرنا نہیں ہے۔ جیسے فاذكروا الله كذكركم اباءكم - یا ان مثل عيسى عند الله كمثل آدم وغیرہ تشبیہات ہیں۔ چنانچہ حضرت آدمؑ پر ایام بیض کے روزے اور قوم موسیٰ پر صرف عاشورہ کا روزہ فرض تھا مقصود اس طرز تعبیر سے مرگ انبوہ جشنے دارد کے قبیل سے روزہ کی صعوبت کو کم کرنا اور تسلی دینا ہے۔

قوله المعاصى - (گناہوں سے) یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ تتقون کا مفعول محذوف ہے وهو المعاصى -

قولہٗ یکسر الشھوۃ التی ھی مبدؤھا (کیونکہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو گناہوں کی جڑ ہے) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر تتقون کی دلیل بیان کی ہے کہ روزہ کے ساتھ تقویٰ کا تعلق کیوں ہے اس لیے کہ خواہشاتِ نفسانیہ کا ختم ہوجانا بنیادِ تقویٰ ہے اور اس کا حصول روزہ ہی سے ممکن ہے اس بنا پر روزے اور تقویٰ کا تعلق آپس میں سمجھ آتا ہے۔

قولہٗ نصب بالصیام اوبصوموا مقدرًا (ایامًا منصوب ہے لفظ صیام یا صُوموا مقدر سے) بیانِ اعراب ذکر فرمایا ہے کہ ایّامًا کے منصوب ہونے کا سبب لفظ صِیَام ہے یا صوموا فعل مقدر ہے صوموا ایامًا۔ لیکن علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں صیام کے ذریعہ ایامًا کے منصوب ہونے کا تخطیہ کیا ہے کیونکہ عامل اور معمول میں اجنبی کا فاصلہ ہوجاتا ہے البتہ صوموا مقدر کے ذریعہ صحیح ہے مگر حق بات یہ ہے کہ فی نصب ایامًا اربعۃُ اوجہٍ کما قالہٗ السمین۔

قولہٗ ای قلائل۔ ھٰذا تفسیر اللازم للمعدودات یعنی قلائل معدودات کے لیے تفسیر باللازم ہے کیونکہ فانّ القلیل من المال یُعَدّ عدًّا والکثیر یصبّ صبًّا۔

قولہٗ او موقتاتٍ بعدد معلومٍ (گنتی کے چند روز مراد ہیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر ثانی معدودات کی تفسیر باللازم بیان کی ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ بعض حضرات کو وہم ہوا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ قلائل تفسیر ہے معدودات کی اور موقتات تفسیر ہے قلائل کی ان کو یہ وہم اس وجہ سے ہوا ہے کہ بعض نسخوں میں واو ہے عبارت یوں ہے "ای قلائل و موقتات لیکن یہ غلط ہے صحیح واو نہیں بلکہ اَوْ کا کلمہ ہے اصل عبارت یوں ہے" ای قلائل او موقتات کما فی الکشف تو یہ تفسیر ثانی ہوگی نہ کہ تفسیر التفسیر۔

قولہٗ وھی رمضان : ایاماً معدودات کا بیان ہے۔ یا ایاماً معدودات کی تعیین ہے۔

قولہٗ کما سیأتی۔ قرینہ کا بیان ہے یعنی یشیر الی ابسد فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ الخ

قولہٗ قللہٗ تسهیلاً علی المکلفین (اور تقلیل کے عنوان میں مکلفین کے لیے سہولت مقصود ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ پھر فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ " حالانکہ پہلے فرماتے شَهْرُ رَمَضَانَ بعدہٗ اس کی تعیین اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ سے کرتے یہ طرز و اسلوب کیوں اختیار فرمایا؟

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر جواب دیا کہ ایک ماہ کے روزوں کو تقلیل کا عنوان دینا تسہیل کے لیے ہے کیونکہ آسانی عنوان سے بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

قولہٗ حین شھودہٖ (رمضان آنے کے وقت) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ شرط اور فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ جزا۔ حالانکہ والجزاء لا تنطبق علی الشرط اس لیے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو تم میں سے بیمار ہو وہ روزے قضا کرے اس سے تو ہر وقت کا بیمار معلوم ہوتا ہے کیونکہ شرط مطلق ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ مطلق مریض مراد نہیں بلکہ رمضان المبارک کا مریض مراد ہے کہ رمضان المبارک میں بیمار ہوتا ہے تو اس کو روزے قضا کرنے پڑتے ہیں۔

قولہٗ مسافراً۔ یہ کلمہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: یہ ہے کہ مَرِيْضًا پر اَوْ عَلٰى سَفَرٍ منطبق نہیں ہوتا کیونکہ ذات انسان سفر کے اوپر تو نہیں ہوتی جب کہ عَلٰی کو استعلاء کے ساتھ ملتبس کیا ہے

جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ سفر بمعنیٰ مسافر ہے یعنی سفر کا مطلب مسافر ہے۔

قولہٗ سفر القصر۔ سفر دو قسم ہے۔ ۱۔ سفر لغوی معمولی سفر یا مطلق سفر۔ ۲۔ سفر شرعی جس کی مقدار اڑتالیس میل ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مطلق سفر میں افطار کی اجازت نہیں ہے بلکہ سفر شرعی میں افطار کا حکم ہے جس کی مقدار حنفیوں کے نزدیک اڑتالیس میل ہے۔

قولہٗ واجھدہٗ الصوم فی الحالین (اور دونوں صورتوں میں روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہو) جھد سے مراد مشقت وتکلیف ہے اور حالین سے مراد مرض وسفر ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر کر کے اپنے مسلک کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ احناف حضرات کے نزدیک مطلقاً سفر موجب رخصت ہے خواہ مشقت ہو یا نہ ہو۔ کما فی زمننا یسافر کثیر الناس فی الطائر۔ لیکن شوافع حضرات کے نزدیک مشقت کا ہونا ضروری ہے یعنی سفر مشقت والا ہو تو تب رخصت ہے۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ بحالت سفر عجز حقیقی پر مدار نہیں ہے بلکہ بحالت سفر مطلقاً رخصت افطار ہے نفس سفر کو قائم مقام مشقت کے تصور کریں گے۔ احناف کے نزدیک حقیقتاً تکلیف ہو یا نہ ہو۔

قولہٗ فافطر۔ علامہ سیوطیؒ نے اقتضاء النص کے طور پر یہ کلمہ مقدر کیا ہے کیونکہ جزاء یتفرّع علی الشرط یعنی مَرِیْضًا کا معطوف علیہ مقدر ہے اصل عبارت یوں تھی " فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَاَفْطَرَ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ —

قولہٗ فعلیہ عدد۔ (پس اوپر اس کے ہے تعداد) یہ جملہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ " فعدۃ مبتدا والخبرُ محذوف یعنی خبر مقدم مقدر ہے۔

قولہٗ ما افطر۔ عدۃٌ کی تنوین عوض ہے مضاف الیہ محذوف کے

تو سیوطیؒ نے مضاف مقدر کیا ہے کیونکہ افطار ہوگا تو عدد کی تعیین ہوگی ا
کیونکہ بغیر تعیین عدد نہیں ہوسکتی۔

قولہٗ یصومھا بدلہٗ ۔ (اس کے بدلے روزے رکھے) یہ جملہ
سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ پاک فرماتے ہیں "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" حالانکہ گنتی (شمار) زبان سے
ہوتی ہے جو یہاں مراد نہیں ہے جبکہ قضاء صوم تو امساک کا نام ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ سے مراد صوم أَيَّامٍ أُخَرَ ہے یعنی حذف مضاف کی طرف
اشارہ فرمایا ہے۔

قولہٗ لا ۔ بیان قرأت ہے امام حفصؒ کی ایک قرأت لَا يُطِيقُونَهُ
بھی ہے اس کی مکمل وضاحت وقد قیل والے جملہ کے تحت ہوگی جو آگے آرہا ہے

قولہٗ لکبر او مرض ۔ (بڑھاپے یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے)
علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ مقدر کر کے عدم طاقت کی علت بیان فرمائی ہے۔ بڑھاپا اور
بیماری مانع ہے روزہ نہیں رکھ سکتا تو فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ الخ۔

قولہٗ لا یرجیٰ برؤہ ۔ (جس کے اچھے ہونے کی توقع نہ ہو) بیماری دو
قسم ہے۔ ۱ عارضی کہ کچھ وقت تک آدمی بیمار رہے بعدہٗ تندرست ہوجائے۔
۲ دائمی کہ امید صحت نہ ہو۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ عارضی
بیماری مراد نہیں بلکہ مرض دائمی مراد ہے کہ پورے رمضان المبارک میں بیمار رہے۔

قولہٗ ھی ۔ إنّما قدّر ھی اشارة الى ان طعام خبر مبتداء محذوف

قولہٗ ای قدر مایأکلہٗ فی یوم (جس قدر ایک روز میں آدمی کھاتا
ہو) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر فرما کر اشارہ فرمایا۔ طعام مساکین سے مراد مطلق
طعام مساکین نہیں بلکہ ایک دن کی مقدار جتنا طعام مراد ہے یعنی تعیین طعام فرمائی ہے

قولہ وھو مُدّ من غالب قوت البلد لکلّ یوم (جس کی مقدار روزانہ کے لیے ایک مُد غلہ تجویز کی گئی ہے جو غلہ رواجی ہو) یہاں سے علامہ سیوطیؒ ایک تو وزنِ طعام کی تعیین فرمارہے ہیں۔ ثانیًا مسلکِ شوافع کی تائید فرمارہے ہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک غلہ کا ایک مُد ہے جب کہ احناف حضرات کے نزدیک نصف صاع ہے۔ مُد اور صاع کی تشریح کتبِ فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سوال: علامہ سیوطیؒ نے غالب قوت البلد کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب مریض کی سہولت کے لیے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مریض عجز کی وجہ سے فدیہ میں وہی مقدار دے جو اس کے اپنے علاقہ میں متعین ہو کیونکہ اختلافِ امصار کی وجہ سے قانون طور طریقے اور اوزان بدلتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے التباس پڑ سکتا ہے کہ کونسی مقدار میں فدیہ دیا جائے تو یہ قید لگا کر اس کے اپنے علاقے کی مقدار کی تعیین فرمادی کہ جس شہر میں مریض رہتا ہے اس شہر کی مقدار معتبر ہے۔

قولہ باضافۃ فدیۃ وھی للبیان۔ (ایک قرأت میں لفظ فدیہ اضافتِ بیان کے ساتھ آیا ہے) یہاں سے علامہ سیوطیؒ دوسری قرأت بیان فرمارہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ مساکین میں مفرد و جمع دونوں ہیں۔ مسکین مساکین۔ اگر فدیہ کو طعام کی طرف مضاف کریں گے تو مساکین جمع پڑھیں گے اگر فدیہ کی اضافت طعام کی طرف نہیں تو مسکین مفرد ہوگا یعنی فلمقابلۃ الجمع بالجمع والمفرد بالمفرد والمقصود بہ البیان کقولک خاتم حدید و ثوب خز و باب ساج۔

قولہ وقیل لا غیر مقدرۃ وکانوا مخیرین فی صدر الاسلام بین الصوم والفدیۃ۔ الخ۔ اس تمامی عبارت کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ الخ اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ۔

صورتِ اوّل ۔ یہ کہ ابتدائے اسلام میں مقیم تندرستوں کے لیے بھی یہ رخصت

تخییر تھی کہ چاہے وہ روزہ رکھ لیں یا فدیہ دیدیں اس صورت میں یُطیقونہٗ اپنی حالت پر رہے گا کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ حکم آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کے ذریعہ منسوخ ہوگیا ہے۔ امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ اور سلمہ بن اکوعؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور جمہور کا قول بھی یہی ہے۔

صورتِ دوم کہ اس کو منسوخ نہ مانیں اس صورت میں دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ اوّل لا کی تقدیر جیسے دوسری آیت یُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا میں لا کی تقدیر ضروری ہے چنانچہ امام حفصؒ کی قرأت لا یطیقونہٗ ہے۔ دوم یا پھر یطیقون باب افعال سے ہے۔ اور اس میں ہمزہ سلب کے لیے ہے جیسے اطاق فلان جب کہ اس کی طاقت زائل ہو جائے۔ کما قالہٗ شمس الائمۃ ان دونوں صورتوں میں یہ حکم شیخ فانی کے لیے ہے۔ یا بقول ابن عباسؓ حاملہ اور مرضعہ محتملۃ الضرر کے لیے مخصوص ہوگا اور منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی۔ یُطیقون باب افعال ہے اور باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے آتا ہے۔ نیز لغت والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ باب افعال ایسی جگہ پر بولا جاتا ہے کہ آدمی کوئی کام کرے لیکن اس میں مشقت ہو۔ کما فی امثلۃ اطاق فلان تو دونوں صورتوں میں یطیقون کا معنی سلب ہوگا اور جن حضرات نے کلمہ لا مقدر کیا ہے وہ معنًا ہے لیکن بعد والوں نے یہ سمجھ لیا کہ شاید لا مقدر ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ کا مسلک ہے۔

قولہٗ بالزیادۃ علی القدر المذکور فی الفدیۃ (فدیہ کی مقدار مقررہ سے زائد خرچ کرڈالے) بالزیادۃ کی باء تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تطوع کی صورت بیان کی ہے یعنی بان زاد علی المذکور فی عدد المساکین۔

قولہٗ ای التطوّع۔ ھٰذا بیان للمرجع۔

قولہٗ مُبتدأ خبرہٗ ۔ ھذا بیان للترکیب یعنی ان تصوموا مبتدا ہے بتاویل مصدر صیامکم۔

قولہٗ الافطار والفدیۃ ۔ (افطار اور فدیہ کے) خیرًا اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے لیے مفضل اور مفضل علیہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے الافطار والفدیۃ کے کلمات نکال کر مفضل علیہ کو ذکر کیا ہے یعنی مفضل علیہ کا بیان ہے۔

قولہٗ انہ خیر لکم (کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے) تعلمون کا مفعول بہٖ ہے۔ یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہٗ فافعلوہ ۔ (اس کی تعمیل کرو) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر کرکے اشارہ فرمایا کہ جوابُ الشرط یعنی جزا محذوف ہے اور ان کنتم شرط ہے۔

بیانِ فوائد

روزہ کی اہمیت وعظمت

روزہ روحانی، اخلاقی، اقتصادی معاشرتی، سیاسی، طبی ہر لحاظ سے ایک بہترین عبادت ہے اور زمانہ قدیم میں مختلف شکلوں اور نوعیتوں کے ساتھ خدا کے حکم سے انسانوں پر مروّج رہا ہے۔ اسلام جو ایک جامع اور مکمل مذہب ہے اس عظیم الشان عبادت سے کیسے خالی رہ جاتا روزہ کا مقصد محض فاقہ کشی کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف ومشقت میں ڈالے رکھنا نہیں ہے بلکہ نفسِ انسانی کی تہذیب واصلاح پرہیزگاری اور تقویٰ وطہارتِ نفس کی خواہشات کو قابو میں رکھنے کی مشق کا بہم پہنچانا ہے جس کی طرف لعلکم تتقون میں اشارہ ہے یعنی کھانے پینے اور صحبت سے بہ نیتِ روزہ دن بھر رکنا تو روزہ کی صورت ہے لیکن حقیقت دروحِ کچھ اور ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

تاہم لعلکم تتقون سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ تقویٰ اگر کسی اور ذریعہ سے حاصل کر لیا جائے تو پھر روزہ کی کیا ضرورت ہے یا کسی روزہ سے اگر یہ مقصد حاصل نہ ہوتا ہو تو پھر روزہ سے کیا فائدہ؟

سو اوّل تو یہ روزے کی علت نہیں ہے کہ اس کے بغیر روزہ ساقط ہو جائے بلکہ روزہ کی مصلحت اور حکمت ہے۔ پھر حکمت کچھ اس مصلحت میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہزاروں مصالح علمِ الٰہی میں محفوظ ہوں گی وہ بغیر روزہ کے کس طرح حاصل ہو سکیں گی غرضیکہ ہر عبادت کی روح جس طرح اسی مخصوص جسم عبادت میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے یہی حال روزے کا ہے اگر روزہ کی حکمت روزہ کے بغیر حاصل ہو سکتی ہے تو پھر کسی عبادت کی بھی ضرورت نہیں رہ جاتی اس لیے فی الحقیقت یہ عبادت سے بچنے کا ایک شیطانی بہانہ اور کیدِ نفس ہے۔

تلك الایّام شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ من اللّوح المحفوظ الی السّمآء الدُّنیا فی لیلة القدر هُدًی حال هادیًا من الضلالة لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ ایٰت واضحات مِّنَ الْهُدٰی ممّا یهدی الی الحقّ من الاحکام وَمن الْفُرْقَانِ ممّا یفرق بین الحقّ والباطل فَمَنْ شَهِدَ حضر مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ تقدّم مثلهٗ و کرّرہ لئلّا یتوهّم نسخه بتعمیم من شهد یُرِیْدُ اللّٰهُ

بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ولذا اباح لكم الفطر في المرض او السفر ولكون ذالك في معنى العلة ايضًا للامر بالصوم عطف عليه وَلِتُكْمِلُوا بالتخفيف والتشديد الْعِدَّةَ اى عدة صوم رمضان وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عند اكمالها عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ارشدكم لمعالم دينه وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ الله على ذالك وسأل جماعةٌ النبيَّ صلى الله عليه وسلم اقريبٌ ربنا فنناجيه ام بعيدٌ فنناديه فنزل وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ منهم بعلمى فاخبرهم بذالك اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ بانالته ما سال فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ دعائى بالطاعة وَلْيُؤْمِنُوْا يديموا على الايمان بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ يهتدون ۔

ترجمہ

(یہ زمانہ) ماہ رمضان کا ہے کہ جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے (لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر لیلۃُ القدر میں) جو ہدایت دینے والا ہے (لفظ ھُدًی حال ہے گمراہی سے ہدایت بخشنے والا) لوگوں کو واضحۃ الدلالۃ ہے (یعنی اس کی آیات واضح ہیں) منجملہ ان کتابوں کے ہے جو ہدایت بخشنے والی ہیں ۔ (یعنی ایسے احکام پر مشتمل ہے جو ہدایت الحق کرنے والے ہیں) اور فیصلہ کرنے والی ہیں (جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہیں) چنانچہ جو شخص اس وقت موجود ہو

اس کے لیے اس مہینے میں روزے رکھنا ضروری ہے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کو دوسرے دنوں میں شمار سے رکھنے چاہئیں یہ آیت پہلے بھی گذر چکی ہے اور مکرر اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ مَنۡ شَھِدَ کی تعمیم سے اس کی منسوخیت کا شبہ نہ ہو جائے) اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانگی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں ہے۔ (اسی لیے بیماری اور سفر میں تمہارے لیے افطار کو جائز کیا ہے. اور چونکہ یہ مضمون حکمِ صوم کی معناً علت بھی ہے اس لیے اس پر اگلا جملہ عطف کر دیا ہے اور تاکہ تم لوگ پورا کر لیا کرو (تکملوا تخفیف اور تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے) گنتی کو (یعنی رمضان کے روزوں کی تعداد) اور اس لیے کہ تم اللہ کی بزرگی بیان کیا کرو (اس کے پورے کرنے پر) کہ اس نے تم کو طریقہ بتلا دیا (تم کو اپنے معالم دین سکھلائے) اور اس لیے کہ تم شکریہ ادا کرو (اللہ کا اس انعام پر) ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہمارے رب ہم سے قریب ہیں کہ آہستہ مناجات ہمارے لیے کافی ہو، یا دور ہیں کہ پکارنے کی ضرورت پیش آئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی" اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارہ میں دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں (اپنے علم کے لحاظ سے ان سے آپ ان کو اطلاع فرما دیجیے) قبول کر لیا کرتا ہوں دعا، مانگنے والوں کی درخواست کو جب کہ وہ میرے حضور پیش کرتے ہیں (ان کی درخواست منظور کر لیتا ہوں) ان کو چاہیئے کہ قبول کر لیا کریں (میرے احکام بجا آوری کے ساتھ) اور مجھ پر یقین رکھنا چاہیے (مجھ پر ہمیشہ ایمان رکھیں) امید یہ ہے کہ وہ لوگ فلاح (ہدایت) حاصل کر سکیں گے۔

بیانِ شانِ نزول

آیت وَاِذَا سَاَلَکَ کے شانِ نزول کی طرف خود علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرما دیا ہے کہ بعض اعراب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہو کر استفسار کیا

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بیانِ ربط

سابقہ آیت میں ایّامِ روزہ کا اجمالی بیان تھا اس آیت میں اس کا تفصیلی بیان ہے ان تمام احکام میں بندوں کی مصالح حق تعالیٰ کے پیشِ نظر ہیں جن سے حق تعالیٰ کا بندوں پر مہربان ہونا اور متوجہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہٗ تلک الایام : علامہ سیوطیؒ نے شہر رمضان سے پہلے یہ جملہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ تلک الایام مبتدا محذوف ہے شہر رمضان اس کی خبر ہے۔یا شہر رمضان مبتدا اور الّذی اس کی خبر ہے۔

قولہٗ من اللوح المحفوظ : بیان ابتدائے انزال کہ ابتدا میں نزول قرآن مجید لوح محفوظ سے شروع ہوا ہے۔

قولہٗ الی السماء الدنیا : علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر انتہائے انزال بیان فرمایا ہے۔ مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ نزول اوّل لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ہوا بعدہٗ مصلحت کے تحت موقع ومناسبت سے تھوڑا تھوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

قولہٗ فی لیلۃ القدر : وقتِ انزال بیان فرمایا ہے کہ یہ سلسلہ شب قدر میں ہوا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : آیۃِ مبارکہ شَھْرُ رمضان الذی انزل فیہ القران الخ سے رمضان المبارک میں نزول معلوم ہوتا ہے۔جب کہ سورۃ القدر یعنی اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ سے مخصوص ایک شب

میں نزول معلوم ہوا حالانکہ نبوت کے بعد سے وفات تک تقریباً ۲۳ سال سلسلہ وحی جاری رہا تینوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ نزول اول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ہوا خواہ پورے قرآن کا یا سال بھر جس قدر اتارنا ہوتا۔ یہ نزول تو شب قدر میں ہوا اور شب قدر رمضان میں ہے تو اس طرح نزول فی لیلۃ نزول فی رمضان ہوا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حسب وقائع اور بقدر ضرورت ایک آیت، دو آیت، رکوع اور سورت کی شکل میں کل مدت نبوت میں سلسلہ جاری رہا۔ پہلی صورت کو نزول یا انزال کہتے ہیں اور دوسری صورت کو تنزیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح پوری تطبیق ہو جاتی ہے۔

قولہٗ حالٌ۔ بیانِ ترکیب ہے یعنی ھُدًی و بینات یہ دونوں القرآن سے حال ہیں۔

قولہٗ ھَادِیًا: یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: قانون ہے کہ حال کا حمل ذوالحال پر ہوتا ہے جب کہ یہاں معاملہ برعکس ہے کیونکہ حال (ھُدًی) مصدر صفت ہے۔ اور ذوالحال القرآن ذات ہے صفت کا حمل ذات پر نہیں ہوتا؟

جواب: تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ ھُدًی مصدر بمعنی ھَادِیًا ہے تو حال کا حمل ذوالحال پر درست ہو جائے گا۔

بقول شیخ جاجروی رحمہ القوی: علامہ سیوطیؒ نے جو جواب دیا ہے کہ ھُدًی بمعنی ھَادِیًا ہے یہ بھی صحیح ہے لیکن اس کو اگر مبالغۃً حمل کیا جائے تو اور زیادہ بہتر ہے کیونکہ بعض دفعہ کلام مبالغہ پر محمول ہوتی ہے یعنی ھُدًی بمعنی ھَادِیًا یہ مبالغہ ہے جیسا کہ زیدٌ عدل میں مبالغہ ہے۔

قولہٗ من الضلالۃ - (گمراہی سے) علامہ سیوطیؒ نے ما منہ الھدایۃ کا بیان فرمایا ہے کہ قرآن مقدس کس سے ہدایت ہے یا کس کے مقابلہ میں ہدایت ہے تو وہ ضلالت ہے اور اسی کو ما منہ الھدایۃ کہتے ہیں۔

قولہٗ ایاتٍ واضحاتٍ ۔ علامہ سیوطیؒ نے آیات کا کلمہ مقدر کرکے اشارہ فرمایا کہ بیّنات صفت ہے اس کا موصوف ایات مقدر ہے تقدیر عبارت یوں ہے "ایات بیّنات اور واضحات بیّنات کی تفسیر ہے۔ یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔ ثانیًا اشارہ فرمایا کہ" انّ البیّنات جمع البیّنۃ بمعنی الدلیل لا بمعنی الشاھد کما ھو المشہور۔

قولہٗ ممّا یھدی (ایسے احکام پر مشتمل ہیں جو ہدایت دینے والے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ ھُدٰی بمعنٰی ھادی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کے احکامات یا ہدایت والی اشیاء مراد ہیں۔

قولہٗ الی الحق (حق کی طرف) ما الیہ الھدایت کو بیان فرمایا ہے، جو بصورت حق موجود ہے۔

قولہٗ من الاحکام : (احکامات سے) خواہ اصولی احکام ہوں یا فروعی دونوں مراد ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر مِمّا یَھدِیْ کے ما کا بیان فرمایا ہے کہ مَا سے مراد احکام ہیں۔

قولہٗ مِنْ : علامہ سیوطیؒ نے کلمہ مِنْ مقدر کرکے حاصلِ عطف بیان کیا ہے کیونکہ فُرْقَانْ کا عطف ھُدٰی پر ہے تو حاصل عبارت یوں ہوگی " بیّنات من الھُدٰی و مِنَ الفرقان یعنی عطف الفرقان علی الھُدٰی من عطف الخاص علی العام۔

قولہٗ ممّا یفرق بین الحقّ والباطل ۔ علامہ سیوطیؒ فرقان کا لغوی معنٰی بیان فرما رہے ہیں کہ فرقان تفریق سے ہے یعنی حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا ۔ چنانچہ نزولِ قرآن سے قبل ضلال مُبین تھا حق وباطل کی پہچان ختم ہو چکی تھی ۔ قرآن مقدس ہی کے ذریعہ حق اور باطل کا نکھارا ہوا ۔

۔ دوم اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ تفریق سے مراد حسّی تفریق نہیں جو نظر آئے بلکہ معنوی تفریق ہے کہ حق وباطل کا علم ہو جائے ۔

قولہٗ حضر ۔ لفظ شہد معانی مختلفہ میں مستعمل ہے علامہ سیوطیؒ نے لفظ حضر نکال کر تعیین احد المعانی ذکر فرمائی ہے کہ شہد، حضر کے معنیٰ میں ہے نہ کہ شہادت کے معنیٰ میں۔

قولہٗ تقدّم مثلہٗ۔ ھٰذا بیان العذر کہ میں اس جملے کی غرض بیان کرنے سے معذور ہوں۔

قولہٗ لئلاّ یتوھم نسخہ بتعمیم من شھد (اور مکرر اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ مَنْ شَہِدَ کی تعمیم سے اس کی منسوخیت کا شبہ نہ ہو جائے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال - یہ ہے کہ من کان منکم مریضًا والی آیت میں تکرار کیوں ہے؟

جواب ماقبل میں دو حکم مذکور تھے۔ اوّل اختیار (وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ) دوم مریض اور مسافر کا حکم، وہم ہوتا تھا کہ جیسے اختیار والا حکم منسوخ ہو چکا ہے شاید مسافر و مریض کا حکم بھی منسوخ ہے کیونکہ بظاہر اس حکم میں مریض، مسافر، مقیم، تندرست سب کے لیے تعمیم تھی اس لیے اس آیت سے (من کان مریضًا) اس کی تخصیص کر دی کہ مریض اور مسافر اب بھی اس رخصت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

قولہٗ ولذا اباح لکم الفطر فی المرض والسفر (اس لیے بیماری اور سفر میں تمہارے لیے افطار جائز کیا ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال معتزلہ حضرات اس آیت سے استدلال پکڑتے ہیں۔ طرزِ استدلال یہ ہے کہ انسان ارادۂ الٰہی کے خلاف ارادہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ مریض و مسافر مشقت برداشت کر کے اگر روزہ رکھ لیں تو یہ اللہ کے ارادۂ یسر کے خلاف ہوگا۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر ان کا رد کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ یسر کا مطلب یہ ہے کہ افطار

مباح ہے نہ کہ واجب، وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے پورا ہو چکا ہے۔ انسان کے روزہ رکھنے سے اس کے خلاف نہیں ہوا فلا اشکال علیہ۔

قولہ ولتکون ذالک فی معنی العلۃ ایضا علامو یاالصوم عطف علیہ (اور چونکہ یہ مضمون حکم صوم کی معناً علت بھی ہے اسلئے اس پر اگلا جملہ عطف کر دیا ہے) یہ جملہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہاں تین علتیں ہیں ۱ ولتکملوا العدۃ ۲ ولتکبروا ۳ ولعلکم ان کا عطف یرید اللہ پر ہے حالانکہ یہ عطف صحیح نہیں کیونکہ یرید علت نہیں ہے جبکہ معطوف علت ہیں۔

جواب: تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یرید لفظاً علت نہیں ہے ماقبل کیلئے لیکن معناً علت ہے فلا اشکال علیہ۔

قولہٗ عطف علیہ۔ یہ علۃ العلۃ ہے۔

قولہٗ بالتخفیف والتشدید: بیان قرأت ہے۔

قولہٗ ای عدۃ صوم رمضان (یعنی رمضان کے روزوں کی تعداد) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا ہے کہ العدۃ کی الف لام عوض ہے مضاف الیہ محذوف سے مطلق عدۃ مراد نہیں بلکہ عدۃ صوم رمضان مراد ہے۔ یعنی ان المراد من العدۃ ذالک (ای صوم رمضان) لا مطلق العدۃ کما لا یخفیٰ۔

قولہٗ عند اکمالھا (اس کے پورا کرنے پر) لتکبروا اللہ کا زمانہ بیان فرمایا ہے کہ تکبیر کا زمانہ اور وقت تکمیل مدت کے بعد ہے۔

یقول ابوالاسعاد۔ اکمال سے مراد اگر اول یعنی اکمال ادا ہو تو تکبیر مراد تکبیر عید الفطر ہوگی یعنی روزے پورے کرو اور تکبیر عید یعنی دوگانہ ادا کرو اور تکبیرات اس صورت میں یہ "فمن شھد" کی علت ہوگی اور اکمال سے ثانی یعنی تکمیل قضاء مراد ہو تو تکبیر سے مراد خدا کی ثناء ہوگی اور یہ تیسری علت ہوگی۔ واللہ اعلم

قولهٗ ارشدکم (ہدایت دی تم کو) ھد اکم کی تفسیر بیان کی ہے۔
یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولهٗ لمعالم دینہ (دین کے طریقے سکھلائے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل ھد اکم کا صلہ ذکر کیا ہے۔ دوئم ما الیہ الھدایۃ کا ذکر ہے۔

قولهٗ اللہ ۔ بیان ترکیب ہے یعنی انّ مفعول تشکرون محذوف ہے۔

قولهٗ علیٰ ذالک ۔ محل شکر بیان کیا ہے۔ بالفاظ دیگر شکر کے مقابلہ میں جو نعمت بھی اس کا بیان ہے کیونکہ شکر ہمیشہ نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

قولهٗ وسأل جماعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ
آیتِ آئندہ کا شانِ نزول بیان فرمارہے ہیں۔

قولهٗ منھم۔ قریبٌ کا صلہ نکالا ہے۔

قولهٗ بعلمی : یہ کلمہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : قرب ہمیشہ دو جسموں میں ہوتا ہے اور یہ اتصال مکانی وزمانی کو تقاضا کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ مکان وزمان سے پاک ہیں تو اس کے دو جواب ہیں۔

جواب اوّل عند المتقدمین جن کو مفوضہ بھی کہتے ہیں ان کے نزدیک معیّت والی آیات از قبیلِ متشابہات ہیں "نؤمن بہٖ ولا نسئل عن کیفیتہٖ۔

جواب دوم عند المتأخرین جو مؤوّلہ ہیں ان کے نزدیک قرب سے مراد علم کا قرب ہے کہ ہیں علم کے اعتبار سے قریب ہوں۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ میرے نزدیک بھی علم کا قرب مراد ہے جب کہ صوفیاء قربِ ذاتی بلاکیف کے قائل ہیں۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر کی عبارت ملاحظہ فرمادیں۔

" فالتحقیق فی مقام التوفیق انّ مختار الامام ان قرب الحق من الخلق وقرب الخلق من الحق صفۃ بلا کیف

وَثَبَتَ بلا کیف ۔

قولہٗ فاخبرھم بذالک (آپ ان کو اطلاع فرمادیجیے) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ اِنِّیْ قَرِیْبٌ سے پہلے خبر مقدر ہے کیونکہ تقدیرِ خبر کے بغیر سوال و جواب میں مطابقت نہیں ہوتی اصل عبارت یوں ہے:
"وَاِذَا سَأَلَكَ عَنِّيْ فَاَخْبِرْهُمْ بِاَنِّيْ قَرِيْبٌ"۔

قولہٗ بانالتہ ماسال (ان کی درخواست منظور کر لیتا ہوں) اس کی بالتصویر یہ ہے علامہ سیوطیؒ نے قبولیتِ دُعا کی صورت بیان کی ہے۔

سوال فرمانِ الٰہی ہے "اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" حالانکہ کتنی دعائیں ایسی ہیں جو قبول نہیں ہوتیں علماء حضرات نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں:

جوابِ اوّل یہ وعدہ مناسب دعاؤں کے متعلق ہے۔ نامناسب دعاؤں کے بارہ میں وعدہ نہیں ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز فی الواقع نامناسب ہو اس کا علم بھی دعاء کرنے والے کو ہو جائے۔

جوابِ دوم دعاء دراصل اللہ کا فضل ہے اور فضل مشیتِ الٰہی پر موقوف ہوتا ہے۔ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ۔

جوابِ سوم اجابتِ داعی سے مراد ممکن ہے جوابِ دعاء ہو یعنی بندہ جب خدا کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً جواب دیتے ہیں اس کی پکار بیکار نہیں جاتی۔ یہ توجیہ عاشقانہ ہے چنانچہ یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا جمال مبارک خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ اے اللہ میں نے کتنی دفعہ دعاء کی مگر آپ نے منظور نہیں فرمائی۔ جواب ملا کہ ہمیں تمہارا پکارنا اور پکارنے کی آواز ہی پسند ہے۔

قولہٗ دُعائی بطاعتہٖ (میرے احکام کی بجا آوری کے ساتھ) اس کی مختلف غرضیں ہیں:

① فَلْيَسْتَجِيْبُوْا کا مفعول مقدر کیا ہے یعنی بیانِ ترکیب ہے۔
② دُعَائِیْ کا کلمہ نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیلئے اور وجہ نقد ہے۔ لان الاستجابۃ لایکون للذات بل للدعاء کماھو الظاہر اور بالطاعۃ سے مُراد استجابت ہے اور استجابت بفعل الطاعۃ مراد ہے لا بالقول۔

بقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : علامہ سیوطی نے دُعَا بِالطَّاعَۃِ کا کلمہ نکال کر فلیستجیبوا کا ترجمہ کیا ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: اطلبوا منی استجابۃ دعوا تھم کیونکہ سین طلب کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔

سوال شریعت مقدس کا قانون یہ ہے کہ اصول مقدم ہوتے ہیں فروع پر جب کہ یہاں فروع (اطاعت) کو پہلے اور اصول (ایمان) کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

جواب ۔ ایمان کو بعد میں اور اطاعت کو پہلے لانے میں اشارہ ہے کہ طاعۃ ہی مفضی الی نور الایمان کردیتی ہے۔

قولہٗ یدیموا علی الایمان : (مجھ پر ہمیشہ ایمان رکھیں) یہ جملہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ لفظ عِبَادِیْ کی اضافت تشریفی ہے اور سوال کرنے والے صحابۂ کرام ہیں جو مؤمن تھے فلیؤمنوا سے پھر ایمان کا مطالبہ کیوں کیا جارہا ہے یعنی استجابت اور ایمان ایک دوسرے سے بے نیاز کرتے ہیں۔ اس لیے دونوں کے اجتماع کی ضرورت نہیں تھی۔

جوابِ اوّل تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ نفس بنا مراد نہیں ہے بلکہ بقا اور دوامِ ایمان مقصود ہے۔ یعنی فلیؤمنوا کا امر ابقائی ہے۔

جواب دوم : عند البعض تخصیص بعد التعمیم ہے ایمان کے شرف و فضل ظاہر کرنے کے لیے دوبارہ فلیؤمنوا کا امر فرمایا۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : میرے نزدیک سب سے بہترین توجیہ حضرت شاہ عبد القادرؒ نے موضح قرآن میں فرمائی ہے وہ اس مقام پر معنی فرماتے ہیں کہ میرے اوپر یقین کریں یعنی یؤمنوا بمعنی یوقنوا کے ہے اس کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " انا عند ظن عبدی بی۔

قولہٗ یھتدون (ہدایت حاصل کریں) یرشدون کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر ہے۔

بیانِ فوائد

روزوں کے لیئے ماہِ رمضان کی تخصیص

روزہ کے لیے ماہ رمضان کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ نہ صرف اس میں نزول قرآن ہوا ہے بلکہ تمام آسمانی کتابیں اس ماہِ مبارک میں انسانی ہدایت کا سرچشمہ لے کر آئی ہیں امام احمد اور طبرانی کی روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابراہیمی صحیفے رمضان کی پہلی شب میں اور توراۃ رمضان کی چھٹی شب میں اور انجیل تیرھویں شب میں اور قرآن کریم رمضانُ المبارک کی چوبیسویں شب میں نازل فرمائے گئے۔ لیکن جمہور کے نزدیک شب قدر سے مراد ستائیسویں شب رمضان ہے جس میں قرآنِ پاک نازل ہوا۔

علمی لطیفہ بعض اہلِ علم نے یہ لطیفہ لکھا ہے کہ سورۃ القدر میں لفظ لیلۃ القدر تین مرتبہ آیا ہے اور اُس لفظ میں نو حروف ہیں لہذا تین الفاظ کے مجموعی حروف ستائیس ہوتے ہیں یعنی ستائیسویں شب لیلۃ القدر یا لیلۃ مبارکہ ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ بمعنى الافضاء إِلَىٰ
نِسَآئِكُمْ بالجماع نزل نسخًا لما كان في صدر الاسلا
من تحريمه وتحريم الاكل والشّرب بعد العشاء هُنَّ
لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ كناية عن تعانقهم
او احتياج كل منهما الى صاحبه عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ
تَخْتَانُونَ تخونون أَنفُسَكُمْ بالجماع لَيْلَةَ الصِّيَامِ
وقع ذالك لعمر وغيره واعتذروا الى النبي صلى الله عليه
فَتَابَ عَلَيْكُمْ قبل توبتكم وَعَفَا عَنكُمْ فَالْئَٰنَ
اذا احلّ لكم بَاشِرُوهُنَّ جامعوهن وَابْتَغُوا اطل
مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ اى اباحه من الجماع او قد
من الولد وَكُلُوا وَاشْرَبُوا الليل كلّه حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ
يظهر لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ
الْفَجْرِ اى الصّادق بيان للخيط الابيض وبيان الاسو
محذوف اى من اللّيل شبه ما يبدو من البيا
وما يمتد معه من الغبش بخيطين ابيض واسود
في الامتداد ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ من الفجر إِلَى الَّيْلِ

الیٰ دخوله بغروب الشمس وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ ای
نساءكم وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ مقيمون بنية الاعتكاف
فِي الْمَسَاجِدِ متعلق بعاكفون نهى لمن كان يخرج و
هو معتكف فيجامع امرأته ويعود تِلْكَ الاحكام المذكورة
حُدُوْدُ اللّٰهِ حدها لعباده ليقفوا عندها فَلَا تَقْرَبُوْهَا
ابلغ من لا تعتدوها المعبر به في اية اخرى كَذٰلِكَ
كما بين لكم ما ذكر يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ۝ محارمه وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ اى
لا يأكل بعضكم مال بعض بِالْبَاطِلِ الحرام شرعا كالسرقة
والغصب وَلَا تُدْلُوْا تلقوا بِهَآ اى بحكومتها او بالاموال
رشوة اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا بالتحاكم فَرِيْقًا طائفة مِّنْ اَمْوَالِ
النَّاسِ متلبسين بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ انكم مبطلون ع ٧

ترجمہ حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے رات میں روزہ کی حالت میں
مشغول رہنا (رفث بمعنی افضی یعنی اکیلا ہونا کنایہ ہے جماع سے)
تمہاری بیویوں سے (جماع کے ساتھ ابتدائے اسلام میں صحبت کھانے پینے
سے عشاء کے بعد جو ممانعت ہوئی تھی اس کو منسوخ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے)
کیونکہ وہ تمہارے لیے بمنزلے اوڑھنے بچھانے کے ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلے
اوڑھنے بچھانے کے ہو (یہ کنایہ ہے دونوں کے معانقے یا ایک دوسرے کی طرف

ضرورت مند ہونے سے) اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت کے گناہ میں اپنے
کو مبتلا کر رہے تھے (روزوں کی رات میں جماع کر کے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ اس
میں مبتلا ہو چکے تھے اور آنحضرتؐ سے متعذر ہوئے) خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت
فرمائی (تمہاری توبہ قبول فرمائی) اور تم سے گناہ معاف کر دیا سو اب (جبکہ تمہارے
لیے حلال کر دیا گیا ہے) ان سے ملو ملاؤ (صحبت کرو) اور تلاش (طلب) کرو جو خدا
نے جو تمہارے لیے تجویز کر دیا ہے (یعنی صحبت جائز کی، یا اس سے اولاد مقدر کی
اور کھاؤ پیئو (پوری رات) حتیٰ کہ تمہارے لیے واضح (ظاہر) ہو جائے صبح کا
سفید خط سیاہ خط سے (صبح سے مراد صبح صادق ہے۔ مِنَ الْفَجْرِ بیان ہے
خیطُ الابیض کا۔ اور خیط الاسود کا بیان محذوف ہے یعنی مِنَ اللَّیْلِ
نور و ظلمت جو نمایاں ہوتے ہیں ان کو سفید و سیاہ دو دھاگوں سے درازی میں
تشبیہ دی گئی ہے) پھر پورا کر لیا کرو روزہ (صبح سے) رات تک (یعنی غروب
آفتاب کے بعد رات آنے تک) اور مباشرت نہ کیا کرو (اپنی بیویوں سے) جس
زمانے میں تم اعتکاف کرنے والے ہو (بنیتِ اعتکاف بیٹھ گئے ہو) مساجد
میں (فی المساجد، عاکفون کے متعلق ہے۔ جو شخص بحالتِ اعتکاف
بیوی سے صحبت کرنے کے لیے نکلے اور پھر واپس مسجد میں آئے اس کے لیے ممانعت
ہے) یہ (مذکورہ احکام) خدائی ضابطے ہیں (جو اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائے
ہیں تاکہ وہ اس کی حدود میں رہیں) سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی نہ جاؤ (لفظ
لا تقربوا بنسبت لا تعتدوا کے جو دوسری آیت میں آیا ہے زیادہ مبالغہ ہے)
اس طرح (جیسا کہ تمہارے لیے مذکورہ حکم بیان کیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ اپنے احکام
لوگوں کے لیے بیان فرمایا کرتے ہیں اس توقع پر کہ وہ پرہیز رکھیں گے (محارم خداوندی
سے) اور آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھایا کرو (یعنی ایک دوسرے کا مال نہ کھا
کرو) ناحق (جو شرعاً حرام ہو جیسے چوری غصب) اور رجوع نہ کیا کرو (ڈالا نہ کرو
اس کے ذریعہ (یعنی مال طاقت سے یا رشوتِ مالی کے ذریعہ) حکام کے یہاں ان

غرض سے کہ کھا جاؤ (زبردستی) لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ گناہ سے (آلودہ کرکے) درآنحالیکہ تم جانتے بھی ہو (کہ تم ناحق پر ہو)

شانِ نزول

مختصراً عرض ہے کہ جماع اور کھانے پینے کے سلسلہ میں دو روایتیں جن کی طرف علامہ سیوطیؒ نے اشارہ کیا ہے گذر چکی ہیں البتہ مباشرت فی الاعتکاف کے بارہ میں لباب النقول کی روایت حضرت قتادہؓ سے یہ ہے کہ بعض لوگ بحالتِ اعتکاف مسجد سے باہر نکلتے اور مباشرت سے فارغ ہوکر واپس آجاتے اس پر ممانعت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

بیانِ ربط

ان تین آیات میں مزید تین احکام ابواب البر کے اوپر بیان کیے جا رہے ہیں سابقہ طریق یعنی ابواب البر کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے (جو لَیْسَ الْبِرَّ سے شروع ہے) آیت اُحِلَّ لَکُمْ الخ سے چوتھا حکم حلتِ مفطرات بیان کر رہے ہیں رمضان کی راتوں میں۔ اور آیت وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ میں پانچواں حکم دربارہ اعتکاف ہے اور اس کے بعد تعمیل حکم کی تاکید ہے پھر آیت ولا تاکلوا میں حرام مال سے اجتناب اور پرہیز کی تعلیم ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہٗ بمعنی الافضاء (یعنی اکیلا ہونا) اس کی دو غرضیں ہیں۔
اوّل: فضاء بمعنیٰ اکیلا ہونا، مرد اپنی بیوی سے وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے لیے عموماً اکیلی جگہ منتخب کرتا ہے تو یہ جماع سے کنایہ ہوگا، یا افضاء بمعنیٰ بغیر کسی چیز کی

ہیولیٰ کے اتصال کا ہونا یعنی بدن سے بدن کا ملنا تب بھی جماع سے کنایہ ہوگا۔ ان دونوں
مادوں کے اعتبار سے الافضاء رفث کے لیے تفسیر باللازم ہوگی۔

دوم: دفعیہ سوال مقدر ہے:

سوال ۔ یہ کہ اصل میں الیٰ نسائکم کے بجائے بنسائکم ہونا چاہیے
تھا کیونکہ رفث متعدی بالباء ہوتا ہے نہ کہ الیٰ کے ساتھ کما یقال رفث بکذا۔

جواب ۔ حاصل الجواب ان الرفث متضمن معنی الافضاء
وھو یتعدی بالیٰ فلا اشکال علیہ۔

سوال ۔ ذات باری تعالیٰ نے جماع کے مسئلہ کو کنایۃً کیوں بیان فرمایا ہے صراحۃً
اس کو بیان کر دیتے۔

جواب ۔ کنایۃً بیان فرما کر اس کی قباحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ ذات باری تعالیٰ نے اس کو خیانت سے تعبیر فرمایا ۔ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ
تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ الخ۔

قولہٗ بالجماع ۔ اس کی بار تصویر یہ ہے رفث الی النساء کی صورت
بیان کی ہے۔

قولہٗ نزل نسخًا : آیت ماضیہ کا شانِ نزول بیان فرما رہے ہیں
جس کی تشریح مطول کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں مختصراً عرض ہے کہ ابتداء
اسلام میں مغرب کے بعد سونے سے پہلے کھانے پینے، مباشرت کی اجازت تھی
لیکن عشاء اور سو جانے کے بعد دوسرا روزہ شروع ہو جاتا تھا اور ان چیزوں کی
بندش ہو جاتی تھی تو اُحِلَّ لَکُمْ والی آیت کے نزول سے یہ حکم منسوخ ہوگیا
جسے علامہ سیوطیؒ نسخًا سے بیان فرما رہے ہیں۔

قولہٗ بعد العشاء ۔ اس سے مراد نوم ہے جیسا کہ بخاری شریف
کی روایت سے معلوم ہوتا ہے لیکن بعد العشاء کے لفظ سے اس لیے تعبیر کر
دیا کہ اس وقت نوم کا غلبہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ ابوداؤد شریف ص ۳۲۴ ج ۱ کتاب الصیام

باب مبدأ فرض الصیام میں ابن عباسؓ کی روایت ہے:
کانوا علیٰ عهده صلی الله علیه وسلم اذا صلوا العشاء
حرم علیهم الطعام والشراب والنساء۔

قولهٗ کنایة عن تعانقهما۔ (کنایہ ہے بغل گیر ہونے سے)
رب ذوالجلال نے میاں بیوی کے تعلقات (یعنی زن شوئی) کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس میں کیا حکمت ہے واللہ اعلم! لیکن علامہ سیوطیؒ نے دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ لیکن بظاہر تین حکمتیں نظر آتی ہیں۔

حکمتِ اوّل مُعانقہ اعتناق بمعنیٰ گلے سے گلا ملانا۔ تو جس طرح لباس یسلك فی العنق اسی طرح عورت مرد کے گلے میں اور مرد عورت کے گلے میں ہوتا ہے اسی کو کہا "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"۔ اور علامہ سیوطیؒ نے بھی اس کو کنایۃ عن تعانقهما سے تعبیر فرمایا ہے۔

حکمتِ دوم لباس سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح لباس پہننے سے انسان کا ستر پوشیدہ ہو جاتا ہے عیب ستر چھپ جاتا ہے یہی حال میاں بیوی کا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور بدکاری سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

حکمتِ سوم کہ جس طرح انسان لباس کا محتاج ہے یہی حال میاں بیوی کا ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کے بغیر صبر نہیں آتا اور ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ کما فی قوله تعالیٰ فی سورة الروم "وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً"۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے "لا خیر فی النساء ولا صبر عنهن"۔ عورتوں میں اگرچہ خیر نہیں ہوتی مگر ان کے بغیر صبر بھی نہیں ہوتا۔ کما فی انوار ص۳۹۸ ج۱۔ اسی کو علامہ سیوطیؒ نے "احتیاج کل منهما صاحبه" سے بیان فرمایا ہے۔

قولهٗ تختانون: یہ تفسیر المزید بالمجرد ہے۔ یا اشارۃ الیٰ ان

الافتعال بمعنى المجرّد۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : قرآنِ مقدس کے اس جملہ سے شیعہ حضرات دلیل پکڑتے ہیں کہ صحابہ کرام خائن تھے کیونکہ قرآن مقدس ان کی خیانت نقل فرما رہے ہیں اس کی مکمل تشریح تو فتح البیان فی حلّ مشکلات القرآن (مؤلف ابو الاسعاد) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر مختصراً عرض ہے کہ جس کی خیانت کی ہے اس ذات نے کہا ہے "عَفَا عَنکُمْ" فلذا اعتراض علیہ الذّی کی مُستغنٍ عن التصریح والتلویح۔

قولہٗ بالجماع لیلۃ الصّیام۔ (روزوں کی رات میں جماع کرنا) اس کی دو غرضیں ہیں:

اوّل : بالجماع، تختونون کے متعلق ہے۔ اس کی با تصویر یہ ہے خیانت کی صورت بیان کی ہے کہ بوجہ غلبہ شہوت کے روزوں کی راتوں میں جماع کر بیٹھو گے۔ دوم : بیانِ ربط ہے۔

قولہٗ وقع ذالک لعمرؓ وغیرہٖؓ۔ حضرت عمرؓ ایک روز عشاء کے بعد گھر تشریف لے گئے تو بیوی کو آراستہ پایا تو مباشرت کر بیٹھے۔ صبح حاضرِ خدمت ہو کر نادمانہ عرض کی یا رسول اللہ! "انی اعتذر الی اللہ الیک ممّا وقع منّی" حضرت عمرؓ کی تائید میں دوسرے لوگوں کے عذر بھی آئے تب یہ آیت نازل ہوئی یعنی بیانِ قرینہ ہے۔

قولہٗ قبل توبتکم۔ قد قدمنا مفصّلاً فی آیۃ "الّا الّذین تابوا واصلحوا وبیّنوا فاولٰئک اتوب علیھم وانا التوّاب الرّحیم"

قولہٗ اذا احلّ لکم : جب کہ تمہارے لیے حلال کر دیا ہے) یہ جملہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال : احلّ ماضی کا کلمہ ہے اور الآن کا کلمہ حال پر دلالت کرتا ہے

توحال پر ماضی کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ جب ماضی قریب الوقوع ہو یا مستقبل قریب الوقوع ہو تو کلمہ الآن کا استعمال جائز ہے۔ اس لیے سیوطیؒ نے اذا احل لکم نکال کر ماضی قریب الوقوع ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قولہٗ جامعوھنّ (جماع کروان سے) علامہ سیوطیؒ نے مباشرت کا کنائی معنیٰ بیان فرمایا ہے کیونکہ مطلقاً مُباشرت (الصاق البشرۃ بالبشرۃ چمڑے کا ملنا چمڑے سے بغیر شہوت کے) تو منع نہیں ہے بلکہ مباشرت بالشہوت منع ہے جو جماع سے ہی واقع ہوتی ہے۔

قولہٗ اُطلبوا۔ علامہ سیوطیؒ نے وابتغوا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ ای اباحۃ من الجماع (یعنی صحبت جائز کی) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ماکتب اللہ سے مراد کتابت شرعی ہے یعنی جائز مباشرت جو مباح ہے اس سے بھی جماع مراد ہے۔ ثانیاً علامہ سیوطیؒ اس جملے سے لواطت کی نفی ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ "ابتغوا المحل الذی کتب اللہ لکم ای حلّلہ اللہ بقولہٖ" فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ" وھو القُبُلُ دون المحل الآخر وھو الدُّبُرُ فیکون نھیًا عن اللّواطۃ۔

قولہٗ او قدرہ من الولد (یا اس سے اولاد مقدر کی) اَوْ تنویعیہ ہے ماکتب کا دوسرا معنیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ ماکتب اللہ سے اولاد مقدر بھی ہو سکتی ہے یعنی مباشرت کا مقصد شہوت رانی نہ ہو بلکہ افزائش نسل ہونا چاہیے۔ ففی الحدیث تناکحوا تناسلوا فانی مباحٌ بکم الامم یوم القیامۃ۔

قولہٗ اللیل کلہ ۔ (مکمل رات) حتّٰی غایت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور غایت مغیا کو تقاضا کرتی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اللیل کلہ کا کلمہ نکال کر مغیا کو بیان فرمایا ہے یعنی بیانِ مغیا ہے۔

یقول ابو الاسعاد: حتّٰی تبیّن ۔ حتّٰی جب فعل پر داخل ہوتا ہے جو اس کی اصل ہے تو بمعنیٰ اِلٰی ہوجاتا ہے جس کے معنیٰ غایت کے ہیں اور اِلَی اللیل میں بھی اِلٰی غایت کے لیے ہے اس لیے علامہ سیوطیؒ نے اللیل سے مغیا کا بیان فرمایا ہے۔

فائدہ حرمہ بن قیس یا صرمہ بن انس غنوی ایک غریب کاشتکار صحابی تھے دن بھر روزہ سے رہے شام کو اپنے مکان پر آنے تو کھانا تیار نہ تھا تھکے ماندے سو گئے جب آنکھ کھلی تو کھانا تیار تھا لیکن ممانعت کی وجہ سے نہ کھا سکے اور اگلے روز بھی روزہ پر روزہ رکھ لیا لیکن آدھا دن نہیں گذرا تھا کہ بے ہوش ہوگئے ۔ ہوش میں آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

قولہٗ یُظھر ؛ یُبیّن کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے

قولہٗ الصادق ؛ فجر دو قسم ہے ۱ فجر کاذب : آسمان کے مشرقی کنارے پر سفیدی نمودار ہوتی ہے جو کہ طولاً لمبی ہوتی ہے ۲ فجر صادق : وہ سفیدی جو آسمان کے مشرقی کنارے پر نمودار ہوتی ہے جو کہ عرضاً چوڑی ہوتی ہے اور یہ صبح کاذب کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے الصادق کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الفجر کی الف لام عہد کی ہے اس سے مراد فجر صادق ہے نہ کہ مطلق فجر۔

قولہٗ بیان للخیط الابیض ؛ (من الفجر۔ خیط ابیض کا بیان ہے) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مِنَ الفجر کا مِن بیانیہ ہے اور یہ خیط الابیض کا بیان ہے۔ عند البعض من الفجر میں مِن تبعیضیہ ہے کیونکہ وہ وقت بعضِ فجر ہوتا ہے۔

یقول ابوالاسعاد : من الفجر نازل ہونے سے عدی بن حاتم اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ ڈور باندھ کر اس کو دیکھتے رہتے جب نمایاں معلوم ہونے لگتے تو روزہ شروع کر دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ "انك لعریض القفاء وانما ذالك بیاض النھار و سواد اللیل (یعنی تمہاری گردن اتنی چوڑی ہے کہ اس میں دن اور رات دونوں سما جائیں اس سے مراد تو دن کی سفیدی اور رات کا اندھیرا ہے) اس کے بعد لفظ من الفجر بیان نازل ہوا۔

قولہٗ وبیان الاسود محذوفٌ ای من اللیل (اور خیطُ الاسود کا بیان من اللیل محذوف ہے) علامہ سیوطیؒ کا مقصد اس جملہ کے نقل کرنے کا یہ ہے کہ منَ الفجر، خیطُ الابیض کا بیان ہے اسی طرح من اللیلِ خیط الاسود کا بیان ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہے، ربیان الخیط الابیض بالفجر وبیان الخیط الاسود من اللیل ای من غبش اللیل " حاصل یہ ہے کہ یہ بیان محذوف ہے۔

قولہٗ شَبَّہ ما یبدوا من البیاض وما یمتدّ معہٗ من الغبش بخیطین ابیض واسود فی الامتداد (تشبیہ دی گئی ہے اس چیز سے جو ظاہر ہوتی ہے سفیدی سے اور جو نمایاں ہوئے اس کے ساتھ اندھیرے سے دو دھاگوں کے ساتھ جو درازی میں سفید اور سیاہ ہیں) غَبَش بفتح الغین والباء بمعنیٰ بقیۃ اللیل او ظلمۃ اللیل (بقیہ رات یا آخر شب کی تاریکی۔ یہاں سے علامہ سیوطیؒ تشبیہ بیان فرما رہے ہیں اور فی الامتداد سے وجہ تشبیہ ہے یعنی دراز ہونے میں تشبیہ ہے جس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے :

خُلاصۃُ التشبیہ | یہ استعارہ نہیں ہے بلکہ تشبیہ و تمثیل ہے۔ کیونکہ دونوں طرفین تشبیہ مذکور ہے۔ صبح صادق جو

افق میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ظلمۃ اللیل کا اتصال ایک خط وہمی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان دونوں خطوط وہمی کو خطوطِ محسوس سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سوال ۔ خط تو دو ہیں فجر اور لیل لیکن صرف ایک یعنی من الفجر پر کیوں اکتفا کیا گیا۔؟

جواب یہ ہے کہ خطِ صبح خطِ لیل پر دلالت کرتا ہے اس لیے بیان کرنے میں اوّل (یعنی من الفجر) پر اکتفا کر لیا۔ اس تقریر کے بعد مزید دو اور سوالوں کا دفعیہ بھی ہو جائے گا۔

سوال اوّل ۔ یہ کہ صبح صادق تو منتشر اور مستطیر ہوتی ہے خط کے ساتھ اس کو کیسے تشبیہ دی گئی ہے ؟

جواب : یہ ہے کہ شروع اور ابتدائی صبح مراد ہے اور وہ خط کی طرح ہوتی ہے بعد میں پھیلتی جاتی ہے۔

سوال دوم : یہ ہے کہ رات کی تاریکیاں تو بہت ہوتی ہیں پھر کیسے ایک خط سے تشبیہ دی گئی ؟

جواب : کہ سپیدہ صبح سے متصل جو ظلمت ہے بشکلِ خطِ وہمی وہ مراد ہے یعنی واقع میں تو وہ ایک ہی خط ہے جو نور و ظلمت دونوں کا منتہا اور دونوں کے درمیان مشترک ہے جیسا کہ اہلِ ریاضی جانتے ہیں۔ لیکن محسوس دو نور ہوتے ہیں ایک خط نور، دوسرا خط تاریکی ۔!

قولہٗ من الفجر : اِلَی اللَّیۡلِ انتہاء اتمام صیام ہے۔ اور ہر انتہاء کا مبدأ ہوتا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے مِنَ الفجر سے انتہاء کا مبدأ بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اتمامِ صیام کی ابتدا فجر سے ہوگی، اور انتہا اتمامِ صیام ہوگی لیل تک۔

قولہٗ ای الی دخولہ (یعنی طرف داخل ہونے کے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل : یہ ہے کہ" انّ المضاف الی اللیل محذوفٌ والّلام بدل منہ ۔!

دوم : اشارہ فرمایا کہ اِلیٰ کی غایت مغیہ میں داخل نہیں یعنی اتمام صیام لیل میں داخل نہیں بلکہ لیل تک ہے۔

قولہٗ بغروب الشمس (یعنی غروب آفتاب کے بعد) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر لیل شرعی کی تعیین فرمادی کہ شرعی طور پر لیل کی ابتدا غروبِ شمس سے شروع ہوجاتی ہے۔

قولہٗ ای نِسَاءکم : (اپنی بیویوں سے) ھٰذا بیانٌ للمرجع

قولہٗ مقیمون بنیّة الاعتکاف - دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ عاکف عکف سے مشتق ہے بمعنیٰ مطلق ٹھیرنا حالانکہ مطلق ٹھیرنے والے کے لیے نہی مباشرت تو نہیں ہے بلکہ اس کے لیے تو مباشرت مُباح ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ عاکف کا شرعی معنیٰ مراد ہے نہ کہ مطلق معنیٰ یعنی ٹھیرنا تو شرعی اصطلاح میں خاص خاص شرائط کے تحت مسجد میں ٹھیرنے کو اعتکاف کہتے ہیں تو ان شرائط میں سے ایک شرط بہ نیتِ اعتکاف ٹھیرنا بھی ہے۔

قولہٗ مُتعلق بعاکفون نھی لمن کان یخرج وھومعتکفٌ فیجامع امرأتہٖ ویعود (فی المساجد متعلق ہے عاکفون کے جو شخص بحالتِ اعتکاف بیوی سے صحبت کرنے کے لیے نکلے اور پھر واپس مسجد میں آئے اس کے لیے ممانعت ہے) علامہ سیوطیؒ کا مقصد اس جملے سے یہ ہے کہ فِی الْمَسَاجِدِ کا متعلق عاکفون ہے۔ ساتھ ساتھ ان لوگوں کی تردید بھی فرمادی جو کہتے ہیں کہ فِی الْمَسَاجِدِ کا متعلق وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ ہے کیونکہ اگر اس کا متعلق وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ کو بنائیں تو معنیٰ ہوگا کہ مسجد میں جماع نہ کرو۔ حالانکہ مسجد میں تو جماع کرنا ہر وقت حرام اور ناجائز ہے اس لیے اس کا متعلق عاکفونَ ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اعتکاف کی حالت میں اپنی بیویوں سے مباشرت (جماع) نہ کرو

تو گویا یہ نہی صرف اور صرف معتکف کے ساتھ ہے

قولہٗ الاحکام المذکورۃ ، ھٰذا بیان لمشار الیہ وھی من قولہٖ فالآن باشروھن الی قولہٖ فی المساجد۔

قولہٗ حدّھا لعبادہٖ (جو اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حدود کی اضافت اللہ کی طرف اضافت الیٰ الفاعل ہے یعنی جعل الاحکام ذات الحدود۔

قولہٗ لیقفوا عندھا۔ (تاکہ رکے رہیں گناہوں سے ان کے قریب ہوئے) علامہ سیوطیؒ یہاں سے وجہ تسمیہ بیان فرمارہے ہیں کہ احکامات کو حدود کیوں کہتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ حدودات کے ہوتے ہوئے انسان برائی سے رکا رہتا ہے اور احکامات پر سختی سے کاربند رہتا ہے۔ مثلاً چور کو اگر علم ہے کہ چوری کرنے پر میرا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ شریعت مقدس نے چوری پر ہاتھ کاٹنے کی حد معین کر دی ہے تو لازماً وہ چوری کرنے سے باز رہے گا۔ بہر حال حدود اللہ سے مراد محارم دین اور احکام الٰہی ہیں۔ جو شخص سرحد کے قریب نہیں جائے گا وہ سرحد کے اندر بدرجہ اولیٰ داخل نہیں ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے الا لکل ملک حمی وان حمی اللہ محارمہٗ فمن وقع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ۔

قولہٗ ابلغ من لا تعتدوھا المعبر بہٖ فی اٰیۃ اخری (لفظ لا تقربوا بہ نسبت لا تعتدوا کے جو دوسری آیت میں آیا ہے زیادہ بالغ ہے) یہ جملہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال۔ مقام ہٰذا پر فرمایا " لَا تَقْرَبُوْھَا ، رکوع ۱۲ میں فرمایا فَلَا تَعْتَدُوْھَا اس مقام پر فرما دیتے فلا تعتدوھا تو لا تقربوا کیوں فرمایا ؟

جواب۔ فَلَا تَقْرَبُوْھَا میں نہی عن الباطل سے کنایہ ہے۔ اور لا تعتدوھا نہی کے معنیٰ میں صریح ہے اور والکنایۃ ابلغ من الصریح۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ، یہاں سے علامہ سیوطیؒ فَلَا تَقْرَبُوْهَا اور فَلَا تَعْتَدُوْهَا کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ فَلَا تَقْرَبُوْهَا میں کنایہ ہے اور فَلَا تَعْتَدُوْهَا میں صراحت ہے۔ کلام کے اندر کنایہ زیادہ مبالغہ رکھتا ہے بہ نسبت صراحت کے۔ اس وجہ سے فرمایا " وھو ابلغ من لا تعتدوھا۔

قولہٗ کما بین لکم ما ذکر (جیسا کہ تمہارے لیے مذکورہ حکم بیان کیا) ھٰذا ابیانٌ للمشار الیہ۔

قولہٗ محارمہٗ (محارمِ خداوندی سے) یعنی انَّ مفعول یَتَّقُوْنَ محذوفٌ۔

قولہٗ ای لا یاکل بعضکم مال بعض (یعنی ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ نہیں ہے " کما فی رکبوا دوابھم بلکہ معنیٰ یہ ہیں کہ لَا یَاکُل بعضکم اموال بعض یعنی اپنا مال کھانے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کی ممانعت کی جارہی ہے۔

قولہٗ الحَرَامُ شَرْعًا : لفظ باطل معانی مختلفہ میں مستعمل ہے مثلاً باطل بمعنیٰ فانی کما قطعۃ الشعر

ع لبید کلّ شیئٍ ماخلا اللہ باطلٌ

(ای الثانی) باطل بمعنیٰ لغو۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ " رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا " علامہ سیوطیؒ نے اَلْحَرَامُ شَرْعًا کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں باطل بمعنیٰ فانی ولغو نہیں بلکہ بمعنیٰ حرام ہے اور حرام بھی شرعی جو حلال کے مقابل ہے یعنی تعیین احد المعانی ذکر کی ہے۔

قولہٗ کالسرقۃ والغصب (جیسے چوری غصب) حرام شرعی کے

جزئیات کا بیان ہے۔

قولہٗ تدلوا (ڈالا نہ کرو) دَلْو کے معنیٰ ڈول کے ہیں۔ اَدْلٰی کہتے ہیں رسی کو کنوئیں میں ڈالنا، پھر مطلقاً القاء اور توسل کے لیے یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔ مطلب یہ ہے کہ مال کو حکّام تک رسائی کا وسیلہ مت بناؤ۔ علامہ سیوطیؒ نے تُلْقُوا کا کلمہ نکال کر تُدْلُوا کی تفسیر باللازم بیان کی ہے کیونکہ اِدْلَا کے لیے اِلْقَاء لازم ہے یعنی ڈالنے کے لیے القاء کا ہونا ضروری ہے۔

قولہٗ ای بحکومتھا (حذفِ مضاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے" لانّ الادلاء بمعنی الارسال " والظاھر انّ المدعی لا یرسل بالاموال الی الحاکم (اس لیے حکومت مراد ہے نہ کہ حاکم۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حق کو دبانے اور باطل کو ابھارنے کے لیے حکام کو رشوتیں دے دے کر ان کی حکومت کی تائید حاصل نہ کرو۔

قولہٗ او بالاموال رشوۃً (مال رشوت میں دے کر) اَوْ تنویعیہ علامہ سیوطیؒ نے اس کلمہ سے اموال کی تعیین فرمائی ہے کہ مالِ مطلق مراد نہیں بلکہ رشوت والا مال مراد ہے کیونکہ لانّ المال المدعی بہ یأخذ المدعی لا الحاکم

قولہٗ بالتحاکم (زبردستی) ای بالترفع الی الحکام۔ بالتحاکم کی دو غرضیں ہیں: اوّل اس کی باء تصویریہ ہے۔ اکل کی صورت بیان کی ہے کہ مطلقاً اکل منع نہیں بلکہ اکل بالتحاکم (زبردستی) منع ہے۔ دوم فیہ اشارۃ الی انّہ متعلق بقولہٖ وتدلوا (ای بالتحاکم) لا بقولہٖ تأکلوا۔

قولہٗ طائفۃ یہ فریقًا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تغیر اللفظ بلفظ آخر، لانّ الفریق مشھورٌ فی جمع من النّاس۔

قولہٗ مُتلبّسین (آلودہ کرکے) اس کی دو غرضیں ہیں:

اوّل مُتلبّسین سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ مِنْ اموال النّاس، تأکلوا

کا فاعل ہے۔ دوم فیہ اشارۃ الی ان الباء (ای بالاثم) للالصاق متعلق محذوف ای بالاکل ولیس الباء للسببیۃ کما قیل لان الاثم لیس سببًا لاکل کما لا یخفی۔

قولہ۔ انکم مبطلون۔ (کہ تم حق پر نہیں ہو) یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تعلمون کا مفعول مقدر ہے۔

سوال اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کلام مقدس میں صرف اتنا فرما دیتے کہ تعلمون تم جانتے ہو انتم تعلمون کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب انما قید بقولہٖ وانتم تعلمون لکمال تقبیح حالھم فان ارتکاب المعصیۃ مع العلم بھا اقبح "کما فی قولہٖ تعالیٰ اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب۔

بیانِ فوائد

روزہ کی نورانیت اور حرام کمائی سے پیٹ کو خالی رکھنا

ولا تاکلوا میں یہ حقیقت واضح کرنی ہے کہ بدنی عبادت اور ریاضت اس وقت تک زیادہ سود مند نہیں ہو سکتی جب تک مالِ حرام سے خود کو نہیں روکو گے اور بندوں کے حقوق سے لاپرواہی نہیں چھوڑو گے۔ نیکی صرف اس میں نہیں ہے کہ چند روز کے لیے جائز غذا ترک کر دو بلکہ نیکی کی راہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمیشہ کے لیے ناجائز غذا ترک کر دو۔ اذا کان ملبسہٗ حرامٌ ومطعمہٗ ومشربہ حرامٌ فاین یستجاب الدعاء۔!

يَسْـَٔلُوْنَكَ يا محمّد عَنِ الْاَهِـلَّةِ جمع هلال
لِمَ تبدو دقيقة ثم تزيد حتى تمتلئ نورا
ثم تعود كما بدت ولا تكون على حالة واحدة
كالشمس قُلْ لهم هِيَ مَوَاقِيْتُ جمع ميقات لِلنَّاسِ
يعلمون بها اوقات زرعهم ومتاجرهم وعدة
نساءهم وصيامهم وافطارهم وَالْحَجِّ عطف
على النّاس اى يعلم بها وقته فلو استمرت على
حالة واحدة لم يعرف ذالك وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَأْتُوا
الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا في الاحرام بان تنقبوا فيها
نقبا تدخلون منه وتخرجون وتتركوا الباب
وكانوا يفعلون ذالك ويزعمونه برا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ اى
ذا البرّ مَنِ اتَّقٰى الله بترك مُخالفته وَأْتُوا الْبُيُوْتَ
مِنْ اَبْوَابِهَا في الاحرام كغيره وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ○ تفوزون

ترجمہ

بعض لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں (اے محمدؐ) چاند کی بابت
(اَہِلّہ جمع ہلال کی ہے) کہ ابتدا میں کس طرح باریک

ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے مکمل بدر ہو جاتا ہے۔ پھر اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتا ہے اور آفتاب کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا) آپ فرما دیجئے (ان سے) کہ وہ چاند آلۂ شناخت اوقات ہے (مواقیت جمع میقات بمعنی وقت) لوگوں کیلئے (اس کے ذریعہ لوگوں کی کھیتی کے اور کاروبار کے اوقات اور عورتوں کی عدت روزوں اور افطار کے اوقات معلوم ہو سکتے ہیں) اور حج کے لیے (اس کا عطف الناس پر ہے یعنی اس کے ذریعہ اوقات صحیحہ بھی معلوم ہوتے ہیں اگر یہ ایک حال پر رہتا تو آسانی یہ باتیں معلوم نہ ہو سکتیں) اور اس میں کوئی بہتری نہیں ہے کہ گھروں میں ان کی پشت کی جانب سے آیا کرو (بحالت احرام خیمہ میں نقب لگا کر آجاؤ اور اس کے اصل دروازے کو چھوڑ دو اور پھر اس کو ہنر اور کمال سمجھو) ہاں البتہ نیکی (نیکی والا) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے (مخالفت سے بچتے ہوئے) اور داخل ہوا کرو مکانوں میں ان کے دروازوں سے (بحالتِ احرام بھی غیر احرام کی طرح) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ تم فلاح یاب (کامیاب) ہو جاؤ گے۔

بیانِ شانِ نزول

لبابُ النقول میں ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے تخریج کی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلقت ہلال کا سوال کیا تو اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی۔ نیز حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت بھی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ " مابال الھلال یبدو دقیقاً جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے اشارہ کیا ہے۔

بیانِ ربط

اس آیت ابوابُ البر میں سے ساتواں اور آٹھواں حکم بیان کیا گیا ہے

ساتواں حکم اختلافِ چاند کی علت یا حکمت کی تحقیق کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب ہے اور آٹھواں حکم حج کی ایک خاص رسم سے متعلق سوال کا اصلاحی جواب ہے۔

بیانِ اغراض جلالین

قولهٗ یا محمد ۔ سوال میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ۱ سائل ۲ مسئول چاند کے بارے میں سائل صحابہ کرام ہیں اور مسئول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اصل میں عبارت یوں تھی "یسئلونك ای اصحابك یا محمد

قولهٗ جمع هلال ۔ (بمعنی آواز بلند کرنا) دیکھنے کے وقت عادۃً طور پر بلند آواز سے بتلایا جاتا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر لفظی تحقیق بیان فرمائی ہے۔

قولهٗ لم تبد وادقیقة ثم تزید الخ
علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر صورتِ سوال ذکر فرمائی ہے یا کیفیتِ سوال کا بیان ہے۔

قولهٗ لهم : مقول لہم کا بیان ہے۔

قوله جمع میقات (مواقیت جمع میقات ہے بمعنی کسی کام کے لیے وقتِ مقرر ہے) اس کی دو غرضیں ہیں، اوّل: تحقیق لفظی بیان کر رہے ہیں۔ دوئم: اشارہ فرمایا کہ "مواقیت جمع میقات لا جمع موقوت یعنی علی صیغة المفعول" کیونکہ موقوت بمعنی معین جب کہ میقات اسم آلہ ہے یعنی آلہ شناخت اوقات مقیاس۔

قولهٗ یعلمون بها اوقات زرعهم ومتاجرهم و عدة نسائهم وصیامهم وافطارهم (معلوم کیے جانے

اس کے ساتھ کھیتی اور کاروبار کے اوقات، اور عورتوں کی عدت اور روزوں اور افطار کے اوقات) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نقل فرماکر مواقیت للناس کی علت یا وجہ بیان فرمائی ہے۔

قولہٗ عطفٌ علی الناس۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اس کا عطف للناس پر ہے نہ علی المواقیت یعنی مواقیت للناس والحج۔

قولہٗ یعلم بہا وقتہ (یعنی اس کے ذریعہ اوقات صحیح بھی معلوم ہوتے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے حاصل عطف کے طور پر یہ جملہ نکالا ہے حاصل عبارت یوں بنے گی، (قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ یعلمون بہا اوقات زرعہم الخ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ الحج یعلم بہا وقتہٗ۔

ف: عطف مغایرت کو چاہتا ہے اس لیے تعیین دو قسم ہوگی: (۱) مواقیت للناس میں تو لوگوں کی اختیار کردہ مدت مراد ہے۔ اور (۲) الحج میں منجانب اللہ جس کی تعیین و تحدید ہو چکی ہے۔

قولہٗ فلو استمرت علی حالۃٍ واحدۃٍ لم یعرف ذالک (اگر یہ ایک حالت پر رہتا تو بآسانی یہ باتیں معلوم نہ ہو سکتیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر تتمہ جواب ذکر فرمایا ہے اور اس عبارت کا تعلق "قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ للناس والحج" کے ساتھ ہے اور اسی کا تتمہ جواب ہے۔

قولہٗ فی الاحرام: (احرام میں) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ وأتوا البیوت میں اتیان (آنا) مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اور مقید بھی احرام کے ساتھ ہے کہ جب گھروں میں پشت کی طرف سے داخل ہوتے تو بحالتِ احرام ہوتے تھے۔

قولہٗ بان تنقبوا فیہا نقبًا تدخلون منہ و تخرجون و تترکوا الباب (خیمہ میں سوراخ لگا کر داخل ہو جاؤ اور

اس کے اصلی دروازے کو چھوڑ دو) بِاَنْ کی باء تصویریہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے
تأتوا البیوت من ظهورها کی صورت بیان کی ہے، یا کیفیتِ اتیان
بیان کی ہے۔

قولہٗ وکانوا یفعلون ذالك ویزعمونه برًّا
(اور یہ کرتے تھے یہ کام اور گمان کرتے تھے نیکی کا) عرب میں دو بدعتیں رائج
تھیں، اول دروازہ سے آنا جائز تھا انہوں نے اس کو حرام سمجھا۔ دوم پیچھے سے
آنے میں کوئی ثواب نہ تھا انہوں نے اس کو ثواب سمجھا یعنی جائز کو حرام اور مباح
کو ثواب بنادیا۔ علامہ سیوطیؒ نے دونوں بدعتوں کو بیان کیا ہے۔ بِاَنْ تنقبو
سے بدعتِ اول کا بیان ہے اور وکانوا یفعلون سے بدعتِ ثانی کا بیان ہے

قولہٗ ای ذا البر (نیکی والا) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال - یہ ہے کہ البر اسم ہے من اتقی خبر ہے قانون ہے کہ اسم اور خبر کا
حمل آپس میں ضروری ہوتا ہے جب کہ یہاں حمل درست نہیں کیونکہ ذا البر وصف
ہے، من اتقی ذات ہے۔

جواب - تو علامہ سیوطیؒ نے حذف مضاف کرکے اشارہ کیا کہ البر
بمعنی ذی البر ہے تو حمل ذات علی الذات ہوگا فلا اشکال علیہ۔

قولہٗ اللّٰہ - اتقی کا مفعول ہے یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

قولہٗ بترك مُخالفته (مخالفت سے بچتے ہوئے) بترک کی باء
تصویریہ ہے تقوٰی کی صورت بیان کی ہے ہر اس فعل کا ترک جو ذات باری تعالیٰ
کی مخالفت کا ذریعہ ہو تقوٰی ہی کہلاتا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی (علامہ سیوطیؒ نے اشارہ
فرمایا: انّ التقوٰی بمعنی الشرعی لا المعنی اللغوی الذی هو الصیانة

قولہٗ فی الاحرام کغیرہ (بحالت احرام بھی غیر احرام کی طرح) قد
مرّ غرضهٗ آنفًا۔

قولہٗ تَفُوْرُوْنَ : تَغْلِحُوْنَ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تغیرُ اللفظ بلفظٍ آخر ہے۔

بیانِ فوائد

صحابہ کرامؓ کا سوال چاند کی حکمت ومَصلِحت یا حقیقت کے بارے میں تھا

۔ چاند شروع مہینہ میں ہلالی صُورت اختیار کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے بُدر بن جاتا ہے۔ پھر اسی رفتار سے آخر مہینہ تک گھٹتا چلا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کی حکمت ومَصلحت دریافت کی یا اس کی حقیقت معلُوم کی دونوں احتمال ہیں۔ لیکن جواب میں حکمت ومصلحت کا بیان ہے۔ اگر سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت ہی کے مُتعلق تھا جیسا کہ علامہ سکاکی کی رائے ہے تب تو جواب اس کے مُطابق ہو گیا البتہ اگر اس کے گھٹنے بڑھنے کی حقیقت کے مُتعلق سوال تھا جیسا کہ روایت میں حضرت معاذ بن جبلؓ کا رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کرنا آتا ہے " مَا بَالُ الھلالِ یَبْدُوْ دَقِیقًا" اگرچہ علامہ آلوسیؒ نے سنداً اس کو ضعیف کہا ہے۔ نیز حضرات صحابہ کرامؓ کی شان سے اِس قسم کے سوالات بعید بھی ہیں تاہم جواب میں حقیقت کے بجائے مصلحت بیان کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نہ تو اجرام فلکیہ کے حقائق دریافت کرنا انسان کے بس کی بات ہے اور نہ اُن کے حقائق معلوم ہونے پر کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا ہے اس لیے حقیقت کا سوال فضول ہے پوچھنے اور بتلانے کی بات یہ ہے کہ چاند کے اس طرح گھٹنے بڑھنے، غروب اور طلوع ہونے میں ہمارے کون سے مصالح وابستہ ہیں اس لیے جواب میں فرمایا گیا کہ تمہارے جو مصالح چاند سے وابستہ ہیں

وہ یہ ہیں کہ اس کے ذریعہ تمہیں اپنے معاملات اور معاہدات کی میعاد مقرر کرنا اور حج کے دن تاریخ معلوم کرنا آسان ہو جائے گا گویا یہ جواب حکیمانہ اسلوب پر ہے کہ جواب کے ساتھ سوال کی بھی اصلاح کر دی گئی کہ تمہارا سوال حقیقت کے بارہ میں نہیں بلکہ حکمت و مصلحت کے متعلق ہونا چاہیئے تھا۔

ولمّا صُدّ صلّی اللہ علیہ وسلّم عن البیت عام الحُدیبیّة وصالح الکفّار علی ان یّعود العام القابل ویخلوا لہ مکة ثلاثة ایّام وتجهز لعمرة القضاء وخافوا ان لا تفی قریش ویقاتلوهم وکره المسلمون قتالهم فی الحرم والاحرام والشّهر الحرام نزل وَقَاتِلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ای لاعلاء دینه اَلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ من الکفّار وَلَا تَعْتَدُوْا علیهم بالابتداء بالقتال اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ المتجاوزین ما حدّ لهم وهٰذا منسُوخ بآیةِ براءة اوبقوله وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وجدتموهم وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ ای من مکّة وقد فعل بهم ذالك عام الفتح وَالْفِتْنَةُ الشرك منهم اَشَدُّ اعظم مِنَ الْقَتْلِ لهم فی الحرم والاحرام الذی استعظمتموه وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عند

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اى فى الحرم حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ
فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فيه فَاقْتُلُوْهُمْ فيه وفى قراءة بلا الف
فى الافعال الثلثة كَذٰلِكَ القتل والاخراج جَزَآءُ الْكَافِرِيْنَ
فَاِنِ انْتَهَوْا عن الكفر واسلموا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لهم رَّحِيْمٌ
بهم وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ توجد فِتْنَةٌ شرك
وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ العبادة لِلّٰهِ وحده لا يعبد سواه فَاِنِ انْتَهَوْا
عن الشرك فلا تعتدوا عليهم دل على هذا فَلَا عُدْوَانَ
اعتداء بقتل او غيره اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ومن انتهى
فليس بظالم فلا عدوان عليه۔

ترجمہ جس وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سال حدیبیہ میں بیت اللہ کی حاضری سے روک دیا گیا اور آپؐ سے مشرکین مکہ نے اس امر پر صلح کی کہ آپ آئندہ سال آئیے آپ کے لیے مکہ تین روز تک خالی رکھا جائیگا چنانچہ عمرۃ القضاء کے لیے آپ نے تیاری کی تو صحابہ کرام کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں قریش بے وفائی نہ کر بیٹھیں اور قتال کی نوبت نہ آجائے جس کے لیے مسلمان حرم شریف احرام کی حالت، شہر حرام ان تین حرمتوں کی وجہ سے ہچکچا رہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور تم بھی اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے اعلاءِ دین کے لیے) لڑو ان لوگوں (کفار) کے ساتھ جو تم سے لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلنا (ان پر اقدامِ جنگ کر کے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے حد سے بڑھنے والوں کو (جو اپنی مقررہ حدود کو پھلانگ

جائیں۔ یہ دفاعی جنگ کا حکم آیتِ براۃ یا اگلی آیت سے منسوخ ہے) مار دو ان کو جہاں پاؤ (یا ؤ) ان کو، اور ان کو نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکل جانے پر مجبور کیا ہے (یعنی مکہ سے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ منظر ان کے سامنے آیا) اور فتنہ (شرک) تو سخت (عظیم) تر ہے بہ نسبت (ان کے) قتل کے (حرم اور احرام کی حالت میں جس کو تم عظیم سمجھ رہے ہو) اور ان سے قتال مت کرو مسجد حرام کے قریب (یعنی حرم میں) جب تک کہ وہ لوگ تم سے وہاں قتال میں پیش قدمی نہ کریں ہاں اگر وہ خود ہی تم سے (وہاں) لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم بھی ان کو بر دہیں) مار دو اور ایک قرأت میں تینوں افعال میں بغیر الف پڑھا گیا ہے) ایسے ہی (قتل واخراج) کی سزا ہے ایسے کافروں کی، پھر اگر باز آجائیں (کفر سے اور اسلام قبول کرلیں) تو اللہ تعالیٰ (ان کی) مغفرت فرمانے والے ہیں اور (ان پر) رحم فرمانے والے ہیں ان سے اس حد تک لڑو کہ نہ رہے (نہ پایا جائے) فساد عقیدہ (شرک) اور دین (عبادت) اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جائے (اس کے علاوہ کسی کی پوجا نہ کی جائے) اور اگر باز آجائیں یہ لوگ (شرک سے تو ان پر تعدی نہ کی جائے اس جزائے محذوف پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) تو ان پر (قتال وغیرہ سے) تعدی نہیں ہے مگر ان ہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں) اور جو باز آجائے وہ ظالم نہیں رہا اس لیے اس پر لڑائی بھی لڑنی نہیں ہے۔

بیانِ شانِ نزول

شان نزول کی طرف خود علامہ سیوطیؒ اشارہ کر چکے ہیں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

بیانِ ربط

اس آیت میں بھی ابواب البر میں سے نواں اور دسواں حکم بیان فرمایا جارہا ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہٗ حُدَیبیۃ : حدیبیہ مکہ مکرمہ معظمہ سے قریب ایک مقام ہے جس کو آج کل شمسیہ کہتے ہیں۔ ۶ھ میں آپ بہ نیتِ عمرہ چودہ سو صحابہ کرام کی معیت میں بیت اللہ شریف حاضر ہونا چاہتے تھے لیکن مشرکین نے اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے آپ کو روک دیا جس کے نتیجے میں مشہور تاریخی صلح نامہ مرتب ہوا جس کو مسلمانوں کی فتح مبین کہا گیا ۷ھ میں آپ معاہدہ کی دفعہ کے تحت تشریف لائے اور عمرہ قضا فرمایا۔ عمرۃ القضاء کی وجہ تسمیہ یہی ہے۔ اور یا قضاء بمعنیٰ صلح ہے چونکہ صلح کے مطابق یہ عمرہ ادا کیا گیا اس لیے عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔

قولہٗ ای لاعلاء دینہ (یعنی اس کے دین کی بلندی کے لیے) اس کی دو غرضیں ہیں: اوّل غرض قتال: حدیث پاک میں ہے کہ ایک صحابی رسولؐ نے سوال کیا "ما القتال یا رسول اللہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا "لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیاء"۔ دوم: علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ سبیل سے مراد حسّی سبیل نہیں بلکہ معنوی سبیل مراد ہے "یعنی ھو الطریق الذین والشریعۃ"۔

قولہٗ من الکفار۔ تعیین موصول ہے۔

قولہٗ عَلَیْھِمْ۔ بیانِ حَصر ہے یعنی حَصر پیدا کرنے کے لیے یہ کلمہ مقدر فرمایا کہ خاص طور ان پر زیادتی نہ کرو۔

قولہٗ بالابتداء بالقتال (کہ قتال میں ابتداء نہ کرو) بالابتداء کی باتصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تعدی کی صورت بیان کی ہے۔

قولہٗ المُتَجَاوِزِین (تجاوز کرنے والے) معتدین کی تفسیر بیان کی ہے، یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قولہٗ ماحُدَّ لھُمْ (جو حد معیّن کی گئی ہے ان کے لیے) مُعْتَدِیْن

کا مفعول ہے یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہٗ ھٰذا منسوخ بآیۃ براءۃ ۔ آیت براءۃ سے مراد یہ آیت ہے فاذا انسلخ الاشہر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم

یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا تَعْتَدُوْا کہ تم ابتدا نہ کرو جب کہ سورۃ براءۃ میں ہے "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ یا اگلی آیت میں ہے وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ" بظاہر آیات کا تعارض ہے۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ نہی عن الابتداء بالقتال (لا تعتدوا) منسوخ ہے ناسخ سورۃ براءۃ کی آیت یا اگلی آیت ہے۔

قولہٗ وجدتموھم (پاؤ تم ان کو) ثقفتموھم کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ ای من مکۃ (مکہ معظمہ سے) علامہ سیوطیؒ نے مِنْ حَیْثُ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی ما منہ الاخراج کا بیان ہے۔

قولہٗ وقد فعل بھم ذالک عام الفتح (چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ان سے اسی طریقہ پر کیا گیا) بیانِ جزئی ہے یا بیانِ وقوع مع الکفار ہے۔

قولہٗ الشرک منھم ۔ (شرک) علامہ سیوطیؒ نے شرک کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ دنیا میں سب سے بڑا فتنہ شرک ہی ہے کیونکہ اس سے فساد فی الدارین ہوتا ہے۔ دوسرا: تعیین احد المعانی ہے کیونکہ فتنہ بمعنیٰ عذاب بھی ہے، اور بمعنیٰ ضلال بھی ہے اور بمعنیٰ آزمائش و امتحان بھی ہے یہاں بمعنیٰ شرک ہے۔ "کما مضٰی مُفصّلًا فی ایۃ "وَمَا یُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَۃٌ فَلَا تَکْفُرْ۔

قولہٗ اعظم ۔ علامہ سیوطیؒ نے شرک کو قتل سے زیادہ سخت اس لئے

کہا ہے کہ قتل میں تو صرف جانی نقصان ہوتا ہے جب کہ شرک میں دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے۔ لانّ الشرك يؤدي الى الخلود في النار والقتل ليس كذالك :

لكن يقول شيخ جاجروی رحمہ القوی : میرے نزدیک شرک کو قتل سے زیادہ اہم و اعظم کہنا دوؔ وجوہ سے ہے :

اوّل : شدّت کا استعمال محسوس چیزوں کے لیے ہوتا ہے، عظمت غیر محسوس چیزوں کے لیے چونکہ گناہ از قبیلِ غیر محسوس ہے اس لیے اشد بمعنیٰ اعظم کیا۔

سوال : جب گناہ از قبیلِ غیر محسوس ہیں تو پھر ذات باری تعالیٰ نے اَشدُّ کیوں فرمایا اعظم فرما دیتے۔

جواب : مزید قباحت بیان کرنے کے لیے اشد فرمایا کہ گناہ ایسے ہیں کہ گویا نظر آرہے ہیں۔

دوّم : اشارة الى انّ الشدّة بمعنى العظمة في القبح لا بمعنى القوة فلا يرد ان القتل اقوى من الشرك لرفع الشرك بالتوبة و القتل اذا وجد لا يرتفع ۔

قولہٗ لهم في الحرم والاحرام (حرم اور احرام کی حالت میں) بیان صلہ یعنی من القتل کا صلہ بیان کیا ہے ۔

قولہٗ الّذي استعظمتموه (جس کو تم عظیم سمجھ رہے ہو) نعت للقتل

قولہٗ اي في الحرم : علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ انّهٗ من قبيل ذكر الخاص والجزو ارادة العام والكل لان حُرمة القتال لا تختص بالمسجد الحرام بل في كل الحرم۔

ثانيًا اشارة الى ان عند بمعنىٰ في ۔

قولہٗ فيه (وہاں) اس کی دوؔ غرضیں ہیں : اوّل صلہ و محل قتال دوّم قاتلوكم کا عطف يقاتلوكم پر ہے جس طرح يقاتلوكم

کے ساتھ فِیۡہِ کا کلمہ ہے علامہ سیوطیؒ نے بھی حاصل عطف کے طور پر قاتلوکم کے ساتھ فِیۡہِ کا کلمہ نکالا ہے۔ آیت یوں ہے:

" حَتّٰی یُقٰتِلُوۡکُمۡ فِیۡہِ فَاِنۡ قٰتَلُوۡکُمۡ فِیۡہِ فَاقۡتُلُوۡہُمۡ۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی - آیت برأت حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡہُمۡ میں ہر جگہ قتل کی اجازت سمجھ میں آتی ہے لیکن حدودِ حرم اس سے مستثنیٰ اور خاص تھے وہاں قتل جائز نہیں تھا۔ اب اس آیت سے مدافعانہ قتل کا جواز اور اقدامی قتل کا علیٰ حالہٖ عدم جواز سمجھ میں آرہا ہے کذا فی المدارک۔ جب کہ علامہ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ کفار سے قتال حرم غیر حرم اقداماً مدافعاً ہر طرح ہر جگہ جائز ہے اور یہ آیت منسوخ ہے آیت حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡہُمۡ سے۔

قولہٗ وفی قرأۃ بلا الف فی الافعال الثلثۃ (اور ایک قرأت میں تینوں افعال بغیر الف پڑھے گئے ہیں) افعالِ ثلاث سے مراد یہ تین فعل ہیں: (۱) وَلَا تَقٰتِلُوۡہُمۡ (۲) حَتّٰی یُقٰتِلُوۡکُمۡ (۳) فَاِنۡ قٰتَلُوۡکُمۡ یہاں سے علامہ سیوطیؒ قرأت کا بیان فرما رہے ہیں لیعنی بیانِ قرأت ہے۔

قولہٗ القتل والاخراج - (قتل اور اخراج) بیانِ مشارالیہ ہے۔

ثانیًا اشارۃٌ الی ان الکاف بمعنی المثل مُبتدا و جزاءہٗ خبرہٗ

قولہٗ عن الکفر: بیانِ صلہ ہے یعنی فَاِنِ انۡتَہَوۡا کا صلہ نکالا ہے یا انتھوا کے متعلق مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہٗ اسلموا - (اور اسلام قبول کریں) بیان جزا ہے۔ یعنی علامہ سیوطیؒ نے فَاِنِ انۡتَہَوۡا (شرط) کی جزا نکالی ہے۔ لیکن،

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی - انتہا دو قسم ہے:
اوّل: انتہاء عن الکفر دوم انتہاء عن القتال - اگر منتہی منہ کفر کو بناؤ تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ صرف کفر سے رک جانے والوں کے لیے تو خدا غفور الرّحیم نہیں ہے اگر منتہی منہ قتال کو بناؤ تو جزا شرط پر متفرع نہیں ہوتی کیونکہ کفر کی حالت میں گناہوں کی بخشش

نہیں۔ تو علامہ سیوطیؒ نے اَسْلَمُوْا کا کلمہ نکال کر منتہیٰ منہ مقرر کیا ہے کہ اوّلاً کفر سے رک جائیں بعدہٗ اسلام لائیں تب ربّ ذوالجلال ان کے لیے غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہیں۔ کَمَا فِی قولہٖ تعالیٰ: "وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ"

فائدہ عام حربی کفار کے لیے تو تین راستے ہیں۔ ۱ یا بخوشی اسلام قبول کرلیں ۲ یا جزیہ منظور کریں ۳ ورنہ پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ لیکن عرب جو دارالسلام اور مرکزِ ہدایت ہے وہاں کے کفار کے لیے صرف دو راستے ہیں وہ بخوشی اسلام قبول کرلیں، یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جزیہ کی درمیانی راہ نکال کر وہاں کفر کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ "تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ۔" پھر بھی اگر وہ بزور رہنا چاہیں تو حدودِ حرم سے باہر کی صورت میں ان سے قتال کیا جائے گا۔ اور حدودِ حرم میں یہ صورت اگر پیش آئے تو اوّلاً بغیر قتال کے کسی تدبیر سے ان کو باہر نکالا جائے تاکہ حتی الامکان حرم کی حرمت اور امن و امان برقرار رہے لیکن اگر ان کے نکالنے میں کامیابی نہ ہو تو پھر مجبوراً ان کو قتل کردیا جائیگا۔ بعینہٖ یہی صورت اس وقت بھی اختیار کی جائے گی جب کوئی کسی کو قتل کرکے حرم میں پناہ گزیں ہو جائے۔

قولہٗ لَهُمْ بِهِمْ ۔ دونوں بیانِ صلہ ہیں لَهُمْ غَفُوْرٌ کے لیے بِهِمْ رَحِیْمٌ کے لیے۔

قولہٗ تُوْجَدُ ۔ اشارۃٌ الی انّ تکون تامّۃ لا ناقصۃ کما ھو الغالب۔

قولہٗ شِرْكٌ ۔ قد مرّ غرضہٗ آنفاً۔!

قولہٗ العبادۃ ۔ (عبادت) علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ دین بمعنیٰ مذہب یا احکامِ شریعت نہیں کما ھو المتبادر بلکہ دین بمعنیٰ عبادت ہے یعنی تعیین احد المعانی کی ہے۔

قولہٗ وحدہٗ لا یعبد سواہ ۔ (اکیلا نہ عبادت کی جائے اس کے سوا) علامہ سیوطیؒ نے وحدہٗ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لِلّٰهِ کی لام اختصاص کے لیے

یعنی تمامی عبادات خواہ مالیہ ہوں یا بدنیہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اور لا یُعبدسوٰی وحدہٗ کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہٗ عن الشرک۔ قد مرّ غرضہٗ آنفًا فی ایۃ فَاِنِ انتھوا عن الکفر واسلموا۔ الخ۔

قولہٗ فلا تعتدوا علیھم۔ (تو ان پر تعدی نہ کی جائے) علامہ سیوطیؒ نے جزا متعذر کرکے اس کو دال برجزا بنایا ہے جو کہ دلّ علی ھذا ہے سمجھا جارہا ہے کیونکہ قانون ہے کہ جزا ہمیشہ انشاء ہوتی ہے عند البعض دال برجزا نہیں بلکہ خود جزا ہے اور انشاء کے معنیٰ میں ہے فلاَ عُدْوَانَ کا معنیٰ کرتے ہیں کہ "تعدی نہ کرو"

سوال۔ ظالم پر تو تعدی نہیں ہوتی مثلاً چور کا ہاتھ کاٹا جائے یہ اس کی جزاء ہے جو اس نے فعل کیا ہے۔

جواب۔ تعدی باعتبار حرم پاک کے ہے حرم میں مارنا چونکہ تعدی ہے اس لیے اللہ پاک نے فلاَ عُدْوَانَ فرمایا ہے۔

قولہٗ اعتداء۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ "انّ العُدْوَانَ مصدر لا صفۃ مُشبّھۃ کسکرانَ۔ وایضًا فیہ ردٌ علی الکشّاف حیث جعل قولہٗ فلاَ عُدْوَانَ الخ جزاء للشرط بمعنیٰ فلاَ تعتدوا بان یّجعل اختصاص العُدوان بالظّلمین کنایۃ عن عدم جواز العدوان علیٰ غیرھم اعنی المُنتھین ووجہ الرد انّہ یصیر ح المکنی عنہ جزءً من المکنی بہ۔

قولہٗ بقتل او غیرہ (قتال وغیرہ سے) بقتل کی باء تصویر یہ ہے تعدی کی صورت بیان کی ہے۔

قولہٗ ومن انتھٰی فلیس بظالم فلا عُدوانَ علیہ (اور جو باز آجائے وہ ظالم نہیں رہا اس لیے اس کے ساتھ لڑائی بھی نہیں ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال - یہ ہے کہ فَلَا عُدْوَانَ دالا کلمہ حکم اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ کے لیے علت ہے لیکن اس سے حکم کا ثبوت مِنْ کُلِّ الوُجُوہ تو ثابت نہیں ہو رہا۔

جواب تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر فرما کر اشارہ کیا کہ اس سے پہلے دلیل کے طور پر یہ عبارت مقدر کریں گے :ر فیکون منتفیا لذالك الحکم یعنی اصل میں عبارت یوں تھی " ومن انتھی فلیس لظالم" جب ظالم نہیں تو" فَلَا عُدْوَانَ عَلَیْہِ اس پر تعدی بھی نہیں ہے۔

بیانِ فوائد

مُدافعانہ جنگ مُشرکینِ مکہ کے ظلم و تعدّی سے جب مُسلمانوں پر حج و زیارت کا دروازہ بند ہو گیا تو اس مقام کو ظالموں کے پنجوں سے نجات دلانے کے لیے جنگ ناگزیر ہو گئی تاہم دو اہم باتوں کا پیشِ نظر رکھنا ضروری سمجھا گیا۔

اوّل : یہ کہ امن کی حالت ہو یا جنگ کی ہر حال میں مسلمانوں کو عدل و راستی کے علاوہ کوئی بات نہ کہنی اور نہ کرنی چاہیئے۔

دُوم : یہ کہ جنگ اگرچہ کسی درجہ میں بُرائی ہے لیکن فتنہ اور شرارت کی جڑ اور بُنیاد کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ سخت اور بُرائی ہے اس لیے ناگزیر ہے کہ فتنہ کے ازالہ کے لیے جنگ کی حالت کو گوارہ کر لیا جائے۔ ایک بڑی برائی کو ختم کرنے کیلئے ایک ہلکی اور چھوٹی برائی اختیار کر لینا دانشمندی اور انصاف کے خلاف نہیں ہے۔

اَلشَّھْرُ الْحَرَامُ المحرم **مُقَابَلٌ بِالشَّھْرِ الْحَرَامِ** فلما قاتلوکم فیہ فاقتلوھم فی مثلہ ردٌّ لاستعظام المسلمین ذالك **وَالْحُرُمٰتُ** جمع حرمة

مـايجب احـترامـه قِصَاصٌ اى يقتص بمثلها اذا
انتهكت فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ بالقتـال فى الحرم
اوالاحـرام اوالشهرالحرام فَاعْتَدُوا عليـه بِمِثْلِ مَا
اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ سمّى مقابلة اعتداء لشبهها بالمقابل
بـه فى الصُّورة وَاتَّقُوااللّٰهَ فى الانتصـار وترك الاعتداء
وَاعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ بالعون والنّصر وَاَنْفِقُوْا
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ طاعته الجهاد وغيره وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ
اى انفسكم والبـاء زائدة اِلَى التَّهْلُكَةِ الهلاك بالامساك
عن النفقة فى الجهاد او تركه لانـه يقوى العدو عليكم وَ
اَحْسِنُوْا بالنّفقة وغيرها اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ اى
يُثيبهم ۔

ترجمہ

حُرمت والے (محُترم) مہینوں کی رعایت مُقابل ہے محُترم مہینوں کی رعایت کے اگر وہ تم سے ان میں قتال کریں تو تم بھی اتنی ہی جنگ اُن سے کرسکتے ہو۔ یہ جواب ہے مُسلمانوں کے اس جنگ کو ناگوار سمجھنے کا) یہ حُرمتیں بھی (حُرمات جمع حُرمۃ کی ہے (حرم یا احرام یا حرام مہینوں میں مار دھاڑ کرکے) تو چاہیئے کہ جس طرح کا مُعاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو (اعتداء کے جواب اور بدلہ کو بھی اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے صُوری مُشاکلت کی وجہ سے) البتہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) ایک دوسرے کی

امداد کرنے یا نہ کرنے میں) اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھی ہیں (مدد اور تائید کے لحاظ سے) اور مال خرچ کرو اللہ کی راہ میں (جہاد وغیرہ طاعت میں) اور نہ ڈال دو اپنے ہاتھوں (جانوں) کو (اس میں با وزائد ہے) ہلاکت میں (جہاد میں اخراجات روک کر یا ترک کرکے تباہی مول نہ لو کیونکہ اس سے دشمن تم پر قوی ہو جائیں گے) اور انفاق (وغیرہ) اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ پسند کرتے ہیں سنوار کر کام کرنے والوں کو (یعنی ان کو ثواب عطا فرمائیں گے)

شانِ نزول

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ سیدنا ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم لوگ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت وشوکت اور اس کے معاونین کو کثرت ونصرت عطا فرمائی تو بعض لوگوں نے مخفی طور پر یہ کہنا شروع کیا کہ بہت سا مال ہمارا برباد ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بخشی ہے۔ اس لیے ضائع شدہ مال کی اصلاح واضافہ میں ہم لوگ لگ جائیں اس پر حق تعالیٰ نے اس خیال کی تردید فرمائی ہے کہ ہلاکت انفاق میں نہیں ہے، بلکہ ترکِ انفاق وترکِ جہاد حقیقی تباہی ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہٗ المُحَرّم : یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیت مبارکہ کے اندر حرمت کی نسبت شہر کی طرف کی گئی ہے جب کہ یہ نسبت صحیح نہیں، یا حرمت صفت بن رہی ہے شہر کے لیے۔ جب کہ اس صفت کا حمل موصوف پر درست نہیں کیونکہ شہر (مہینے) تو حرام نہیں ہوتے اشیاء حرام ہوتی ہیں۔

جواب | تو علامہ سیوطیؒ نے المُحترم کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ محترم (حرام) بمعنی المفعول ہے جیسے فعّال بمعنی مفعول (محترم) تو اب صفت کا حمل موصوف پر صحیح ہوگا۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی ۔ شہر کی نسبت مُبالغۃً کی گئی ہے ورنہ عین حرام نہیں ہے۔

قولہٗ: مُقَابِلٌ ۔ (مُقابل ہے) علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا اَنَّ الباء للمُقابلۃ کما فی قولھم بعتُ ھٰذا بذالک الخ تقدیر عبارت یوں ہے " حُرمۃ الشھر الحرام مقابلٌ بالشھر الحرام

قولہٗ فکما قاتلوکم فیہ فاقتلوھم فی مثلہ (وہ تم سے ان میں قتال کریں تو تم بھی اتنی ہی جنگ ان سے کر سکتے ہو) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل: بیانِ تقابل ہے ۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ " وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ ۔ دوم دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سَوَال ۔ یہ ہے کہ مَا فائدۃ فی ھٰذا المقام لمقابلۃ الشھر بالشھرِ۔

جواب | یہ ہے کہ فکما کی فا تفریعیہ ہے ۔ ماقبل پر تفریع بٹھاتے ہوئے مضاف مقدر کیا ہے دونوں شھرین کے اندر تقدیر عبارت یوں ہے " قتل شھر الحرام بقتل الشھر الحرام حاصل جواب یہ ہے کہ مقابلہ شہرین سے مقصود مؤمنین کی کراہیت قتال فی شہر الحرام دفع کرنا ہے لا بیان حالِ الاشھرِ۔

قولہٗ ردٌ لاستعظام المُسلمین ذالک ۔ (یہ رد جواب ہے مسلمانوں کے اس جنگ کو ناگوار سمجھنے کا) بیان قرینۃ علیٰ ذالک المقدر کما لایخفیٰ کیونکہ مسلمان تو عظمت اشہر حُرم کی وجہ سے جنگ کرنے سے گریز کرتے ۔ مگر کفار عظمت اشہر حرم کو مانتے ہوئے بھی مسلمانوں سے مصروفِ قتال دیگر رہتے ۔!

قولہٗ جمع حُرمة ۔ (جمع حرمت کی ہے) اس کی دو غرضیں ہیں
اوّل : تحقیق لفظی بیان فرما رہے ہیں ۔ دوّم : اشارہ فرمایا کہ " انّ المراد ان کلّ الحرمات لا فقط حُرمة القتل بخصوصہ کما ھو مقتضی ظاھر سُوق الکلام ۔

قولہٗ مایجب احترامه ۔ (جس کا احترام ضروری ہو) علامہ سیوطیؒ نے حرمت کا معنیٰ بیان فرمایا ہے کہ حرمت کا احترام یہی ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے " لانّ مایجب ان یحافظ علیه کحرمة البلد والشھر الحرام وحُرمة الصّید والحشیش وحُرمة الصّلوٰة والصّوم وحُرمة النّفس ۔

قولہٗ ای یقتص بمثلھا اذا انتھکت (اس کا بدلہ ویسا ہی لیا جائے گا اگر کوئی اسے توڑے گا) اس کی دو غرضیں ہیں :
اوّل قصاص کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے کیونکہ قصاص کا لغوی معنیٰ مساوات ہے کہ حرمتوں میں مساوات ہے جب کوئی حرمت کو توڑے یعنی اذا انتھکت (توڑنے) کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی حرمت کو حرمت نہ سمجھے اور اس پر عمل نہ کرے تو گویا اس نے حرمت کو توڑ دیا ۔

دوّم : دفعیہ سوال مقدر ہے ۔
سوال ۔ یہ ہے کہ قصاص مصدر بمعنی التساوی ہے اس کا حمل حرمات پر صحیح نہیں۔
جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے جواب دیا کہ حرمات خود قصاص نہیں بلکہ ذوات القصاص ہے یعنی انّ المعنیٰ والحرمات ذوات القصاص او فیھا قصاص

قولہٗ بالقتال فی الحرم او الاحرام او الشھر الحرام (لڑائی کرے حرم میں یا احرام میں یا مہینوں حرام میں) اس کی دو غرضیں ہیں :
اوّل : بالقتال کی با تصویریہ ہے اعتدٰی کی صُورت بیان کی ہے ۔
دوّم : قدرہ لبیان ربطہٖ بما سبق فتامل ۔

قولہٗ سُمّی مقابلة اعتداء لشبھھا بالمقابل به

فی الصُّورۃ (اعتداء کے جواب اور بدلہ کو بھی اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے صوری مشاکلت کی وجہ سے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال ؛ یہ ہے کہ ظالم کے ظلم کی وجہ سے جو اس کو سزا دی جاتی ہے وہ ظلم نہیں عدل ہے۔ لیکن یہاں ظلم کی سزا کو عدل نہیں کہا بلکہ ظلم کہا گیا۔

جواب ؛ تو علامہ سیوطیؒ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ مشاکلت صوری کی وجہ سے یا مشاکلت صوری کا لحاظ کر کے یہ عنوان اور تعبیر اختیار کی ہے اور مشاکلت صوری کلام اللہ اور کلام عرب میں شائع و ذائع ہے۔ کما فی قولہٖ تعالیٰ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔

قولہٗ فی الانتصار و ترک الاعتداء (ایک دوسرے کی امداد کرنے یا نہ کرنے میں) ترک الاعتداء سے مراد عدم انتصار یعنی ترک انتصار ہے علامہ سیوطیؒ نے محل تقوی بیان فرمایا ہے۔

قولہٗ بالعون والنصر۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ معیت وصفی مراد ہے۔ لا بالذات والمکان کیونکہ معیت بالزمان والمکان سے اللہ تعالیٰ پاک ہیں عند البعض معیت سے مراد نصرت و عون ہے۔ کما فی ہذا المقام لکنّ یقول شیخ جاجزوی رحمہ القوی ؛ میرے نزدیک معیت خاصہ مراد ہے جو بشکلِ عون و نصر ہے۔ والاّ فھو مع کل نفس بعلمہٖ و تصرفہٖ۔

قولہٗ طاعتہٖ۔ اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل طاعتہٖ کا کلمہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اشارہ کیا کہ سبیل سے حسی سبیل نہیں بلکہ معنوی سبیل مراد ہے دوم انّ السبیل مجاز عن الطاعۃ لکونہا موصلۃ الی المقصود کالطریق فلا یرد ان نسبۃ السبیل الی اللہ تعالیٰ لا یکاد ان یصح

قولہٗ الجہاد و غیرہٖ ؛ بیان جزئی سبیل معنوی کہ سبیل معنوی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ جہاد بھی ہے۔

ثانیاً تعمیم کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ

ابذلوا انفسکم واموالکم فی طاعتہ ومراضیہ سواءٌ الجہاد وغیرہ کصلۃ الرحم ومُراعاۃ الضعفاء والفقراء من عباد اللہ

قولہٗ ای انفسکم : (اپنی جانوں کو) علامہ سیوطیؒ نے جان کو ہاتھ سے تعبیر کرنے میں تسمیۃ الکل باسم الجزء الاہم کا لحاظ کیا ہے یعنی ذکر ید مراد پوری جان ہے کما فی قولہ تعالیٰ فی آیۃ اُخریٰ " وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ -

ثانیًا اشارہ کیا کہ انّ الایدی بمعنی الانفس لا بمعنی الجوارح -

اور ولا تلقوا کا تعلق قِتال (وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ) اور انفاق (وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ) دونوں سے ہے -

قولہٗ الباء زائدۃ - علامہ سیوطیؒ نے بار کی تعیین فرمائی ہے کہ باء زائدہ ہے چونکہ اَلْقٰی متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے اس لیے باء زائد ہوگی کما فی قولہ تعالیٰ فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاہُ اس میں بھی بغیر جر کے تعدیہ ہوا ہے عند البعض زائدہ نہیں بلکہ مفعول محذوف ہے ای لَاتُلْقُوْا اَنْفُسَکُمْ بِاَیْدِیْکُمْ :

قولہٗ الھلاک : اس کی دو غرضیں ہیں - اوّل لفظ الھلاک سے تہلکہ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے - دوّم اشارۃ الی انّ التھلکۃ مصدر بمعنی الھلاک -

فائدہ : علامہ مازریؒ کی رائے ہے کہ اس وزن پر کوئی دوسرا لفظ نہیں آتا لیکن ابو علی سیبویہ سے متفرقۃ تسترۃ نقل کرتے ہوئے اس کی تردید کرتے ہیں -

قولہٗ بالامساک عن النفقۃ فی الجھاد او ترکہ (رک جانا خرچ کرنے سے بیچ جہاد کے یا ترک جہاد کرنا) اس کی دو غرضیں ہیں :-

اوّل : بالامساک کی باء تصویر یہ ہے ہلاکت کی صورت بیان کی ہے -

دوّم : دفعیہ سوال مقدر ہے :-

سوال : اللہ پاک فرماتے ہیں " وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ حالانکہ ہلاکت میں تو کوئی آدمی بھی اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا -

جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے یہ جملہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ ہلاکت حسّی مراد نہیں بلکہ معنوی ہلاکت مراد ہے جو بخل سے کنایہ ہے کیونکہ امساک عن النفقہ بخل ہے۔

او ترکہ او تنولیعہ ہے اس کا عطف الامساک پر ہے، یا خرچ کرنے سے رُک گیا ہے، یا جہاد سے رُک گیا۔

قولہٗ لانہ یقوی العدو علیکم (کیونکہ اس سے تم پر دشمن قوی ہو جائیں گے) یہ عبارت نکال کر علامہ سیوطیؒ نے ہلاکت کی علت بیان کی ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ کوئی کام بھی بغیر پیسے روپے کے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سامانِ جہاد بغیر روپے کے فراہم نہیں ہو سکتا اور جہاد بغیر سامانِ جہاد کے ممکن نہیں اس لیے خرچ نہ کرنے میں اپنی تباہی اور دشمن کی طاقت مضمر ہے۔

نیز منشاء الٰہی اسراف فی الانفاق سے بچا کر اعتدال کی تعلیم دیتا ہے کہ حد سے زیادہ خرچ کرنا بھی اپنی تباہی کو دعوت دیتا ہے لیکن امام بخاری و ابوداؤد کی روایت (جو شانِ نزول میں منقول ہے) سے معنیٰ اوّل کی تائید ہوتی ہے۔

قولہٗ بالنفقۃ۔ اس کی دو غرضیں ہیں :۔ اوّل بالنفقۃ کی باء تصویر یہ ہے احسان کی صورت بیان کی ہے دوئم اشارۃ الی ان الاحسان بمعنی التفضل اور راہِ خدا پر خرچ کرنا باعثِ فضیلت ہے۔

قولہٗ غیرھا۔ اشارۃٌ الی ان حذف المفعول للتعمیم

قولہٗ ای یثیبھم (ان کو ثواب عطا فرمائیں گے) یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال۔ آیت مبارک میں لفظ یُحِبُّ ہے اور محبت میلان قلبی کا نام ہے جو حدثی چیز ہے حق تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت تو محال ہے جب کہ یہاں نسبت ہو رہی ہے۔

جواب : تو علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یُحِبُّ کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ لازمی اور مجازی معنیٰ مراد ہے یعنی ذکرِ مبادی ہے اور ارادہ معاد کا ہے۔ ذکر محبّت کا، ارادہ اس کا ثمرہ ہے اور مؤمنین کے لیے احسان کا ثمرہ ثواب کی شکل میں ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ادّوهما بحقوقهما فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ منعتم عن اتمامهما بعدوٍ او نحوه فَمَا اسْتَيْسَرَ تيسّر مِنَ الْهَدْيِ عليكم وهو شاة وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ اى لا تتحللوا حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ المذكور مَحِلَّهٗ حيث يحل ذبحه وهو مكان الاحصار عند الشافعى فيذبح فيه بنيّة التحلّل ويفرق على مساكينه ويحلق وبه يحصل التحلّل فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ كقمل وصداع فحلق فى الاحرام فَفِدْيَةٌ عليه مِّنْ صِيَامٍ لثلاثة ايّام اَوْ صَدَقَةٍ لثلاثة آصع من غالب قوت البلد على ستة مساكين اَوْ نُسُكٍ اى ذبح شاةٍ واو للتخيير وأُلحقَ به من حلق بغير عذر لانه اولٰى بالكفارة وكذا من استمتع بغير الحلق كالطيب واللّبس والدّهن

لعذر او غيره فَإِذَا أَمِنْتُمْ العدو بان ذهب اولم يكن
فَمَنْ تَمَتَّعَ استمتع بِالْعُمْرَةِ اى بسبب فراغه منها
والتحلل عنها بمحظورات الاحرام إِلَى الْحَجِّ اى
الاحرام به بان يكون احرام بها فى اشهره فَمَا
اسْتَيْسَرَ تيسر مِنَ الْهَدْيِ عليه وهو شاة يذبحها
بعد الاحرام به والافضل يوم النحر فَمَنْ لَمْ يَجِدْ
الهدى لفقده او فقد ثمنه فَصِيَامُ اى فعليه
صيام ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ اى فى حال احرامه به
فيجب حينئذ اى يحرم قبل السابع من ذى الحجة
والافضل قبل السادس لكراهته صوم يوم عرفة
للحاج ولا يجوز صومها ايام التشريق على اصح قولى
الشافعى وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ الى وطنكم مكة او غيرها
وقيل اذا فرغتم من اعمال الحج وفيه النفقات
عن الغيبة تلك عشرة كاملة جملة تاكيد لما قبلها
ذالك الحكم المذكور من وجوب الهدى او الصيام
على من تمتع لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

بان لم يكونوا على مرحلتين من الحرم عند الشافعى فان كان فلا دمّ عليه ولا صيام وان تمتّع وفى ذكر الاهل اشعار باشتراط الاستيطان فلو اقام قبل اشهر الحجّ ولم يستوطن وتمتع فعليه ذالك وهو احد الوجهين عندنا والثانى لا والاهل كناية عن النفس وأُلحِقَ بالمتمتّع فيما ذكر بالسُّنة القارن وهو من يحرم بالعُمرة والحجّ معًا اويدخل الحجّ عليها قبل الطواف وَاتَّقُوا اللّٰهَ فيما يأمركم به وينهاكم عنه وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝ لمن خالفه

ترجمہ اور حج وعمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کیا کرو (حقوق کے ساتھ دونوں کو ادا کیا کرو) پھر اگر روک دیے جاؤ (دشمن کی وجہ سے ان کی ادائیگی پوری نہ کر سکو) تو پھر جیسا کچھ میسّر (آسان) ہو ایک جانور کی قربانی (تم پر ہے یعنی بکری کی) اور اپنے سروں کو مت منڈواؤ (یعنی حلال نہ ہو تم) تا وقتیکہ قربانی (مذکور) کا جانور اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے (جہاں اس کو ذبح کیا جائے گا اور وہ رکنے کی جگہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چنانچہ حلال ہونے کی نیت سے وہیں اس کو ذبح کر کے مساکین پر خیرات کر دے اور سر منڈوا دے حلال ہو جائے گا) ہاں اگر کوئی شخص تم میں سے بیمار ہو جائے یا اسے سر کی تکلیف کی وجہ سے کوئی مجبوری ہو (مثلاً جوئیں پڑ جائیں یا دردِ سر ہو جائے اور سر منڈوا ڈالے) تو

فدیہ ہے (اس پر) وہ روزے ہیں (تین روز کے) یا صدقہ دے (تین صاع غلہ جو وہاں کا اکثر رواجی ہو چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے) یا جانور کی قربانی کرے (یعنی بکری کی قربانی دے۔ اور لفظ "اَوْ" اختیار کے لیے ہے اور اس میں وہ صورت بھی لاحق کر دی جائے گی۔ اور اگر کسی نے بلا عذر سر منڈوا ڈالا تو بدرجہ اولیٰ اس کو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ علیٰ ہذا کسی نے حلق کے علاوہ اگر خوشبو یا سِلا ہوا لباس یا تیل استعمال کر کے فائدہ حاصل کر لیا عذر سے ہو یا بلا عذر کے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔ پھر اگر تم امن کی حالت میں ہو (دشمن چلا جائے یا نہ رہے) تو جو شخص تمتع (فائدہ) اٹھائے عمرہ سے (یعنی عمرہ سے فراغت کے سبب اور ممنوعاتِ احرام جائز ہو جانے سے) اس کو حج کے ساتھ ملا کر (یعنی احرامِ حج کے ساتھ اس طرح ملا دے کہ عمرہ کا احرام ایامِ حج میں باندھ دے) پھر تو جو کچھ بھی قربانی میسّر (آسان) ہو (اس پر لازم ہے یعنی احرام کے بعد ایک بکری ذبح کرے جس کے لیے افضل قربانی کا دن ہے) پھر جس شخص کو (قربانی کا جانور) میسّر نہ ہو (جانور نہ ملنے کی وجہ سے یا قیمت پاس نہیں ہے) تو روزے ہیں (یعنی اس پر) تین روز کے روزے ہیں حج کے زمانہ میں (یعنی بحالتِ احرامِ تمتع اس لیے ساتویں ذی الحجہ سے پہلے احرام باندھنا اس پر لازم ہے اور بہتر چھٹی تاریخ سے پہلے ہے کیونکہ نویں تاریخ عرفہ کا روزہ حجاج کے لیے مکروہ ہے اور امام شافعی کے اصح قولین پر ایامِ تشریق میں ان کے لیئے روزے جائز نہیں ہیں) اور سات روزے جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجائے (اپنے وطن مکہ وغیرہ کی طرف اور بعض نے رجعتم کے معنیٰ یہ لیے ہیں کہ جب تم افعالِ حج سے فارغ ہو جاؤ۔ بہرحال اس صیغے میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے) یہ کامل دس روزے ہوئے (یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے) یہ (مذکورہ حکم متمتع پر قربانی یا روزوں کا) اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں (حرم سے ان کا فاصلہ دو مرحلوں (مدتِ سفر قصر) سے کم ہو۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اور اگر اتنی مسافت ہو تو اگرچہ تمتع کر لیا ہو تب بھی اس پر قربانی یا روزہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اہل کی شرط لگانے میں وطن بنا لینے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اگر ایام حج سے پہلے کسی نے قیام کیا مگر وطن نہیں بنایا اور تمتع کی نیت کی تو اس پر قربانی وغیرہ واجب ہوگی۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے اور دوسرے قول میں اس پر واجب نہیں ہے۔ اور اہل کنایہ ہے اپنے نفس سے اور متمتع مذکورہ کے حکم میں بحکم سنت قارن بھی داخل ہے یعنی جس نے حج و عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو، یا طواف عمرہ سے پہلے احرام حج باندھ لیا ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (جو احکام تم کو دیے گئے ہیں اور جن باتوں سے تم کو روکا گیا ہے ان سب میں) اور اس سے غافل نہ رہو کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ سخت سزا دینے والے ہیں (خلاف کرنے والے کو)

شانِ نزول لباب النقول میں صفوان بن اُمیہ سے تخریج کی ہے کہ ایک شخص زعفران لگائے ہوئے جبہ پہنے ہوئے جناب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عمرہ کے بارے میں دریافت کیا تو اس آیت پر وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ نازل ہوئی اور آپ نے عمرہ کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ثم ماکنت ما نعًا فی حجتك فاصنعه فی عُمرتك ۔

بیانِ ربط سابقہ آیت میں حرم احرام اشہر حرم میں اگر جنگ چھڑ جائے تو کیا کیا جائے۔ اس آیت میں جنگ وغیرہ کی وجہ سے حج وعمرہ میں رکاوٹ پڑ جاتے جس کو احصار کہتے ہیں تو کیا کرنا چاہیئے، حج وعمرہ وغیرہ کا اتمام اور ان کا اجتماع جس کو تمتع و قران کہتے ہیں، یہ تین مسئلے بیان کئے جا رہے ہیں گویا یہ گیارہواں حکم ہے

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ ادوھما (ادا کرو دونوں کو حقوق کے ساتھ) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّلؔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اَتِمُّوا بمعنے ادوھما نکال کر امام شافعی کے مسلک کی تائید کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک عمرہ واجب ہے۔ ودلیلھم انّ الظاھر من ھٰذہ الاٰیۃ وجوبھما لانّہ امر باتمامھا مطلقًا بلا تقیید بالشروع ثانیًا انّ المراد بالاتمام الاداء بحقوقہما ای باستجماع الشرائط والارکان فیدال علی وجوبھما ۔

لیکن یقول الشیخ جاجروی رحمۃ القوی حمل اللفظ (ای اتموا ادوا) علی ظاھرھما علی وجوب اتمامھما ولا یدلّ علی وجوب الاصل لانّ العمرۃ سنۃ عند اکثر العامّۃ العلماء فیکون ھٰذہ الاٰیۃ بیانًا لوجوب اتمامہا فعالھما بعد الشروع وحاصلہ المفھوم من کلام شیخ جاجروی رحمہ القوی المراد من الاتمام اکملوھما بعد الشروع فیھما مناسبًا للمود

الذی ہو فی واقعۃ الحُدیبیۃ اومثالہ فی قولہ تعالٰی: ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیلِ فانّہ بیان لوجوب مدّ الصیام الی اللّیل مِن غیر تعرّضٍ لوُجوب اصلہ وانّما ہو بقولہ تعالٰی: کُتب علیکم الصیام فانّ الامر باتمام فعلٍ من الافعال لیس بامرٍ باصلہ ہٰذا

دوم: علامہ سیوطی رحمہ اللہ اتمّوا کا حاصل معنی بیان کیا ہے۔

قولہ بحقوقہما یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ بحقوق کی با ملابست کی ہے، حاصلِ عبارت یوں ہے اَی ادوہما ملتبسین بحقوقہما

قولہ مُنِعْتُمْ عن اتمامہما (روک دیئے جاؤ پوری ادائیگی سے) احصرتم کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ بعدوٍ (دشمن وغیرہ کی وجہ سے) علامہ سیوطی رح نے محلِ احصار بیان کیا ہے۔

مسئلہ حنفیہ کے نزدیک احصار عام ہے، دشمن کی وجہ سے رکاوٹ ہو، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا، یا بیماری کے سبب ہو، ارشاد نبوی ہے. من کُسِرَ او عرج فقد حلّ فعلیہ الحج من قابل اور لغتاً بھی احصار کا اطلاق عام ہے، کہا جاتا ہے احصر من المرض والعدو لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک احصار صرف دشمن کا معتبر ہے، مرض کا نہیں، چونکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ شافعی المسلک ہیں اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے محل حصار صرف عدو (دشمن) نکالا ہے۔

او نحوہ علامہ سیوطی رح نے یہ کلمہ نکال کر تعمیم کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ علامہ سیوطی رح نے جلالین شریف کے خطبہ میں وعدہ فرمایا کہ میں اپنی تفسیر میں ارجح اقوال نقل کروں گا. چنانچہ اپنے قول کو سچا کرنے کے لئے اونحوہٗ کا کلمہ نکالا کر محلِ احصار میں تعمیم ہے صرف عدو نہیں بلکہ بیماری وغیرہ بھی ہے۔

قولہ تیسّر یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطی رح نے اشارہ فرمایا کہ استیسر میں سین اور تاء طلب کے لئے نہیں ہے یعنی انّ السّین لیس للطلب بل للتاکید لانّہ لا معنیٰ للطّلب ھٰھنا بل ہما بمعنیً واحدٍ کصعب واستصعب و غنیَ

واستغنی

قولہ علیکم علامہ سیوطیؒ نے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی فما استیسر مبتدا، خبر محذوف ای علیکم اور خبر محذوف کی علت یہ ہے کہ لیکون جملۃ لأن جزاءُ الشرط لایکون الا جملۃ

قولہ وھو شاۃ (یعنی بکری) تعیین ھدی ہے۔
لیکن یقول شیخ جاجروی رحمۃ القوی یہ ادنیٰ درجہ کا بیان ہے۔ والأصغر الشاۃ من النعم کالابل والبقر یجزی بالاولی

قولہ ای لا تتحللوا (یعنی حلال نہ ہو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ولا تحلقوا کا مرادی معنے بیان کیا ہے یعنی ان حلق الرأس کنایۃ عن الحل

مسئلہ | امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک صرف سر مُنڈوانے سے محصر حلال ہو جاتا ہے، قربانی سے نہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رہ کے نزدیک محصر پر حلق و قصر واجب ہی نہیں ہے وہ صرف ھدی کے ذبح ہونے سے ہی حلال ہوگا۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنے مسلک کی تائید کی ہے۔ حنفیہ حضرات کے نزدیک وَلَا تحلقوا بمعنیٰ لاتتحللوا ہوگا۔

قولہ المذکور (جس کا ذکر ہوا ہے) علامہ سیوطی نے یہ کلمہ نکال کر ایک قانون کی طرف اشارہ فرمایا ہے نورُالانوار مد میں ہے
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معرفہ کا اعادہ معرفہ کے ساتھ کیا جائے تو دوسرا معرفہ پہلے کا عین ہوتا ہے چنانچہ مقام ہذا پر بھی الھدی کا اعادہ ہے لہٰذا یہ پہلے ہدی کا عین ہے غیر نہیں چنانچہ اسی وجہ سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے المذکور سے اشارہ فرمایا ہے کہ ہدی سے مراد وہی ہدی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی ادناہ شاۃ

قولہ حیث یحل ذبحہ (جہاں اس کو ذبح کیا جائے) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ محلّہ ظرف مکان ہے۔ عند البعض والمحل بالکسر یطلق علی المکان والزمان وبالفتح علی المکان فقط ظرف مکان ثانی

سے ان حضرات کی تمدید بھی مقصود ہے جو لفظ علم کو مقدر مانتے ہیں کما قال القاضی وھو ای لاتحلوا حتّٰی تعلموا اَنَّ الھَدْیَ بلغ محلہ کیونکہ حلال ہونے کے لئے محصر کو علم ہونا ضروری نہیں، تعیین اوقات ضروری ہے۔

قولہ وھو مکانُ الاحصَارِ عندالشافعی (اور وہی رُکنے کی جگہ ہے، امام شافعی رح کے نزدیک) اس جملے میں علامہ سیُوطی رح محلّہ کی تعیین فرمارہے ہیں کہ حاجی جس جگہ پرُ رُکے گا وہی اُس کے لئے مَحِلّہ ہے۔ نیز امام شافعیؒ کے مسلک کی بھی تائید کررہے ہیں جس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں

مسئلہ امام شافعیؒ کے نزدیک مَحِلّہ سے محل احصار مُراد ہے خواہ حِل ہو یا حرم۔ امام شافعیؒ کا مُستدل واقعہ حدیبیہ ہے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے محصَر تھے، آپ نے وہیں قربانی فرمائی اور حدیبیہ حرم سے باہر حِل میں ہے لیکن امام اعظم رحمہُ اللہ کے نزدیک محلہ سے صرف حرم مُراد ہے یعنی جب تک ھَدیِ کا حرم میں پہنچنا یقینی نہ ہوجائے اس وقت تک محصَر حلال نہیں ہوگا یعنی احناف حضرات کے نزدیک حدُود حرم میں قربانی ضروری ہے اس کی صُورت یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ قربانی کا جانور بھیج کر متعین کردیا جائے کہ فلاں تک قربانی کردینا اور اندازہ کرکے اسی وقت حلال ہوجائے۔ رہا امام شافعی رح کے مستدل کا جواب تو عرض ہے۔ مکمل تشریح (اسعد المفاتیح فی حَلِّ مشکوٰۃِ المَصَابیح) زیرطبع میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے لیکن مختصرًا عرض ہے کہ حُدیبیہ کا کچھ حصّہ حرم میں ہے اور کچھ حصّہ حِل میں چنانچہ علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ مکہ سے نو میل کے فاصلے پر حدیبیہ حرم کا حِصّہ ہے، امام زُہریؒ کی روایت میں رسولُ اللہ علیہ وسلم کا حرم میں ذبح کرنے کی تصریح موجود ہے۔ فلا اشکال علیہ

قولہ فیذبح فیہ الخ یہاں سے علامہ سیُوطی رح صورت بیان کررہے ہیں۔ حلال ہونے کی یا فیذبح کی فا تفریعیہ ہے۔ حتّٰی یبلُغَ الھَدْیُ مَحِلّہ پر تفریع بتلا رہے ہیں

یقول الشیخ جاجروی رَحِمَہُ القوی حج کے جہاں اور رُکن ہیں، ان میں سے

ایک رکن حلق کرانا بھی ہے۔ یعنی حلق رکن حج ہے۔ مشرکین مکہ جب حج کرنے تو غیر اللہ کا طواف بھی کرتے، ساتھ ساتھ غیر اللہ کے لئے منت کے طور پر حلق بھی کرواتے تھے، آج کل غیر عرب مشرکین بھی ایسے کرتے ہیں جیسے ذکری فرقہ والے کوہ کاف بلوچستان میں اور نجف اشرف وکربلا معلّیٰ میں۔ دراصل یہ حج توحیدی کی نقل ہے، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں تمامی عبادات کو اپنی ذات پاک کے لئے خاص فرمایا (کما فی قولہ تعالیٰ: قُل اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) وہاں حج جیسی مبارک عبادت کو بھی اپنی ذات کے لئے خاص کرتے ہوتے فرمایا وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ یعنی ذاتِ حق

قولہ کقمّل وصُداع (جوئیں پڑجائیں یا درد سر ہو) بیان جزئی اذی ہے

قولہ فحلق فی الاحرام (حلق کرائے احرام میں) یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں (فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیْضًا اَوْبِہٖ اَذًی مِنْ رَّاْسِہٖ فَفِدْیَۃٌ) کہ جو بیمار ہو یا سر میں تکلیف ہو وہ فدیہ دے حالانکہ بغیر حلق کے تو فدیہ ہے بھی نہیں، جب کہ آیت مبارکہ میں حلق کا ذکر نہیں ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اقتضاء النص کے طور پر یہ کلمہ نکالا تاکہ جزا شرط پر مرتب ہو سکے یعنی ففدیۃ مقیّد بالحلق فدیہ معلق ہے حلق کے ساتھ کہ اس تکلیف میں حلق کرائے، پھر اس کے بدلے میں فدیہ دے۔

قولہ علیہ اشارہ فرمایا کہ ففدیۃ مبتدا۔ والخبر محذوف ای علیہ اور مقدر کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ جملہ پورا ہو جائے۔ لِاَنَّ الجزاءَ لایکون الاجملۃ

قولہ لثلثۃ ایامٍ (تین دنوں کے) تعیین محل صیام ہے۔

قولہ لثلثہ اصعٍ من غالب قوت البلد علی ستۃ مساکین (تین صاع غلہ جو وہاں کا اکثر رواجی ہو چھ مسکینوں پر تقسیم کرنے) تعیین مقدار صدقہ بیان کیا ہے بلد سے مراد مکۃ المکرمہ ہے۔

قولہ من غالب یہ تعیین ہے جنس کی یعنی جنس مشہور ہو تو وہ غلہ گندم آٹا

تین صاع گیہوں (گندم) چھ مسکینوں پر بحساب نصف صاع فی مسکین دیا جائے اور جَو یا کھجور چھ صاع بحساب ایک صاع ہر مسکین کو دیا جائے۔ نیز من غالب قُوَّۃ کی قید سے بھی علامہ سیوطیؒ امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید کر رہے ہیں لیکن عند الاحناف لَیْسَ بشرط بَل هُوَ مُخَيَّرٌ بَيْنَ اَنْ يُّعْطِي نصف صاعٍ من بُرٍّ او صاعًا من غيره

قولہ اَیْ ذَبْحُ شَاۃٍ (یعنی بکری کی قربانی دے) لفظ نُسُک معانی مختلفہ میں مستعمل ہے

۱۔ نُسُک بمعنی احکام حج كَمَا فِي قَوْلِهٖ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

۲۔ نُسُک بمعنی ذبح علامہ سیوطی رحہ نے اَیْ ذَبْحُ شَاۃٍ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مقام ہٰذا پر نُسُکٍ بمعنی ذبح ہے نہ کہ بمعنی حج یعنی تعیین احد المعانی ہے۔

قولہ داو للتخییر کلمہ اَوْ کی تعیین کی ہے کہ اَوْ تخییر کے لئے ہے نہ کہ تنویع اور شک کے لئے۔ یعنی اَیْ شَاءَ ذَبَحَ اَوْ صَامَ اَوْ تَصَدَّقَ۔

قولہ وَاُلْحِقَ بِهٖ مَنْ حَلَقَ بِغَيْرِ عُذْرٍ لِاَنَّهٗ اَوْلٰى بِالْكَفَّارَةِ۔ اور اس میں وہ صورت بھی لاحق کر دی جائیگی اگر کسی نے بلا عذر سر منڈوا ڈالا تو بدرجہ اولےٰ اس کو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ کی عادت مبارکہ ہے کہ آیت سے مفہوم موافق کے مطابق اگر کوئی مسئلہ واضح طور پر بیان ہو رہا ہو تو اس کا مفہوم مخالف ضرور بیان کر دیتے ہیں بشرطیکہ وہ مفہوم مخالف اس مسئلہ کے خلاف بھی نہ ہو یا اس سے کسی نہ کسی شکل میں کوئی اور مسئلہ بیان ہو رہا ہو مثلاً آیت مبارک سے یہ مسئلہ واضح ہو رہا ہے کہ مریض وغیرہ کے لئے حلق کی اجازت ہے لیکن فدیہ روزے صدقہ دے گا، چاہیئے تو یہ تھا بظاہر مریض وغیرہ کو من کل الوجوہ رخصت ہوتی، فدیہ روزے صدقہ نہ دینے پڑتے مگر شریعت نے اُن کو بھی اُمورِ ثلاثہ (فدیہ، روزے، صدقہ) سے مستثنٰی قرار نہیں دیا تو جو مریض بھی نہیں اور حلق کراتا ہے وہ تو اُمورِ ثلاثہ کا بطریق اولےٰ پابند ہوگا۔ خلاصۃ الکلام علامہ سیوطی رحہ نے یہ جملہ نکال کر مفہوم مخالف بیان کیا ہے۔

قولہ وکذا من استمتع بغیر الحلق بیان مقیس علیہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آدمی بغیر حلق کے نفع اٹھاتا ہے خواہ معذور رہو یا نہ ہو وہ بھی اُمورِ ثلاثہ کا پابند ہوگا۔

قولہ کالطیب واللبس والدھن (مثل خوشبو اور لباس پہننے اور تیل لگانے کے) بیان جزئی مقیس علیہ ہے لیکن یہ یاد رہے کہ وَاللبسُ سے مُراد مطلقاً پہننا نہیں بلکہ سلا ہوا کپڑا یا سَر کا ڈھانپنا مُراد ہے کیونکہ سَر کا ننگا رکھنا محرم کے لئے شرط ہے۔

قولہ العدو (دشمن) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اَمِنْتُمْ کا مفعول بہ نکالا ہے یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

قولہ بان ذھب اولم یکن (چلا جائے یا نہ رہے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل اس کی بات تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے امن کی صورت بیان کی ہے۔ دوم: امن کا حصول دو قسم ہے:۔

۱: ابتداءً کہ دشمن ابتداء میں نہ ہو۔

۲: انتہاءً پہلے دشمن کا خطرہ تھا بعد میں ختم ہوگیا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے دونوں قسم بیان کئے ہیں۔ بان ذھب انتہاء کو اور اولم یکن سے ابتداء کو ذکر فرمایا:

قولہ استمتع (فائدہ) تمتع کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ

قولہ ای بسبب فراغہ منھا والتحلل عنھا (یعنی عمرہ سے فراغت کے سبب) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ بالعُمْرَۃ کی با سببیہ ہے یعنی بفراغ عُمرہ۔

قولہ والتحلل بمحظورات الاحرام (اور ممنوعات احرام جائز ہو جانے سے) حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی فمن تمتع کا متعلق محذوف ہے اَیْ شَیْءٌ مِّنْ مَّحْظُوْرَاتِ الْاِحْرَامِ عند البعض با صلہ تمتع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایام حج میں حج کے نفع حاصل سے پہلے عمرہ سے نفع حاصل

کرے۔ تقدیرِ عبارت ایسے ہوگی فمن تمتّع بالعُمرةِ مقرونۃ مضمونۃ الی الحج

قولہ ای الاِحرامُ بہ حذف مُضاف کی طرف اشارہ کیا ہے ای الی آن یحرم بالحج

قولہ بان یکون احرم بھا فی اشھرہ (احرام حج کے ساتھ اس طرح ملادے کہ عمرہ کا احرام ایامِ حج میں باندھ دے) باان کی با۔ تصویریہ ہے تمتع کی صُورت بیان کی ہے۔ لیکن :۔

یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی اصل میں یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال یہ ہے کہ یشترط فِی التمتّع اِتّصالِ اِحرامِ الحجّ باتمامِ العُمرۃِ جبکہ یہ صُورت یہاں نہیں۔

جواب فقال لا بل یشترط ان یکون العُمرۃ فی اشھر الحجّ یہ اصلی نفع ہے کہ اشھرِ حج کے اندر عمرہ ہوجاتے۔

قولہ تیسّر قد مرّ غرضہٗ آنفًا

قولہ علیہ قد مرّ غرضہٗ فی جملۃ ففدایۃ علیہ

قولہ وھو شاۃ تعیین ہدی ہے۔

قولہ بعد الاحرام ھذا بیان لوقت وجوب الدّم۔

قولہ والافضل بیان فضیلت ہے۔

قولہ الھدی مفعول ہے لم یجد کا یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہ اولفقدہٖ اَوْ فَقْدِ ثمنہ (جانور نہ ملنے کی وجہ سے یا قیمت پاس نہیں ہے) اس کی دو غرضیں ہیں : اوّل فمن لم یجد کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔ دوّم : عدمِ وجدان دو قسم ہے :۔

(۱) خود ھدی نہیں ہے یعنی قیمت ہے مگر جانور نہیں ملتا۔

(۲) جانور موجود ہے مگر قیمت پاس نہیں ہے یعنی قوت خرید نہیں ہے، علامہ

سیوطی رحمۃ اللہ نے دونوں صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ لفقدہ سے صورت اول اور فقد ثمنہ سے صورت دوم بیان کی ہے۔

قولہ فعلیہ صیام (یعنی اُس پر روزے ہیں) اشارہ کیا کہ فصیام مبتدا وخبرہ محذوف ای فعلیہ

قولہ ای فی حالِ احرامہ (یعنی بحالت احرام تمتع) اشارہ فرمایا کہ مضاف مقدر ہے

قولہ فیجب حینئذٍ اَن یحرم قبل السّابع الخ یہاں سے علامہ سیوطی رح ایک مسئلہ کی وضاحت فرما رہے ہیں، جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

خلاصۃ المسئلۃ: امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک چونکہ ۹، ذی الحجہ کا روزہ مکروہ ہے اسلئے ۶، ۷، ۸، تین دن روزے رکھے۔ (ابوداؤد شریف صہ ۳۲۸ جلد اوّل کتاب الصّیام باب فی صوم عرفہ میں روایت ہے نَهیٰ رسُولُ اللّٰہِ صلیَّ اللّٰہُ علیہ وسلّم عن صَومِ یومِ عَرَفة لیکن حنفیہ کے نزدیک ۹، تاریخ کے روزے کی کراہیت مطلقا نہیں ہے بلکہ صرف اس شخص کے لئے مکروہ ہے جس کو روزے کی وجہ سے تکلیف اور دشواری ہو، البتہ حدیث کی وجہ سے حنفیہ اور شوافع کے نزدیک ایام تشریق ۱۰-۱۱-۱۲ کو روزہ کی ممانعت ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اور امام شافعی کا قول قدیم جواز کا ہے۔ دار قطنی کی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ متمتع کے لئے اگر ہدی نہ ملتی ہو تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایام تشریق کے روزوں کی اجازت فرمائی ہے۔

قولہ الی وطنکم الخ رجوع سے کیا مُراد ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے ایک قول کے مطابق اس کے معنیٰ حج سے فراغت کے ہیں، چنانچہ مکہ مکرمہ میں یا راستہ میں سات روزے پورے کئے جا سکتے ہیں اور بعض کے نزدیک رجوع سے گھر اور وطن پہنچنا مراد ہے امام شافعی رحمۃ اللہ کا اصح قول یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رض کی روایت کے مطابق بعض نے توسع کرتے ہوئے راستہ کو بھی وطن پہنچنے میں شمار کیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ چونکہ شافعی المسلک ہیں اپنے مسلک والے قول کو بغیر قیل کے نقل کیا۔ احناف کے قول کو قیل سے تعبیر کیا جو نشانی ضعف ہے۔

قولہ وفیه التفات عن الغیبة (بہر حال اس صیغہ میں غائب سے حاضر کی طرف رجوع ہے) یعنی رَجَعَ سے رَجَعْتُمْ ہوا ہے یہ تفنن فی العبارت ہے۔ اس کو علمِ معانی میں بیانِ نکتہ بھی کہتے ہیں لیکن اسکی مکمل تشریح علامہ سمینی حلبیؒ نے "الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون" میں فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں: وَفِیْ قوله رجعتم شیئان احدهما التفات والآخر الحمل علی المعنی

اما الالتفات (فان قبله فمن تمتع فمن لم یجد فجاء بضمیر الغیبة عائدًا علی مَنْ فلو سیق هذا علی نظم الاول لقیل اذا رجع بضمیر الغیبة وَاَمَّا الحمل فلانه اتی بضمیر جمع اعتبارًا بمعنی (من) ولو راعی اللفظ لافرد فقال (رجع)

قولہ جملة تاکید لما قبلها (یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے) یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال واو بمعنی اَوْ اور اَوْ تخییر کے لئے بھی آسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ متمتع کو اختیار ہے کہ تین روزے رکھے یا سات حالانکہ شریعت نے اس کو اختیار نہیں دیا۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس احتمال کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ واؤ بمعنی اَوْ نہیں بلکہ یہ جملہ ماقبل کی تاکید ہے جس سے اختیار کی نفی ہوجاتی ہے۔

یقول الشیخ جاجروی رحمه القوی عام طور سے چونکہ عرب حسابی اعتبار سے نابلد تھے حتیٰ کہ مائة اور الف کے علاوہ زائد اعداد کے لئے الفاظ ہی وضع نہیں ہیں اس لئے یہاں مجموعی روزوں کا عدد بیان کر دیا۔

قولہ الحکم المذکور مِنْ وُجُوْبِ الهدی او الصیام (یہ حکم مذکور

متمتع پر قربانی یا روزوں کا) ذٰلِكَ کے مشار الیہ میں فقہاء حضرات کا اختلاف ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اپنے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے حکم مذکور کو قرار دیا ہے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آفاقی کی طرح مکی کے لئے بھی تمتع اور قران کی اجازت ہے لیکن مکی متمتع حکمی ہوگا۔ اس پر دم واجب نہ ہوگا۔ جبکہ امام اعظمؒ اور امام مالک رحمہ کے نزدیک یہ دونوں حق صرف آفاقی کے لئے ہیں۔ مکی کے لئے صرف حج افراد ہے کیونکہ عمرہ کی سہولتیں اس کو ہر وقت حاصل ہیں۔ باہر کے حجاج کے پاس مختصر اور محدود وقت ہوتا ہے، ان کو محروم کرنا یا اُن کی مشکلات میں اضافہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی مکی نے تمتع یا قران کیا تو دمِ جنایت دینا پڑے گا۔ اس لئے ذٰلک کا اشارہ تمتع کی طرف ہے اگر اس سے مُراد بقولِ امام شافعی رحمہ اللہ دم ہوتا تو بجائے ذالک کے مِنْ کہنا چاہیئے تھا۔

باقی الحکم المذکور یہ بیان مشار الیہ ہے اور من وجوبِ الہدی تعیین مشار الیہ ہے۔

قولہ بان لم یکونوا علی مرحلتین من الحرم عند الشافعیؒ

(حرم سے ان کا فاصلہ دو مرحلوں (مدتِ سفرِ قصر) سے کم ہو، امام شافعی رحمہ کے نزدیک) اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّلؔ بانْ کی با تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اپنے مسلک کے مطابق حَاضِرِ المَسْجِدِ الحَرَامِ کی تصویر بیان کی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف اہلِ مکہ حاضرِ المسجد الحرام ہوں گے۔ امام طحاوی رحمہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے اور امام طاوسؒ کی رائے ہے کہ صرف اہلِ حرم مُراد ہیں جبکہ امام اعظم کے نزدیک مکی اور میقاتی لوگ حاضرینِ مسجدُ الحرام کہلائیں گے لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے جو مَرحَلَتَانِ کی قید لگائی ہے، یہ امام شافعیؒ کی رائے ہے ان کے نزدیک مدتِ سفر سے کم مسافت پر مکہ سے جو لوگ رہتے ہیں وہ بھی حاضرِینِ مسجدُ الحرام میں شمار ہوں گے۔

دومؔ: علامہ سیوطی رحمہ نے اشارہ فرمایا کہ فالحاضرُ ضدُّ المسافرِ لا بمعنی الشاهد

قولہ فان کان فلا دم علیه ولا صیام وان تمتع (اور اگر اتنی مسافت

ہو تو اگرچہ تمتع کرلیا تب بھی اس پر قربانی یا روزہ واجب نہیں ہوگا) ھٰذا بیانُ لمفهوم المُخالف اور کَانَ کا ضمیر حَاضِرِ المَسجِدِ الحرام کی طرف راجع ہے، علامہ سیوطیؒ کے نزدیک چونکہ مفہوم مخالف معتبر ہے اس لئے انہوں نے مفہوم مخالف نکالا ہے۔

قولہ وفی ذکر الاھل اشعار باشتراط الاستیطان (اور اہل کی شرط لگانے میں وطن بنا لینے کی طرف اشارہ ہے) انسان جہاں رہائش رکھتا ہے اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اوّلؔ: استیطان وطن بنانا۔ دوّم: اقامۃ صرف رہائش رکھنا۔ علامہ سیوطی رحؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مقام ہٰذا پر اہل سے مُراد استیطان (وطن بنانا) ہے نہ کہ اقامۃ یعنی اہل کے ذکر کرنے کی وجہ اوّل کا بیان ہے۔

قولہ فلو اقام قبل اشھر الحج ولم یستوطن الخ فلو کی فا تفریعیہ ہے۔ علامہ سیوطیؒ اہل سے استیطان مُراد لیتے ہوئے اس پر تفریع بتلاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ایام حج سے پہلے کسی نے قیام کیا مگر وطن نہیں بنایا اور تمتع کی نیت کی تو اس پر قربانی واجب ہوگی یعنی فعلیہ ذالك سے هَدی اور صیام مُراد ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ چونکہ شافعی المسلک ہیں، اس لئے امام شافعی رحؒ کے دو قول نقل کرتے ہیں۔ اوّلؔ: ایک قول میں قربانی و روزے واجب ہیں

دوّمؔ: دوسرے قول میں اس پر واجب نہیں ہیں۔

قولہ والاھل کنایۃ عن النفس یہاں سے وجہِ ثانی کا بیان ہے۔

لیکن یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی علامہ سیوطی رحؒ نے اہل کنایہ نفس سے کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ یہ اس محرم کے لئے ہے کہ اس کا نفس یعنی وہ خود محرم مسجد حرام کا باشندہ نہ ہو، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اہل سے مُراد بیوی بچے لئے جائیں۔

قولہ وَاُلحِقَ بالمتمتع فیما ذکر بالسنۃ القارِن (اور متمتع مذکورہ کے حکم میں بحکمِ سنّت قارن بھی داخل ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال | یہ ہے کہ اِنَّ التخصیص بالذکر یدُلّ علیٰ نفی ماعداہ یعنی

جب اس کو تمتع بنایا تو قِران کی ضرورت نفی جس کا ثبوت تو نہیں ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ مقدر فرما کر اشارہ کیا کہ قِران کا ثبوت حدیث پاک سے ثابت ہے۔ فیما ذکر اس سے وجوب ھدای یا اس کا بدل مُراد ہے۔

قولہ وھو من یحرم بالعمرۃ الخ یہاں سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ قارن کی تعریف کر رہے ہیں اور قارن کی دو تعریفیں کی ہیں۔

اوّل یہ کہ جس نے حج وعمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو۔

دوئم **قولہ او یدخل الحج علیھا قبل الطواف** یا طواف عمرہ سے پہلے احرام حج باندھ لیا ہو۔

قولہ فیما یامرکم بہ وینھاکم عنہ (جو احکام تم کو دیئے گئے ہیں اور جن باتوں سے تم کو روکا گیا ہے ان سب میں) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل: محل تقوٰی بیان فرمایا ہے۔

دوئم: اشارہ فرمایا کہ (اتقوا۔ فعل) ان ترک المفعول للعموم

قولہ لمن خالفہ (خلاف کرنے والے کو) اس کی دو غرضیں ہیں:

اوّل محل عقاب ہے۔

دوئم انما قدرہ لبیان ربطہ کہ شدید العقاب ہے لیکن کس کے لئے یہ مذکور نہیں تھا تو علامہ سیوطی رحہ نے یہ کلمہ نکالنے کا اشارہ فرمایا کہ مخالفین کے لئے شدید العقاب ہے۔

بیانِ فوائد

حج کی تین قسمیں حج کی تین قسمیں ہیں:۔

اول: حج اِفراد کہ ایام حج میں صرف حج کا احرام باندھا جائے یہ آفاقی اور مکی سب کے لئے جائز ہے۔ امام شافعی رحہ کے نزدیک

سب سے افضل یہی طریقہ ہے
دوئم : حج تمتع۔ حج اور عمرہ دو الگ الگ احراموں کے ساتھ ایک ہی زمانے حج میں ادا کئے جائیں۔ بعض آئمہ کے نزدیک سب سے افضل قسم یہی ہے۔
سوئم : حج قران زمانہ حج میں ایک ہی احرام کے ساتھ حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی جاتے ہ حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل قسم یہی ہے کیونکہ مشقت اور کام سب سے زیادہ اس میں ہے۔ تمتع اور قران دونوں حنفیہ کے نزدیک صرف آفاقی کے لئے ہیں جو میقات کی حدود سے باہر کا رہنے والا ہو۔ حدود کے اندر رہنے والے کے لئے اجازت نہیں ہے۔

حضوری مجلس شیخ میں واردین مسافرین کا خیال رکھنا | صوفیائے کرام نے ذٰلِكَ

لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے دلیل پکڑتے ہوئے لکھا ہے کہ جو لوگ شیخ کی خدمت میں پہلے سے حاضر رہتے ہوں، اُن کو چاہیئے کہ دُور سے آنے والے واردین مُسافرین کا جو شیخ کے پاس آئیں، خیال اور رعایت رکھیں یعنی ان کو فیض حاصل کرنے کا موقع دیں۔

اَلْحَجُّ وقته اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ شوال وذوا القعدة وعشر لَيَالٍ من ذِي الحجة وقيل كله فَمَنْ فَرَضَ على نفسه فِيْهِنَّ الْحَجَّ بالاحرام به فَلَا رَفَثَ جماع فيه وَلَا فُسُوْقَ معاصى وَلَا جِدَالَ خصام فِي الْحَجِّ وفى قراءة بفتح الاولين والمرادُ فى الثلثة النّهى وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

خَيْرٍ كصدقة يَعْلَمْهُ اللّٰهُ فيجازيكم به ونزل فى اهل
اليمن وكانوا يحجّون بلا زاد فيكونون كلاًّ على النّاس
وَتَزَوَّدُوْا ما يبلغكم بسفركم فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ
التَّقْوٰى ما يتّقى به سوال النّاس وغيره وَاتَّقُوْنِ يٰأُولِى
الْأَلْبَابِ ذوى العقول لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فى اَنْ
تَبْتَغُوْا تطلبوا فَضْلًا رزقًا مِّنْ رَّبِّكُمْ بالتجارة فى
الحجّ نزل ردًّا لكراهتهم ذالك فَإِذَآ اَفَضْتُمْ
دفعتم مِّنْ عَرَفٰتٍ بعد الوقوف بها فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
بعد المبيت بمزدلفة بالتّلبية والتّهليل والدّعاء عِنْدَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وهو جبل فى اخر المزدلفة يقال له
قزح وفى الحديث انّه صلّى اللّٰهُ عليه وسلّم وقف به
يذكر اللّٰه ويدعوا حتّى اسفر جدًّا رواه مسلم
وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ لمعالم دينه ومناسك حجّه
وَالكاف للتّعليل وَإِنْ مخفّفة كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ قبل
هداه لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ثُمَّ اَفِيْضُوْا يا قريش مِنْ حَيْثُ
اَفَاضَ النَّاسُ اى من عرفة بان تقفوا بها معهم

وکانوا یقفون بالمزدلفة ترفعًا عن الوُقوف معهم وثمّ للترتیب فی الذکر وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ من ذُنُوبکم اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ للمؤمنین رَّحِیْمٌ بهم

ترجمہ

حج (کا زمانہ) چند مقررہ مہینے ہیں (شوال، ذلقعدہ، ذی الحجہ کی دس راتیں اور بعض کے نزدیک پورا ذی الحجہ) چنانچہ جو شخص مقرر کرلے (اپنے اُوپر) ان دنوں میں حج (احرام باندھ کر) پھر نہ کوئی فحش بات (جماع) ہے اور نہ کوئی حکم عدولی (نافرمانی) سے اور نہ کسی طرح کا جھگڑا (تکرار) ہے، حج کے ساتھ (اور ایک قرأت میں رَفَثَ اور فُسُوْقَ میں فتحہ پڑھا گیا ہے اور ان تینوں لفظوں سے مراد دراصل نہی ہے) اور جو نیک کام (صدقہ وغیرہ) کروگے، اللہ تعالےٰ اس سے بے خبر نہیں ہے (اس لئے وہ تم کو اس کا بدلہ عنایت فرمائیں گے اور اہلِ یمن جو بلا سروسامان حج کے لئے نکل پڑتے تھے اور لوگوں پر بوجھ بنتے تھے، ان کے متعلق حکم نازل ہوا کہ) اور سروسامان ضرور ساتھ لے جایا کرو (سفر میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے) کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے (لوگوں سے سوال وغیرہ کا پرہیز رکھنا ہے) اور مجھ سے ڈرتے رہو اے دانشمندو (ذی عقل لوگو) نہیں اُوپر تمہارے گناہ (اس میں) کہ تلاش (طلب) کرو اپنے پروردگار کے فضل (رزق) کو (حج میں بذریعہ تجارت جو لوگ اس کو مکروہ سمجھتے تھے) ان کے جواب میں یہ حکم نازل ہوا ہے) پس جب واپس ہونے (لوٹنے) لگو، عرفات سے (وقوف عرفہ کے بعد) تو اللہ کا ذکر کیا کرو (مزدلفہ میں شب باشی کرکے تلبیہ اور لا الٰہ الا اللہ اور دُعاء کرتے رہا کرو) مشعرِ حرام کے پاس (یہ مزدلفہ کے آخر میں پہاڑ ہے جس کو قزح کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر قیام فرمایا اور اچھی خاصی صبح ہونے تک ذکر اللہ اور دُعا میں مشغول رہے (رواہُ مُسلم) اور اللہ تعالےٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (احکامِ دین اور مسائل حج اور

کاف کما میں تعلیلیہ ہے) اور فی الحقیقت (ان مخففة من المثقلة ہے اِن نافیہ نہیں ہے) اس (ہدایت سے پہلے) تم بھی ناواقف محض تھے پھر تمہارے لئے ضروری ہے (اے قریش) کہ اس جگہ ہو کر واپس آؤ، جہاں اور لوگ جا کر واپس آتے ہیں یعنی عرفہ سے اس طرح کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف بعرفہ کرو۔ قریشی دوسروں کے ساتھ وقوف کرنے سے خود کو بالاتر سمجھتے ہوئے مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے ثمَّ یہاں ترتیب ذکری کے لئے ہے) اللہ جل شانہ کے سامنے (اپنے گناہوں سے) توبہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے (مؤمنین کو) اور رحم فرمائیں گے (ان پر)

بیانِ شانِ نزول

امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اہلِ یمن حج کے لئے بغیر سرو سامان کے نکل کھڑے ہوتے تھے اور خود کو متوکلین علی اللہ کہتے تھے اس پر آیت وَتَزَوَّدُوْا نازل ہوئی۔ کما قالہ السیوطی باقی آیات کے شانِ نزول ساتھ ساتھ بیان ہوتے جائیں گے۔

بیانِ ربط

یہ آیات بھی احکامِ حج کا تتمہ و تکملہ ہیں جس میں حج کے لئے زرِ سامان کی تاکید اور وقوف بعرفہ و مزدلفہ و منیٰ کے احکام اور حجاج کے اقسام کا بیان

بیان اغراض جلالین

قولہ وقتہ (زمانہ) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ حج کا اطلاق اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ پر درست نہیں کیونکہ اشہر زمانی چیز ہے جبکہ حج ارکانی چیز ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی بیان مضاف مقدر ہے۔ اصل عبارت تھی الحجّ ای وقت الحج

قولہ شوّال و ذوالقعدۃ تعیین اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ہے۔

قولہ عشر لیال (دس راتیں) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے شوافع حضرات کی طرز پر تفسیر کی ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ کی تشریح

شوال اور ذوالقعدہ تو بالاتفاق حج کے مہینے ہیں ذوالحجہ میں تین قول ہیں۔

قولِ اوّل: امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک دسویں رات ذوالحجہ تک اشہر حرم ہیں۔ دسواں دن اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ احرام کا آخری وقت اس رات تک ہے اس کے بعد نہیں اور شوال سے پہلے احرام بکراہت جائز ہے البتہ افعال حج پہلے نہیں کئے جاسکتے مثلاً کسی نے رمضان میں اگر طوافِ قدوم یا سعی کی تو یہ کافی نہیں بلکہ سعی کو دُہرانا پڑے گا۔

قول دوم: دوسرا قول امام اعظم کا ہے کہ دس دن پورے ذوالحجہ کے ہیں یعنی دسویں تاریخ کا دن بھی اسمیں داخل ہے کیونکہ حج کے مناسک اور افعال دن میں بھی کئے جاتے ہیں نیز تحدید وقت کا مطلب امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ ان ایام سے پہلے افعالِ حج نہ کئے جائیں یہ مطلب نہیں کہ مؤخر بھی نہ کئے جائیں، چنانچہ طوافِ زیارت دس تاریخ کے بعد آخرِ ماہ تک جائز ہے۔

قول سوم: امام مالکؒ کے نزدیک پورا ذی الحجہ اشہرِ حج ہے یعنی طواف زیارت آخر ماہ تک کرنا جائز ہے جس کو علامہ سیوطی رح نے و قیل کلّہٗ سے تعبیر کیا ہے۔

قولہٗ علیٰ نفسہٖ: فرض کا صلہ بیان کیا ہے۔

قولہ بالاحرام بہ (احرام باندھ کر) اسکی دو غرضیں ہیں:

اوّل: بالاحرام کی باء تصویریہ ہے علامہ سیوطی رح نے فرضیتِ حج کی صورت بیان کی ہے

دوّم: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ چونکہ شافعی المسلک ہیں اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے بالاحرام کی قید لگائی جس سے مقصود امام اعظم رح کے قول سے احتراز مقصود ہے۔ یعنی فالتقیید بالاحرامِ احترازٌ عَنْ قولِ ابی حنیفۃ رح فانَّ الفرضیۃ عند ابی حنیفۃ بالتَّلبیۃ او السَّوْقِ الھَدْیِ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رح کے نزدیک تصحیح احرام

کے لئے نیت ضروری ہے اور حنفیہ کے نزدیک تلبیہ یا سوق ھدی سے بھی احرام درست ہو جاتا ہے۔

قولہ جماع رفث کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی حج کے گناہ دو قسم ہیں:

اوّل: وہ گناہ جو فی نفسہٖ ہر مقام پر بڑے ہیں مثلاً زنا، چوری، غیبت گالی گلوچ وغیرہ

دوم: فی نفسہٖ تو گناہ نہیں مگر مقام اور وقت کے لحاظ سے بڑے ہیں مثلاً بیوی سے مجامعت کرنا، خوشبو لگانا، سلا ہوا کپڑا پہننا۔ یہ ساری چیزیں بُری نہیں لیکن بحالت احرام بُرے بن جاتے ہیں کہ ان کے کرنے سے دَم واجب ہو جاتا ہے لہٰذا رَفَث سے مُراد گناہ کی دوسری قسم ہے۔

عند البعض رفث سے مُراد بے حجاب باتیں جو انسان اپنی بیوی سے کرتا ہے کیونکہ سابقہ زمانے میں حج کے لئے دو دو سال کا وقت لگ جاتا تھا۔ انسانی مزاج کے تحت غلبۂ شہوت کی وجہ سے جماع کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے روک دیا۔

قولہ فیہ انما قدر فیہ اشارۃً الیٰ انّ خبر لا مقدر لیکون جملۃ لانّہ جزاء

قولہ معاصی۔ فسوق کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ خصام یہ جدال کی تفسیر بیان کی ہے۔

فائدہ فی الحجّ ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں اشارہ اس کی اہمیت اور علت حکم کی طرف ہے کہ بیت اللہ کی زیارت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان خرافات کو چھوڑا جائے۔

قولہ وفی قراءۃ بفتح الاولین (اور ایک قراءت میں رفث اور فسوق میں فتحہ پڑھا گیا ہے) بیان قراءت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن کثیر اور ابو عمرو کی قراءت میں اوّلین (رفث و فسوق) کا رفع اور تیسرے کا فتحہ اور ان دونوں قرّا کے علاوہ کے نزدیک سب کا فتحہ ہے۔

قولہ والمُراد فی الثلاثۃ النّھی (اور ان تینوں لفظوں سے مُراد دراصل نہی ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ فَلَا رفث ولا فسُوق الخ یہ جُملہ خبریہ ہے اور جزاء ہے حالانکہ جزاء انشاء ہوتی ہے نہ کہ خبر۔

جواب تو علامہ سیُوطی رحمۃُ اللہ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ کیا کہ نفی بمعنیٰ نہی مبالغہ کے لئے ہے اور نہی جزا بن سکتی ہے۔

قولہ کصَدَقۃ (صدقہ وغیرہ) خیر کی جزاء کا بیان ہے۔

قولہ فیجازیکم بہ (اس لئے تم کو اس کا بدلہ عنایت فرمائیں گے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال انّ اللہ تعالیٰ عالم بمایفعلون من خیرٍ او شرٍّ فما وجہُ التّخصیصِ الخیر

جواب یہ ہے کہ ذکر علم مُراد جزاء ہے یعنی انّ المُراد من علمہ تعالیٰ المُجازاۃ علیہ فکل مَن یَعلمُ انہ تعالیٰ یُجزیہ علی الخَیرِ یحُثُّ علیہ

قولہ وَنزَلَ فی أھلِ الیمَن آئندہ آیت کا شانِ نزول بیان کر رہے ہیں۔ کلًّا علی الناسِ (بفتح الکاف والتشدید بمعنیٰ الثقل والوزر)

قولہ مایبلغکم بسَفرِکم (سفر میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے) اشارہ کیا کہ تزوّدوا کا مفعول محذوف ہے وھو مایبلغکم الخ لا التقویٰ کما قیل ان تقدیرہٗ وتزوَّدُوا التقویٰ

قولہ ما ینتقی بہٖ سوال النّاس (لوگوں سے سوال وغیرہ کا پرہیز کرنا ہے) اس کی دو غرضیں ہیں :-

اوّلاً تقویٰ کا حمل زاد پر صحیح نہیں ہے کیونکہ زاد تقویٰ نہیں بلکہ زاد۔ متقی بہ ہے لہذا امام سیُوطی رحہ نے اشارہ فرمایا کہ تقویٰ ماینتقیٰ بہ کے معنیٰ میں ہے۔

دوم اشارہ فرمایا کہ وتزوّدوا بمعنی الحقیقی وھو (توشہ گرفتن) والتقوٰی بالمعنی اللغوی ای الاتقاء عن السوال لا بمعنی الشرعی (یعنی خوف خدا) قولہ وغیرہ ای کالغضب والسرقہ

قولہ ذوی. ذوی تفسیر اولیٰ ہے

قولہ العقول اشارۃ الی انّ المراد باللّب العقل الخالص یعنی عقول الباب کی تفسیر ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ فی ان تبتغوا سے پہلے فی مقدر نکال کر ظرف کی طرف بحذف الجار اشارہ کیا ہے۔ اِنَّ اور اَنَّ پر قیاس کرتے ہوئے اور اس کا تعلق لَاجُنَاحَ سے ہے۔

قولہ تطلبُوا (تلاش) تبتغوا مختلف معانی میں مستعمل ہے تبتغوا بمعنی زیادتی بھی ہے۔ تبتغوا بمعنے طلب و تلاش بھی ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تطلبوا کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا۔ تبتغوا طلب کے معنیٰ میں ہے نہ کہ زیادتی کے معنیٰ میں یعنی تعیین احد المعانی ہے۔

قولہ رزقًا (رزق کو) علامہ سیوطیؒ نے فضل کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے۔

سوال | رزق پر فضل کا اطلاق کیوں کیا گیا ہے؟

جواب اوّل | رزق پر فضل کا اطلاق اس لئے کیا کہ انسانوں کے لئے روزی کا بندوبست کرنا ذاتِ باری تعالےٰ پر واجب نہیں ہے محض اپنے فضل و کرم سے روزی عطا کر رہے ہیں۔

جواب دوم | اُصول یہ ہے کہ نعمتِ اُخرویہ پر رحمت کا اطلاق ہوتا ہے جیسے دخولِ مسجد کے وقت دعا میں طلبِ رحمت کی درخواست ہے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور نعمتِ دنیویہ پر فضل کا اطلاق ہوتا ہے۔ کمافی قولہ تعالیٰ: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ تو چونکہ رزق کا اطلاق نعمت دنیویہ پر ہوتا

ہے اس لئے فضل سے تعبیر فرمایا ہے۔

قولہ بالتجارۃ کی باء تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے طلب فضل رب کی صورت بیان کی ہے۔

عند البعض باء سببیہ ہے یعنی تجارت فضل رب کا سبب ہے، اس کی مزید تشریح فوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ فی الحج یہ تبتغوا کے متعلق ہے۔

قولہ نزل ردًا لکراھتھم ذلك (جو لوگ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ ان کے جواب یہ حکم نازل ہوا ہے) آئندہ آیت کے شانِ نزول کا بیان ہے۔

شانِ نزول امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ عکاظ اور ذوالمجاز اور مجنۃ مکہ مکرمہ کے بازار تھے جن میں زمانہ جاہلیت سے بازار لگتے تھے بسلسلۂ حج لوگوں نے کاروبار کرنے میں تامل کا اظہار کیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا اس پر آیت لَیْسَ علیکم جُناحٌ نازل ہوئی۔

قولہ دفعتم علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے افضتم کا لفظی معنیٰ بیان کیا ہے اصل عبارت یہ تھی افضتم انفسکم مفعول کو ترک کر دیا گیا ہے کما حذف فی دفعت عن البصرۃ

قولہ بعد الوقوف بھا (وقوف بعرفہ کے بعد) یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ فَاِذَا اَفَضْتُمْ شرط فاذکروا اللہ جزا ہے اور جزا بظاہر شرط پر متفرع نہیں ہوتی کیونکہ وقوفِ مزدلفہ وقوفِ عرفات کے بعد ہوتا ہے جبکہ قرآنِ مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفات سے واپس آؤ تو وقوفِ مزدلفہ کرو، ثانیاً، عرفات سے مطلقاً آنا تو جائز نہیں ہے بلکہ وقوف کرے اور پھر آئے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ افاضہ لغوی نہیں ہے،

بلکہ شرعی ہے جو وقوف کے بعد ہے یعنی ذکرِ مُطلق افاضہ کا ہے اور مُراد مقیدبافاضہ (یعنی بعداز وقوف) ہے

قولہ بعد المُبیت بمُزدلفة (مزدلفہ میں رات گزار کے) یہ جملہ بھی دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ فاذکروا اللہ میں فاء تعقیب کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ بعداز وقوف عرفات مشعرِ حرام پر ذکر کرو، حالانکہ ذکر تو صبح کو شروع ہوتا ہے اور دسویں کی رات مُزدلفہ میں گزارنی پڑتی ہے تو یہ ذکر عرفات کے بعد متصل نہیں ہے لہٰذا فاء تعقیب کی نہیں بن سکتی۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ تعقیب مع الوصل نہیں بلکہ مع الفصل ہے تو مطلب یہ بنا کہ رات مزدلفہ میں گزار کر مشعرِ حرام پر ذکر کرو۔

قولہ بالتلبیة والتھلیل والدعاء (لبیک لا الٰہ الا اللہ اور دُعا کرنے رہا کرو) بالتلبیة کی باء تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحؒ نے ذکر اللہ کی صورت بیان کی ہے لیکن

یقولُ الشیخ جاجردی رحمۃ القوی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق یہ قول نقل کیا ہے کہ تلبیہ وغیرہ پڑھے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک یقطع التلبیة مِن وصوله لعرفته وصلاتهُ الظهر والعصر بها۔

قولہ وھو جبل فی اٰخر المزدلفة یُقالُ له قزح مشعرِ حرام کو قزح بھی کہتے ہیں، علامہ سیوطی رحؒ نے یہ جملہ نکال کر مشعر حرام کی تعیین فرمائی ہے۔

قولہ وفی الحدیث اس کی تین غرضیں ہیں:

اوّلؔ: بیان قرینہ ہے دُوم: فیه دلیل علی انَّ المُراد بالذکر التلبیة ونحوها لا الصلوٰة العشائین کما قیل

سُوم: ایضًا جوابٌ عن سوالٍ مقدرٍ وھو انَّ المشعر الحرام لمّا

کان جَبَلا مذکورًا فلِم خصّصَ اللهُ تعالی الذکر عندہ والحَال اَنّ الذکر مامور بہ فی جمیع المزدلفۃ لانہا کلہا مَوقِف

وحاصلُ الجواب اَنّ التخصیص بالذکر لفضلہ وشرفہ

قولہ لمعالم دینہ ومناسك حجّہ (احکامِ دین اور مسائل حج) اس کی تین غرضیں ہیں۔ اولؔ مھدیٰ الیہ کا بیان ہے

دوؔم: اشارہ کیا کہ ہدایت سے مُراد ہدایت الی المناسک ہے لامُطلق الہدایۃ۔

سوؔم: بیان صلہ ھدَا کُم ہے۔

قولہ والکافُ للتعلیل (اور کمَا میں کاف تعلیلیہ ہے) کما کے کاف کی تعیین کی ہے یہ تعلیلیہ ہے۔ثانیًا فیہ اشارۃ الی ضعف ما قیل اَنّ الکاف للتشبیہ اور ما میں دو احتمال ہیں۔ مَا مصدریہ ہو ای اُذکروہ لاجل ھدایتہ ایاکم یا ما کافہ ہے۔ای اُذکرُوہ ذکرًا حسنًا کما ھداکم ھدایۃً حسنۃ

قولہ مخفّفۃ اصل میں انّہ تھا ضمیر شان کا ہے اور وہ مقدر ہے۔

ثانیًا: ان لوگوں کی تردید بھی مقصود ہے جو اِنْ کنتم کے اِن کو نافیہ بناتے ہیں اور تردید کے دو وجوہ ہیں۔اولؔ: لان دخول اللّام فی الخبر (لمن الضّالین) قرینۃ اِنّ المخففۃ دوؔم: ولانہ علیٰ ذٰلك التّقدیر یحتاجُ الی جعل اللام بمعنیٰ اِلّا وھو مجاز خلاف الظاھر

قولہ قبل ھُداہ (ہدایت سے پہلے) بیان مرجع ہے۔

قولہ یا قریش تعیین مخاطب ہے۔

قولہ ای مِن عَرَفۃ (یعنی عرفہ سے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ مقدر کرکے اشارہ فرمایا کہ من حیث میں حیث مکانیہ ہے،یعنی عرفات سے واپس ہوتے ہوتے۔

قولہ بأن تقفوا بھا معھم (اس طرح کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوف بعرفہ کرو) بان کی باءتصویریہ ہے۔علامہ سیوطی رح نے افاضہ کی صورت بیان

کی ہے کہ جس طرح باقی مسلمان افاضہ پر عمل کرتے ہیں، تم بھی ان کی طرح عمل کرو۔

قولہ وکانوا یقفون بالمزدلفۃ ترفعا عن الوقوف معھم (قریش دوسروں کے ساتھ وقوف کرنے سے خود کو بالاتر سمجھتے ہوئے مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے) بیان عادت جاہلیت ہے مزید تشریح فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ ثم للترتیب فی الذکر (ثم یہاں ترتیب ذکری کے لئے ہے) یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ ثُمَّ کا کلمہ تراخی الشیٔ عن نفسہ کے لئے آتا ہے یعنی ثم دلالت کرتا ہے کہ میرا مابعد میرے ماقبل کے بعد ہو تو اس آیت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ وقوف مزدلفہ پہلے ہو اور وقوف عرفات بعد میں، حالانکہ وقوف عرفات مقدم ہے وقوف مزدلفہ سے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ثم ھٰھنا لیس للتراخی فی التحقیق بل للترتیب فی الذکر یعنی ثُمَّ ترتیب ذکری کے لئے ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ثم دلالت کرتا ہے کہ میرا مابعد صرف ذکر میں مؤخر ہے۔

قولہ من ذنوبکم (اپنے گناہوں سے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول: محل استغفار۔ دوم: ما منہ الاستغفار کا بیان ہے۔

قولہ للمؤمنین اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول: محل مغفرت کیونکہ حقیقی مغفرت کا مستحق مؤمن ہی ہے۔ دوم: بیان صلہ ہے یعنی غفور کا صلہ نکالا ہے۔

قولہ بھما اسکی دو غرضیں ہیں اول محل رحمت دوم بیان صلہ رحیم ہے۔

بیان فوائد

کامل اور جامع زندگی اسلام ایک ایسی کامل زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں دین و دنیا کی سعادتیں جمع ہوں، حج کی

مقدس عبادت اس بات سے نہیں روکتی کہ کاروبار و تجارت جو اللہ تعالےٰ کا فضل ہے اس کو تلاش نہ کرو۔ دنیا کی عالمگیر تباہی یہ تھی کہ اعتدال کی راہ سے ہٹ کر افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئی تھی، ایک طرف دنیا کا انہماک اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ فکرِ آخرت سے لوگ یک قلم بے پروا ہو جاتے تھے۔ دوسری طرف آخرت سے استغراق میں اس قدر غرق اور مدہوش ہو جاتے کہ رہبانیت کی بُو آنے لگتی لیکن اسلام کی راہِ حق زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح یہاں بھی وہی اعتدالی راہ رہی ہے کہ صحیح اور جامع زندگی اس کی ہے جو کہتا ہے کہ خدایا دونوں جہاں کی بھلائی چاہتا ہوں۔

عبادات میں مساوات

وقوف عرفہ کرنے کے لئے تمام حجاج کرام میدانِ عرفات میں جا کر ٹھہرا کرتے تھے لیکن قریش جو بیت اللہ کے مجاور و محافظ تھے، وہ عرفات تک نہیں جاتے تھے جو حدودِ حرم سے باہر ہے بلکہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے جو حدودِ حرم میں ~~نہیں~~ ہے اور بہانہ یہ کرتے تھے کہ ہم تو حرم کے مجاور ہیں اس لئے ہمیں حرم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں اور اس کو وقوف ابراہیم قرار دیتے تھے حالانکہ ان بہانوں سے ان کا منشاء اپنا امتیاز اور اپنی بڑائی ظاہر کرنا تھا (جس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ترفعا عن الوقوف سے بیان کیا ہے) آیت مبارکہ میں ان کے اس طریقے کی اصلاح کی جا رہی ہے کہ حج تو عبادت اور انکساری کا نام ہے۔ یہاں غرور و تکبر کا کیا موقعہ قریشی و غیر قریشی کا فرق کیا۔ یہاں تو یہ سب بناوٹی نام و نمود ختم ہو جانی چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ کی دربار میں سب یکساں طور پر حاضر ہونے چاہئیں۔ بڑے چھوٹے کا فرق معلوم نہیں ہونا چاہیئے

فَاِذَا قَضَيْتُمْ ادیتم مَنَاسِكَكُمْ عبادات حجکم بان رمیتم جمرۃ العُقبۃ وحلقتم وطفتم و استقررتم بمنیٰ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بالتکبیر والثناء

كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ كما كنتم تتذكرونهم عند
فراغ حجكم بالمفاخر اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا من ذكركم
اياهم ونصب اشد على الحال من ذكر المنصوب
باذكروا اذلوا تاخر عنه لكان صفته له فَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا نصيبنا فِى الدُّنيا فيوتاه فيها
وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ نصيب وَمِنْهُمْ
مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنيا حَسَنَةً نعمة وَّفِى
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً هى الجنة وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ بعدم دخولها
وهذا بيان لما كان عليه المشركون ولحال المؤمنين
وَالقصد به الحث على طلب خير الدارين كما وعد
بالثواب عليه بقوله اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ ثواب مِّنْ
اجل مَّا كَسَبُوْا عملوا من الحج والدعاء وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ يحاسب الخلق كلهم فى قدر نصف نهار
من ايام الدنيا لحديث بذالك وَاذْكُرُوا اللّٰهَ بالتكبير
عند رمى الجمرات فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ اى ايام التشريق
الثلاثة فَمَنْ تَعَجَّلَ اى استعجل بالنفر من منى

فِیْ یَوْمَیْنِ ای فی ثانی ایام التشریق بعد رمی جمارہ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ بالتعجیل وَمَنْ تَاَخَّرَ بہا حتی بات لیلۃ الثالث ورمی جمارہ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ بذالک ای ھم مخیرون فی ذالک ونفی الاثم لِمَنِ اتَّقٰی اللہ فی حجہ لانہ الحاج علی الحقیقۃ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ فی الاخرۃ فیجازیکم باعمالکم

ترجمہ پھر تم پورے (ادا) کر لیا کرو اپنے اعمال (عباداتِ حج کو جمرہ عقبہ کی رمی اور حلق سے فارغ ہو جاؤ اور طواف کرکے منیٰ میں قیام پذیر ہو گئے ہو) تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ (تکبیر و ثنا کی صورت میں) جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو (چنانچہ حج سے فراغت کے بعد ان کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے) بلکہ یہ ذکر اس سے بڑھ کر ہونا چاہیئے (یعنی تمہارے اپنے آباؤ اجداد کے ذکر سے اور لفظ اشد منصوب ہے ذکر سے حال ہونے کی بناء پر جو اذکروا کی وجہ سے منصوب ہے اور مقدم اس لئے ہے کہ اگر مؤخر کر دیا جاتا تو پھر لفظ اشد ذکر کی صفت بن جاتا) پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو دے دیجئے (ہمارا حصہ) دنیا میں (چنانچہ وہ ان کو دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور ایسے شخص کے لئے آخرت میں کچھ حصہ (نصیب) نہیں ہوگا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم کو عنایت فرما دیجئے دنیا میں بہتری (نعمت) اور آخرت میں بھی بہتری (جنت) اور ہم کو بچا لیجئے عذاب دوزخ سے (اس میں داخل نہ کیجئے۔ یہ بیان حال ہے مشرکین اور مومنین کا اور مقصد اس سے ترغیب دینا ہے خیر دارین کی طلب کی۔ چنانچہ اس پر ثواب کا وعدہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ) ایسے لوگوں کو بڑا حصہ (ثواب) ملے گا، ان کے

اعمال کی (بدولت جو کام حج میں کئے اور دُعائیں مانگیں) اور اللہ تعالےٰ بہت جلد ترکا لینے والے ہیں (تمام مخلوق کا حساب دینا کے آدھے دن کے برابر وقت میں چکا ڈالیں گے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے) اور ذکر اللہ کرو (رمی جمرات کے وقت تکبیرات پڑھو) کئی روز تک (تین دن تشریق کے) پھر جو شخص جلدی کرنا چاہے (یعنی منیٰ سے جلد رخصت کرنا چاہیئے) دو روز میں (رمی جمار کے بعد ایام تشریق کے دوسرے روز) اس پر کچھ گناہ نہیں (جلدی کرنے کا) اور جو شخص ان دو دن میں تاخیر کرنا چاہیئے (حتیٰ کہ ایام تشریق کی تیسری شب بھی گزار دے اور رمی جمار کر لے) تو اس پر بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے (اس تاخیر کی وجہ سے یعنی ہر طرح کا لوگوں کو اس میں اختیار ہے اور گناہ نہ ہونا) اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہے (اللہ تعالےٰ سے حج میں کیونکہ فی الحقیقت حاجی وہی ہے اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو اور اس بات سے غافل نہ رہو کہ بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے (آخرت میں اور وہ تم سب کو تمہارے کئے کی یاداشت پر پیچھا...

بیان شان نزول ابن جریر نے مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ جب لوگ مناسک حج سے فارغ ہو جاتے تو منیٰ میں ٹھہرنا ہوتا تو مجالس مشاعرہ منعقد ہوتیں اور ان میں آباؤ واجداد کے کارناموں اور مفاخر کا تذکرہ ہوتا۔ اس پر آیت وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کا نزول ہوا۔ علیٰ ہٰذا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اعراب وقوف کرتے اور یہ دُعا۔ پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ اجعل لِیْ عَامَ غیث وعامَ خصب وعامَ ولاءٍ وحسنٍ جن میں آخرت کا دھیان نہ ہوتا لیکن ان کی جگہ مؤمنین آئے تو یہ دعا کی رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیا حَسَنَۃً وفِی الآخرۃ حسنۃ الخ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

بیان اغراض جلالین

قولہ اَدَّیتُمْ (ادا کرو) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اول یہ: دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ فَإِذَا قَضَيْتُمْ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب احکام قضا کرو تو بعد میں ذکر کرو حالانکہ یہ حکم ادا ہے نہ کہ قضا

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ قضا بمعنے ادا ہے یہ ایک دوسرے کے قائم مقام استعمال ہو سکتے ہیں۔

دوم قضا بمعنیٰ اتمام وفراغ والزام واعلام یعنی معانی مختلفہ میں مستعمل ہے (کمافی الجمل) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اَدَّيْتُمْ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مقام ہذا پر قضيتم اديتم کے معنے میں مستعمل ہے اس کو علماء کی اصطلاح میں تعیین احدُ المعانی کہتے ہیں۔

قولہ عبادات حجکم (عباداتِ حج کو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مناسک کا لفظی معنے بیان کیا ہے کیونکہ مناسک جمع منسک ہے۔ وهو العبادة

قولہ بان رميتم جمرة العقبة وحلقتم وطفتم واستقررتم یعنی (جمرہ عقبہ کی رمی اور حلق سے فارغ ہو جاؤ اور طواف کر کے منیٰ میں قیام پذیر ہو گئے ہو) بان کی با تصویریہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہاں سے اداء مناسک کی صورت بیان کی ہے ۔عند البعض تفسیر مناسک ہے اور طواف سے مراد طواف زیارت ہے۔

قولہ بالتكبير والثناء (تکبیر وثناء کی صورت میں) بالتکبیر کی با تصویریہ ہے، ذکر اللہ کی صورت بیان کی ہے

قولہ كما كنتم تذكرونهم عند فراغ حجكم (چنانچہ حج سے فراغت کے بعد ان کے مفاخر بیان کرتے تھے۔) اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّل حاصل معنیٰ بیان کر رہے ہیں كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کا یعنی بیان ہے حاصل معنیٰ کا۔

دوم اشارہ فرمایا کہ ذکر کی اضافت آباء کی طرف اضافۃ المصدر الی الفاعل ہے لا الی المفعول تا آنکہ یہ اعتراض دفع ہو جائے کہ تشبیہہ صحیح نہیں کیونکہ مشبہ کے اندر

فاعل مخاطبین ہیں اور و فی المشبہ بہ اباؤھم۔

قولہ بالمفاخر یہ متعلق ہے تذکرون کے اس کی بار تصور ترتیب ذکر کی صورت بیان کی ہے کیونکہ مطلقاً ذکر تو منع نہیں ہے تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا۔ ان کے محاسن بیان کرتے تھے جو شرعاً غیر معتبر ہیں ذکر اللہ کے مقابلہ

قولہ مِن ذکرکم اٰباءھم (یعنی تمہارے اپنے آباؤ واجداد کے ذکر سے علامہ سیوطی رح نے مفضل علیہ ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ اشد اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے لئے مفضل و مفضل علیہ ضروری ہے۔

قولہ ونصب اَشدّ بیان اعراب

قولہ علی الحال من ذکر المنصوب باذکروا بیان وجہ اعراب جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اشد منصوب ہے ذکراً سے حال ہونے کی بناء پر جو اذکروا کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ اذ لو تاخر عنہ لکان صفۃ لہ (اور مقدم اس لئے ہے کہ اگر موخر کر دیا جاتا تو پھر لفظ اشد ذکراً کی صفت بن جاتا) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال کہ اشد ذکراً سے مقدم کیوں ہے حالانکہ حال تو ذوالحال کے بعد ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ تاخیر کی صورت میں صفت کا شبہ ہو سکتا تھا اس لئے مقدم کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ اشد حال ہے ذکراً سے اور اس کے باوجود اس سے مقدم ہے کیونکہ موخر کرنے کی صورت میں صفت کا شبہ ہو سکتا تھا اور عبارت اس طرح ہو جاتی ذکراً اشد تو اس صورت میں بلافاصلہ لفظ ذکر کا تکرار ہو جاتا، یعنی فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او ذکراً اشد اس لئے ذکر کو موخر کر دیا تاآنکہ کچھ فاصلہ ہو جائے۔

قولہ فمن النّاس مَن یّقول سے حق تعالیٰ لوگوں کی چار قسمیں بیان فرما رہے ہیں، دو قسمیں یہ ہیں جن کا بیان شروع ہوا چاہتا ہے اور دو قسمیں آگے آرہی ہیں۔

قــولــه نصیبًنا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ان المفعول الثانی مقدر یعنی بیان ترکیب ہے۔

قــولــه فیؤتاہُ فیھا (چنانچہ وہ ان کو دنیا میں دے دیا جاتا ہے) اس کی دو غرضیں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل: بیان مفہوم مخالف ہے۔ دوّم: اشارہ فرمایا کہ وَمَالَہٗ فی الأخِرَۃِ کا معطوف علیہ مقدر ہے۔ (یعنی فیوتاہ فیھا) مذکور نہیں (یعنی رَبَّنَا اٰتِنَا) دو وجوہ کے تحت اوّل ربنا اٰتنا قول انسانی ہے اور ومالہ فی الاخرۃ قول عزوجل ہے۔ دوّم ربنا اٰتِنَا انشاء ہے ومالہ فی الأخرۃ اخبار ہے عطف الاخبار علی الانشاءِ لا یجوز۔

قــولــه نصیب خلاق کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قــولــه نعمة یہ حسنۃ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں سَلِ العافیۃ فی الدّارین اس لئے دین و دنیا کے منافع خیر و برکت صحت بیوی مناسب مکان وغیرہ مراد ہیں۔

قــولــه ھی الجنّة بیان تعیین حسنہ ہے لیکن

یقولُ الشیخ جاجروی رحمہ القوی: ھٰذا علی سبیل لتمثیل فلا یردّ انّ کثیرًا مّن المفسرین فسّرھا بغیر الجنّۃ وایضًا علی رضی اللہُ عنہ فسرھا بالحوراءِ۔

قــولــه بعدَمِ دخولھا (اس میں داخل نہ کیجیے) اس کی دو غرضیں ہیں اوّل بعدم کی با۔ تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے قنا عذابُ النّارِ کی صورت بیان کی ہے۔ دُوم: اشارہ فرمایا کہ عذاب سے مُراد دخول ہے کیونکہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان یکون داخلین غیر مُعذّبین۔

قــولــه وھٰذا بیان لمَا کان علیہ المشرکون ولحَالِ لمؤمنین۔ (یہ بیانِ حال ہے مشرکین اور مؤمنین کا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اس جملے میں ان دونوں

آیتوں کی غرض بیان کی ہے یعنی بیان حال ہے یعنی لما بین اللہ تعالیٰ حال الفریق الاوّل بقولہٖ ومالہٗ فی الاٰخرۃ من خلاق فبقی الفریق الثانی بلا بیان فبینہٗ بقولہٖ اولٰئک الخ

قولہ والقصد بہ الحث علٰی طلب خیر الدارین (اور مقصد اس سے ترغیب دینا ہے خیر دارین کی طلب کی) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال | یہ ہے کہ ان دو آیتوں کے بیان کرنے کی غرض کیا ہے؟

جواب | مقصد یہ ہے کہ دونوں جہانوں کی بھلائیاں طلب کرو یعنی مقصد من ایراد ھٰذہٖ الجملۃ المعترضۃ الحث علٰی طلب خیر الدارین قولہ کما وعد بالثواب

قولہ کما وعد بالثواب علیہ (چنانچہ اس پر ثواب کا وعدہ بھی فرمایا جارہا ہے) بیان قرینہ ہے۔

قولہ ثواب نصیب کا معنٰی حصہ ہے لیکن آخرت میں مؤمنین کو اعمال کا جو حصہ ملے گا۔ قرآن مقدس اس کو ثواب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلئے علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اس کی تعیین فرمائی ہے۔ یعنی ثواب نصیب مؤمنین کے لئے تفسیر باللازم ہے۔

قولہ اجل اشارہ فرمایا کہ من اجلیہ تعلیلیہ ہے کما فی قولہٖ تعالیٰ مِمَّا خَطِیْئٰتِھِمْ اُغْرِقُوْا

قولہ عملوا من الحج والدعاء (جو کام حج میں کئے اور دعائیں مانگیں) عملوا کسبوا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر من الحج والدعاء یہ ماکسبوا کے مَا کا بیان ہے

قولہ یحاسب الخلق کلھم (تمام مخلوق کا حساب ہوگا) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر سرعت حساب کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ احتمال تھا کہ اتنی مخلوق کا حساب کیسے ہوگا۔ دوّم اشارہ فرمایا کہ حساب مخلوقات کا ہوگا اور مخلوقات سے بھی وہ مخلوق مراد ہے جو ماکسبوا کے پابند اور مکلف

قولہ فی قدر نصف النھار من ایام الدنیا (دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں حساب چکا دیں گے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ نصف النہار میں حساب کی تکمیل ہو جانا تمثیل سُرعت ہے نہ کہ مقدار معین۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے یحاسب فی قدر لمحۃ دوسری جگہ الفاظ ہیں انہ کلمح البصر

قولہ لحدیث بذالک بیان قرینہ ہے

قولہ بالتکبیر عند رمی الجمرات (رمی جمرات کے وقت تکبیرات پڑھو) بالتکبیر کی باء تصویریہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ذکر کی صورت بیان کی ہے۔ ثانیًا اشارہ فرمایا کہ ذکر سے عام ذکر مُراد نہیں بلکہ خاص ذکر مُراد ہے۔

قولہ ای اَیَّامِ التشریق الثلاثہ (یعنی تین دن تشریق کے) یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ایامِ معدوداتِ کی تعیین فرمائی ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تکبیرات تشریق ایام تشریق میں یعنی عرفہ کی ۹ تاریخ کی صبح کو نماز کے بعد سے ۱۳ تاریخ کی عصر تک بقول صاحبین ہر فرض نماز کے بعد مرد، عورت، منفرد، مقتدی امام، منفرد پر واجب ہے، مردوں پر بلند آواز سے اور عورتوں پر آہستہ۔ نیز اگر امام بھول جائے تو مقتدی پڑھ کر یاد دلا دیں اور تینوں جمرات پر ہر مرتبہ رمی کے وقت تکبیر مسنون ہے۔ تکبیرات تشریق یہ ہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

فائدہ رمی جمرات ثلاثہ کی مشہور وجہ مختصرًا یہ ہے کہ ان مواقع پر سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو اپنے لختِ جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کے وقت شیطان نے بہکانا چاہا۔ اس پر انہوں نے کنکریوں کی بوچھاڑ کر کے دفع کیا۔ اب عُشاق حجاج کے لئے یہ سنّت عاشقانہ رواج پذیر ہو گئی، اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا

قولہ ای استعجل (جلدی کرنا چاہیئے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر تعجل کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولــه بالنفر من منی (یعنے منٰی سے جلدی رخصت ہونا چاہئے) بالنفر کی باء تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رح نے تعجیل منٰی کی صورت بیان کی ہے

قولــه ای فی ثانی ایّامِ التشریق (ایام تشریق کے دوسرے روز) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حذف مضاف کرکے ایک سوال کا دفعیہ فرما دیا۔

سوال یہ ہے کہ تعجیل کا معنٰی بالنفر ہے تو مطلب یہ ہوا کہ دونوں ایام میں جلدی چلا جاتے حالانکہ نفر یعنی چلا جانا تو ایک دن ہوگا

جواب تو علامہ سیوطی رح نے حذف مضاف کرکے اشارہ کیا کہ یوم ثانی مراد ہے نہ کہ دونوں یوم لیکن

یقول الشیخ جاجروی رحمۃ القوی ان النفروان وقع فی الثانی الا ان استعدادہ یکون فی الیومِ الاوّل فجعل لیومَین ظرفاً توسّعاً

قولــه بعد رمی الجمارِ (رمی جمار کے بعد) علامہ سیوطی رح نے یہ بھی نکال کر اشارہ فرمایا کہ تعجیل متقید ہے مطلق نہیں کہ دوسرے دن بھی رمی جمار کرکے جائے

قولــه بالتعجیل (جلدی کرنے کا) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول یہ کہ اثمہٗ بیان کیا ہے۔ دُوم بالتّعجیل کی باء تصویر یہ ہے نفی اثم کی صورت بیان کی ہے۔

قولــه بهَا صلہ بیان کیا ہے تاخر کا

قولــه حتّی بات لَیلۃ الثالث ورمی جمارۃ (حتیٰ کہ ایام تشریق کی تیسری شب بھی گزارے اور رمی جمار کرے) علامہ سیوطی رح نے تاخر کا حاصل معنٰی بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تیسرے روز ٹھہر کر رمی کرنا چاہیئے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے نیز لیلۃ الثالث سے یوم الثالث کی لیل مراد ہے، گویا ثالث صفت ہے یوم مقدر کی، اسی طرح جمار سے مراد بھی جمار یوم الثالث ہے فالضمیر راجع للیوم المقدار لا اللیلۃ لانہا مع کونہا مؤنثۃ لا رمیَ لہَا

قولــه بذالك (اس تاخیر کی وجہ سے) محل اثم بیان کیا ہے اور

اس کا مشار الیہ ای التاخیر ہے۔

قولہ ای ھم مخیرون فی ذالک (یعنی ہر طرح کا لوگوں کو اس میں اختیار ہے) اس کی تین غرضیں بیان کی گئی ہیں

اوّل: حاصل معنے بیان کیا ہے ومن تاخر فلا اثم علیہ کا۔

دوّم: مبتدا محذوف ہے اس کی خبر لمن اتقیٰ ہے۔

سوم: دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال | لاحاجۃ الی نفی الاثم فی التاخیر لانہ افضل

جواب | حاصل الدفع ان الغرض من ذکرہ بیان التخییر

قولہ فی ذالک یعنی گناہ نہ ہونے میں دونوں صورتیں برابر ہیں اگرچہ تاخیر افضل ہے مقابلہ تقدیم کے تو یہ فرقِ افضل ومفضول کا ایسا ہی ہے جیسے مسافر کے لئے روزہ افطار میں اختیار ہے تاہم روزہ افضل ہے۔

قولہ ونفی الاثم (اور گناہ نہ ہونا) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل: اشارہ فرمایا کہ لمن اتقیٰ خبر ہے مبتدا محذوف کی جو نفی الاثم ہے یعنی تخییر مُراد ہے۔ لاجمیع احکام الحج کما قیل

دوّم: لمن اتقیٰ کی لام جارہ ہے اس کا متعلق نکالا ہے۔

قولہ اللّٰہ مفعول نکالا ہے۔ اتقیٰ کا یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہ فی حجہ (حج میں) اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّل: محل تقویٰ بیان کیا ہے۔ دوّم: اشارہ فرمایا کہ تقویٰ سے مُراد ایسے افعال سے اجتناب کرنا ہے جو موجب اثم ہوں نہ کہ تجنب عن الشرک کیونکہ ما قبل میں خطاب للمؤمنین ہے۔

قولہ لانہ الحاج علی الحقیقۃ (کیونکہ فی الحقیقت حاجی وہی ہے) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال | عند البعض لمن اتقیٰ کی لام اختصاص کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تخییر

مذکور مختص ہے متقی حاجی کے ساتھ۔ حالانکہ تخییر متقی اور غیر متقی دونوں کے لئے ہے فلا اختصاص علیہ

جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لام اختصاص کا ہے احترازمن غیر المتقی مقصود نہیں بلکہ صرف تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ فی الحقیقت اگر حاجی ہے تو وہ متقی ہی ہو سکتا ہے۔ لا غیر

قولہ فی الآخرۃ محل حشر بیان کیا ہے۔

قولہ فیجازیکم باعمالکم (اور تم سب کو تمہارے اعمال کی جزا دے گا) آیت سابقہ کا لازمی معنے بیان کیا ہے یعنی ذکر جمع حشر کا ہے اور لازم جزائے اعمال ہے کیونکہ جمع ہونے کا مقصد میدانِ محشر جزا سزا ہی ہے اِن خیراً فخیر وان شراً فشراً۔

بیانِ فوائد

دُعاء میں اعتدال ربنا اتنا فی الدنیا الخ اس دُعا میں جہاں دنیا پرست لوگوں کی اصلاح مقصود ہے۔ وہیں ان جاہلوں درویشوں کی اصلاح بھی ہے جو ترکِ دنیا پر زور دیتے ہوتے کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی بالکل پروا نہیں، صرف آخرت کی دعا اور طلب ہونی چاہیئے کیونکہ پیغمبروں سے بڑھ کر آخرت طلب گار کون ہو سکتا ہے مگر ان کی زندگیاں بھی اہل وعیال اور دنیا کے کاروبار سے خالی نہیں ہیں بلکہ اُن کی تمام تر تعلیم کا ماحصل ہی یہ ہے کہ آخرت کے کام دنیا میں رہ کر اور الگ کر کے کئے جائیں، ترکِ دنیا اور رُہبانیت مشکل نہیں، اصل مشکل اور سخت مرحلہ دین و دنیا دونوں کو جمع کرنا اور ان کا حق ادا کرنا ہے، غرض دنیوی حاجات و ضروریات کی دُعا مانگنا زہد و بزرگی کے خلاف نہیں ہے، ہاں انہی کو اصل مقصد زندگی بنا لینا صحیح نہیں ہے۔

حج اور تقوای جو لوگ حج سے پہلے گناہوں میں مبتلا رہے اور حج کے

دوران بھی انہوں نے بے فکری اور لاپرواہی سے کام لیا اور زندگی کے رُخ میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ جیسے گئے تھے اس سے بدتر حالت میں واپسی ہوئی ان لوگوں کے لئے تنبیہ ہے کہ اصل حج کی جان اور رُوح تقوٰی اور خوف الٰہی ہے یہ رُوح تمام افعال حج میں جاری وساری رہنی چاہیئے، حدیث پاک میں ہے کہ انسان حج کرنے کے بعد گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسے آج وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور قبولیتِ حج کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل دنیا کی محبت سے فارغ اور آخرت کی طرف راغب ہوجاتا ہے اس کے گناہ معاف اور اس کی دعا قبول ہوجاتی ہے۔

مولانا جامی رح کے مُرید کا واقعہ مولانا جامی رح کے ایک مُرید جو اپنے سَر پر ہمیشہ ایک نور کا مشاہدہ کرتے تھے، حج کے لئے حاضر ہوئے فارغ ہوکر جب وطن واپس لوٹے تو اُن کی وہ نوری کیفیت سلب ہوچکی تھی وہ سخت پریشان ہوتے اور اپنے شیخ مولانا جامی رح سے اس کا اظہار کیا تو مولانا رح نے فرمایا کہ حج کو جانے سے پہلے تمہارے دل میں انکساری اور تواضع تھی جو نور کی شکل میں ظاہر ہوتی تھی، مگر اب یہ حج غرور کا سبب ہوا تو نور کافور ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ حج وعمرہ کے بعد شیطان دل میں غرور پیدا کر دیتا ہے اور انسان میں بزرگی اور بڑائی کا خیال پیدا ہوجاتا ہے جو اس کے سارے اعمال کو اکارت کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کو اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡمَلُوۡا سے بھی یہی سبق مل رہا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ولا يعجبك فى الآخرة لمخالفته لاعتقاده وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖ انه موافق لقوله وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ شديد الخصومة لك ولاتباعك لعداوته لك وهو

الاخنس بن شريق كان مُنَافقًا حلو الكلام للنبي
صلّى الله عليه وسلّم يحلف انه مؤمن به ومحب
فيد فى مجلسه فاكذبه الله تعالى فى ذالك ومر بزرع و
حُمُر لبعض المسلمين فاحرقه وعقرها ليلًا كما قال تعالى
وَإِذَا تَوَلّٰى انصرف عنك سَعٰى مشىٰ فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ
فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ من جملة الفساد وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ اى لايرضىٰ به وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ فى
فعلك اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ حملته الانفة والحميّة على العمل
بِالْاِثْمِ الذى امر باتقائه فَحَسْبُهُ كافية جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ
الْمِهَادُ الفراش هى وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ يبيع نَفْسَهُ اى
يبذلها فى طاعة الله تعالى ابْتِغَآءَ طلب مَرْضَاتِ اللّٰهِ رضاه
وهو صهيب لما اذاه المشركون هاجرًا الى المدينة وترك
لهم ماله وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ حيث ارشدهم لما فيه رضاه.

ترجمه اور بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ آپ کو اُن کی گفتگو مزیدار معلوم ہوگی دنیوی لحاظ سے (لیکن آخرت میں وہ تعجب خیز معلوم نہیں ہوگی بوجہ خلاف عقیدہ ہونے کے) اور وہ اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر بتلاتا ہے اپنے دلی اعتقاد پر (کہ وہ اس کے اقرار کے مطابق ہے) حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے آپ

ے دشمنی ہونے کے سبب آپ کے اور آپ کے خُدام کے حق میں سخت لڑاکا ہے یعنی اخنس بن شریق جو کہ منافق ہونے کے ساتھ شیریں کلام بھی ہے۔ اپنی چرب زبانی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قسمیں کھا بیٹھتا کہ وہ مومن اور آپؐ عاشق زار ہے۔ چنانچہ مجلس مبارک میں اسکو آگے جگہ مل جاتی۔ حق تعالےٰ اس کی تکذیب فرماتے ہیں۔ ایک روز کی بات ہے کہ وہ مسلمانوں کے کھیت اور سواری کے جانوروں پر گذرا، تو رات کے وقت کھیتی کو آگ لگا دی اور جانوروں کی کونچیں کاٹ ڈالیں چنانچہ ارشاد ہے (جب واپس ہوتا ہے آپ کی مجلس سے) دوڑ دھوپ کرتا (چلتا پھرتا) ہے تاکہ شہر میں فساد برپا کر دے اور کھیت اور مویشی تلف کر دے (یہ بھی اس کے فساد کا ایک حصہ ہے) اور اللہ تعالےٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے (خوش نہیں ہوتے) اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کر (اپنی حرکتوں کے بارے میں) تو آمادہ کر دیتی ہے اس کو نخوت (ابھار دیتی ہے بڑائی اور عار اس کو) گناہ (کی کارروائی پر جس سے اس کو بچنے کا حکم دیا گیا تھا) سو ایسے شخص کے لئے بس (کافی) ہے، جہنم اور وہ بہت بُرا ہے ٹھکانا (بستر ہے وہ) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان تک صرف (بیچ) ڈالتے ہیں (یعنی اس کو اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں خرچ کر دیتے ہیں) تلاش (طلب) میں اللہ تعالےٰ کی خوشنودی (رضا جوئی میں اس سے مُراد حضرت صہیبؓ ہیں مشرکین نے جب ان کو ستانا شروع کیا تو اپنا سارا مال ان کو دے دلا کر ہجرت فرمائے اور مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔) اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے حال پر بڑے ہی مہربان ہیں (کہ ان کو اپنی رضا جوئی کی توفیق بخشی ہے۔)

شانِ نزول آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ کا شانِ نزول علامہ سیوطیؒ تفصیل سے ذکر فرما چکے ہیں اور آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ کے شانِ نزول کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صہیبؓ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش ان کے پیچھے لگ گئے اور اُن کو سواری سے اُتار کر ان کی تلاشی لینی شروع کر دی اُنہوں نے کہا کہ اے قریش! تمہیں میری تیر اندازی معلوم ہے کہ تم میں سے ایک بھی میرے

قریب نہیں آسکتا تھا اور میرے تلوار کے ہاتھ بھی معلوم ہیں تاہم میرا کل مال سارا میرا راستہ چھوڑ سکتے ہو، سب نے کہا، ہاں غرضیکہ سارا مال حوالے کرکے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو زبانِ نبوت سے کلماتِ بشارت نکلے کہ ربح البیع ابی یحیٰ، ربح البیع ابی یحیٰ یعنی ابو یحیٰ تمہاری تجارت کامیاب رہی۔

بیانِ ربط پچھلی آیت میں کافر اور مؤمن کی دعاؤں کا تذکرہ آچکا ہے اب منافق اور مخلص کا تذکرہ ان دو آیات میں کیا جارہا ہے اس طرح دو طرح کے لوگوں کا بیان پورا ہو گیا ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ وَلَا يُعْجِبُكَ فِي الْاٰخِرَةِ (لیکن آخرت میں وہ تعجب خیز نہیں ہوگی) علامہ سیوطی رحمہ نے یہ کلمہ نکال کر ایک اختلاف کی وضاحت فرمائی ہے حاصل اختلاف یہ ہے کہ فی الحیوٰۃ الدنیا کا تعلق قول کے ساتھ ہے یا یعجبك کے ساتھ ہے بعض حضرات کے نزدیک اس کا تعلق قولہ کے ساتھ ہے تو معنٰی آیت یوں ہوں گے کہ اس کی خوشامدانہ گفتگو دنیوی اغراض کے لئے ہوتی ہے کچھ حضرات کے نزدیک فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کا تعلق يُعْجِبُكَ کے ساتھ ہے مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں آپ کو اس کی لچھے دار گفتگو مزیدار معلوم ہوگی۔ علامہ سیوطی رحمہ نے وَلَا يُعْجِبُكَ فِي الْاٰخِرَةِ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ میرے نزدیک قول ثانی (یعنی فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کا تعلق يُعْجِبُكَ کے ساتھ ہے) کو ترجیح ہے نہ کہ قولِ اول کو

قولہ لمخالفتہ لاعتقادہٖ (بوجہ خلافِ عقیدہ ہونے کے) اس کی دو غرضیں ہیں: اوّل: عدمِ تعجب کی علت بیان کی ہے کیونکہ باطناً یہ آپ کے مخالف ہیں، چنانچہ غزوہ بدر کے موقعہ پر کہنے لگا۔ ان محمداً ابن اختکم فان یك کاذباً کفاکموا الناس وان یك صادقاً کنتم اسعد الناس به ساتھیوں نے پوچھا۔ پھر آپ کی کیا رائے ہے۔ کہنے لگا۔ میں تو پیچھے ہٹتا ہوں

تین سو منافقین اس کے ساتھ کھسک گئے۔ دُوم اشارہ فرمایا کہ مخالفت اعتقادی مُراد ہے نہ کہ عملی کیونکہ منافقین ظاہرًا بعض اعمال میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہوتے تھے

قولہ انہ موافق لقولہ (کہ وہ اُس کے اقرار کے مطابق ہے) بیان ہے مشہود بہٖ کا۔

قولہ شدید الخصومۃ لک (آپ کے حق میں سخت لڑاکا ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الدُّ اسم تفضیل فضیلت والے معنی سے خالی ہو کر صفت والے معنی میں مستعمل ہے جس کی اضافت مجازًا فاعل کیطرف ہو رہی ہے جیسے جد جدہٗ علامہ زمخشری رح اس کو اسم تفضیل کہتے ہیں۔ اور اضافت بمعنیٰ فی کرتے ہیں، کج دماغ دشمن کے معنیٰ میں ہے یعنی جو کسی جھوٹ، بے ایمانی، بد عہدی اور ٹیڑھی چال اور ممکنہ حربے استعمال کرنے میں بھی گریز نہ کرے۔ اس کے صفت مشبہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی جمع لد اور مؤنث لداءٌ آتا ہے

قولہ لاتباعك (اور آپ کے خدّام کے حق میں) بیان صلہ خصومت ہے

قولہ لعداوتہ لك (آپ سے دشمنی ہونے کے سبب) علامہ سیوطی رح نے علّت بیان کی ہے۔ شدید الخصومۃ ہونے کی۔

قولہ وھو یہاں سے علامہ سیوطی رح نے مَن یعجبك کے مَن کی تعیین فرمائی ہے

قولہ اخنس اس کا نام اُبیّ یا دریا اور لقب اخنس ہے خنس کے معنیٰ پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ غزوہ بدر میں بنی زہرہ کے تین سو منافقوں سمیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے الگ ہو گیا تھا۔

قولہ انصرف عنك (جب واپس ہوتا ہے آپ کی مجلس سے) تولّی معانی مختلفہ میں مستعمل ہے۔ تَوَلّی بمعنیٰ حکومت کرنا۔ تَوَلّی بمعنیٰ محبت کرنا۔ تَوَلّی بمعنےٰ پھرنا۔ علامہ سیوطی رح نے انصرف کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں تَوَلّی بمعنےٰ پھرنے (انصراف) کے معنیٰ میں ہے نہ کہ محبت و حکومت کرنے کے معنیٰ میں کیونکہ نزول آیت اخنس بن شریق کے حق میں ہے وھو لم یکن والیًا اس کو علماء کی اصطلاح میں تعیین احدُ المعانی کہتے ہیں۔

قولہ مشیٰ (چلتا پھرتا) علامہ سیوطی رحمہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر سعی سے مُراد مشی ہے اور سعی مبالغتاً فرمایا ہے کہ اس کا کام صرف فساد ہی میں کوشش کرنا ہے یعنی انّ سعٰی بمعنی مطلقُ السّیر الّا السّریع

قولہ من جُملۃ الفساد (یہ بھی اس کے فساد کا ایک حصّہ ہے) اصل عبارت تھی۔ ھذا من جملۃ الفساد خبر ہے مبتدا محذوف کی نیز یہلک الحرث والنّسل عطفُ الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ لاحاجۃ الی ذکر قولہ لیھلک بعد ذکر قولہ لیفسد کما لا یخفیٰ

قولہ ای لا یرضیٰ بہ (خوش نہیں ہوتے) علامہ سیوطی رحمہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر محبّت مُراد رضا ہے کیونکہ حُبّ مَیلانُ القلب کا نام ہے جس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہے۔

قولہ فی فعلک (اپنی حرکتوں کے بارے میں) محل تقویٰ بیان کیا ہے

قولہ حملۃ الانفۃ والحمیۃ (اُبھار دیتی ہے بڑائی اور عار اس کو) انف بمعنی کبر یعنی تکبّر۔ حمیّۃ بمعنے ننگ و عار۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمات نکال کر بیان محاورہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ عرف میں اسی طریقے پر محاورہ مشہور ہے مزید اس کی تشریح فوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ علی لعمل (کارروائی) بالاثم کا متعلق بیان کیا ہے یعنی انما قدّر العمل اشارۃً الی انّ الجار فی قولہ بالاثم متعلق بالمحذوف لانّ حمل لانفۃ علی لعمل لا من حیث انہٗ اثم نیز بالاثم کی بار ملابست اور اتیان کے لئے ہے جس کو علمائے بدیع کی اصطلاح میں تتمیم کہتے ہیں۔

قولہ الذی امر باتقائہ (ایسے کام جس سے اس کو بچنے کا حکم دیا گیا تھا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الاثم کی الف لام عہد کی ہے اس سے مُراد وہ منہیات ہیں جس سے شریعت نے روک دیا ہے۔

قولہ کافیہ (کافی) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل: حسب کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

دوم اشارہ فرمایا کہ حسب بمعنی اسم فاعل ہے۔

قولہ الفراش (بستر) مہاد کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر لیکن اس میں تہکم واستہزاء ہے۔

قولہ ھی (وہ) مخصوص بالذم بیان کیا ہے۔

قولہ یبیع (بیچ ڈالتے ہیں) لفظ یشری از قبیل اضداد ہے یعنی بیع اور شراء دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ علامہ سیوطی رحہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں یبیع کے معنی میں ہے نہ کہ شری خریدنے کے معنی میں ہے یعنی تعیین احد المعانی ہے

قولہ ای یبذلہا فی طاعۃ اللہ تعالیٰ (یعنی اس کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کر دیتے ہیں) علامہ سیوطی رحہ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ من یشری نفسہ میں بیع حقیقی مراد نہیں جس کا تعلق ثمن کے ساتھ ہے بلکہ بیع معنوی مراد ہے، یعنے شراء بمعنی البیع مجاز عن البذل فی طاعۃ اللہ تعالیٰ

قولہ طلب (تلاش) ابتغاء اگر بغی کے مادہ سے ہو تو بمعنی ظلم ہے، علامہ سیوطی رحہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ابتغاء طلب کے معنی میں ہے یعنی تعیین احد المعانی ہے۔

قولہ رضاہ (رضا جوئی میں) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مرضات مصدر میمی ہے لا ظرف

قولہ وھو صہیبؓ من یشری کے مَن کی تعیین فرمائی ہے کہ اس سے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مراد ہیں جیسا کہ شان نزول میں وضاحت فرما دی ہے

قولہ وترک لھم مالہ یعنی فدیۃ عن القتل وقبلوا المال منہ۔

قولہ حیث ارشدھم لما فیہ رضاہ (کہ ان کو اپنی رضا جوئی کی توفیق بخشی ہے) حیث تعلیلیہ ہے۔ علامہ سیوطی رحہ نے واللہ رؤف بالعباد کا ماقبل سے ربط بیان کیا ہے خلاصۂ ربط یہ ہے کہ

سوال ہوتا تھا کہ ہم نے جان جیسی قیمتی چیز بھی اس کی راہ میں لٹا دی ہے جبکہ وہ ذات پاک تو غنی عن العالمین ہیں انکو ہماری کوئی پرواہ نہیں۔

جواب ہیں اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میں غنی ہونے کے ساتھ رؤف بھی ہوں میری رؤفیت ہی کا تو تقاضا ہے کہ تمہیں ان کاموں کے کرنے کی توفیق دی جو میری رضاجوئی کے لئے ضروری ہیں۔

بیان فوائد

باطل پرست اور اہل حق کا فرق دنیا پرستی کا غرور انسان کو خدا پرستی اور راست بازی سے روک دیتا ہے اور طاقت حاصل ہونے پر نفس پرستی میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو ظلم پسند انسان کر سکتا ہے، اس کے بالمقابل جو لوگ سچے خدا پرست اور اہل حق ہوتے ہیں، ان کے پیش نظر نفس پرستی کے بجائے رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ ایک دنیا پرست سب کچھ اپنے نفس پر قربان کر دیتا ہے، لیکن رضائے الٰہی کے طالب راہ مولیٰ میں خود اپنے نفس کو بھی قربان کر دیتے ہیں دنیاوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰے سے ڈرو، تو ان کا غرور اور گھمنڈ ان کو اور زیادہ ظلم وطغیان پر آمادہ کر دیتا ہے لیکن شراب الٰہی سے سرشار اور بادہ الست کے مست سب کچھ لٹا کر مال ومتاع کھو کر ایک کو پانے کی جستجو میں کامرانی حاصل کر لیتے ہیں فَلَيْتَنَا فِيْنَا لِمُتْنَا فُسُوْنَ

ونزل فی عبد اللّٰہ بن سلام رضؓ واصحابہ لما عظموا السبت وکرھوا الابل والبانہا بعد الاسلام یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ بفتح السین وکسرھا الاسلام کَاۗفَّۃً حال من السلم ای فی جمیع شرائعہ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طرق الشَّیْطٰنِ ای تزیینہ

بالتفريق اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بين العداوة فَاِنْ زَلَلْتُمْ ملتم عن الدخول فی جميعه مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ الحجج الظاهرة علٰی انه حق فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لا يعجزه شیء عن انتقامه منكم حَكِيْمٌ فی صنعه هَلْ ما يَنْظُرُوْنَ ينتظرون التارکون الدخول فيه اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ ای امره کقوله اَوْ يَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ ای عذابه فِیْ ظُلَلٍ جمع ظلة مِّنَ الْغَمَامِ السحاب وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ تم امر اهلاكهم وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ بالبناء للمفعول والفاعل فی الاٰخرة فيجازی

ع ٩

ترجمہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء چونکہ اسلام کے لانے کے بعد بھی سنیچر کے دن کا احترام اور اُونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے تھے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اَے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ (سَلم سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ) پوری طرح (یہ لفظ سلم سے حال ہے یعنی تمام احکام دین میں داخل ہو جاؤ) اور نہ چلو شیطان کے قدم بہ قدم (مراد اس کی وسوسہ اندازی درباره تفریق دین ہے) بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (ظاہر العداوت) پھر اگر تم پھسل جاؤ (پورے اسلام میں داخل ہونے سے لغزش میں آجاؤ) تمہارے پاس کھلی دلیلیں آنے کے بعد (دلائل واضحہ اس کے حق ہونے پر) سو یقین رکھو

کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (تمہارے سے انتقام لینے سے کوئی چیز ان کو باز نہیں رکھ سکتی) حکمت والے ہیں (اپنی کاریگری میں) نہیں انتظار کرتے ہیں یہ لوگ (دخول فی الاسلام کو چھوڑنے والے منتظر نہیں ہیں) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے پاس آجائیں۔ (یعنی ان کا حکم آجائے، چنانچہ دوسری آیت میں اَوْ يَأْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ہے یعنی اللہ کا عذاب) سائبانوں میں (ظلل جمع ظلہ کی) بادل کے اور فرشتے بھی اور سارا قصہ ہی ختم ہو جانے (یعنی ان کی بربادی کا قضیہ پورا ہو جاتے) اور یہ تمام مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیئے جائیں گے (ترجع مجہول اور معروف ہے یعنی آخرت میں اللہ ہی جزا دیں گے)

بیانِ شانِ نزول

ابن جریر نے حضرت عکرمہ رضؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضؓ، ثعلبہ رضؓ، ابن یامین رضؓ، اسید رضؓ، سعید رضؓ بن عمرو وغیرہ علمائے یہود جب مسلمان ہوئے تو انہیں یہ خیال ہوا کہ یہودی مذہب میں اُونٹ کا گوشت حرام تھا مگر اسلام میں اس کا گوشت کھانا کوئی ضروری نہیں اسی طرح یہود کے مذہب میں اگرچہ ہفتہ کا روز واجب التعظیم ہے مگر اسلام میں اس حرمت کی ممانعت نہیں ہے لہٰذا اگر ہم بدستور ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتے رہیں اور اُونٹ کا گوشت حلال ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے عملاً ترک کر دیں تو اس طرح دینِ موسوی اور دینِ اسلام دونوں پر کاربند ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت ہو جائیگی، ان آیات میں ان خیالات کی تردید و اصلاح کی جا رہی ہے۔

بیانِ ربط

سابقہ آیت میں ایک مخلص کا ذکر تھا لیکن بعض دفعہ اخلاص کی زیادتی اور اطاعت کے جذبہ سے اس میں غلو اور افراط ہو جاتا ہے جو بظاہر دیکھنے میں تو غایت اطاعت ہوتی ہے لیکن درحقیقت اور بنظرِ غائر حدودِ سنت و شریعت سے تجاوز ہوتا ہے جو بدعت کا ماحصل ہے۔ آیت ذیل میں اس کی اصلاح کی جا رہی ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ ونزل بیان شانِ نزول آیت آئندہ اور نزل کا فاعل

یا ایھا الذین امنوا ہے۔

قولــہ کرھوا ای عملاً لانّ الکراھۃ بالاعتقاد کفر

قولــہ بفتح السین وکسرھا۔ ھذا بیان لقرائتین۔ فی السلم (س ل م) ان حروف میں امن وصلح کے معنی ہیں سلمان، سلیمان، مسلمان، سلیم، سلمی، استلام، بیع سلم سب ہیں (انقیاد واطاعت کے معنی ہیں)

قولــہ الاسلام (اسلام) لفظ سلم معانی مختلف میں مستعمل ہے، صلح بیع سلم وغیرہ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے تعیین احد المعانی کی ہے۔ صلح وبیع سلم کے معنے میں نہیں بلکہ اسلام کے معنی میں ہے

قولــہ حال من السلم ھذا بیان الترکیب۔ عند البعض ادخلوا کے ضمیر سے بھی حال بن سکتا ہے اور یہ لفظ ذوی العقول کے ساتھ خاص نہیں ہے اس کی تاء تانیث کی ہے یا نقل عن الوصفیۃ الی العلمیۃ کی ہے، جیسے عامۃ خاصۃ یا مبالغہ کے لئے ہے۔

قولــہ ای فی جمیع شرائعہ (یعنی تمام احکام دین میں) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اولؔ: سلم کا حاصل معنے بیان کیا ہے۔ دوؔم: اشارہ فرمایا کہ سِلم سے جمیع شریعت مُراد ہے یعنی ذکر الخاص (سلم) ارادۃ العام فان الاسلام شریعۃ نبینا علیہ الصلوۃ والسلام

قولــہ طرق۔ قد مرّ غرضہ فی ایۃ السابق یا ایھا النّاس کلوا ممّا فی الارض۔

قولــہ ای تزیینہ: حذفِ مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے قد مرّ تحقیقہ تزیین سے مُراد شیطانی وساوس ہیں تفریق کے بارے میں اور طرق سے مُراد اُن کے آثار جیسے دودھ، گوشت کی حُرمت، ہفتہ کے روز کا احترام۔

قولــہ بالتفریق بالتفریق کی باء تصویریہ ہے۔ طرق شیطان کی صُورت بیان کی ہے۔ کچھ عمل اسلام پر اور کچھ یہودیت پر۔

قولہ بین العداوۃ (ظاہر العداوۃ) تقدم غرضہ

قولہ ملتم۔ زلل کا معنیٰ ہے پھسلنا، جب آدمی صحیح راستے سے پھسلے گا تو میلان عن الطریق ہو جائے گا تو گویا کہ زلل کے لئے میلان عن الطریق لازم ہوا اسلئے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ملتم کا کلمہ نکال کر زللتم کی تفسیر باللازم بیان کی ہے۔ دوم: اشارہ فرمایا کہ زللتم بمعنی المیل ہے لا بمعنی الخبط والہوان

قولہ عن الدخول فی جمیعہ (جمیع احکام میں) زللتم کا صلہ بیان کیا ہے

قولہ الحجج اس کی دو غرضیں ہیں۔ اولؔ اشارہ فرمایا کہ البینات صفت ہے موصوف مقدر کی۔ دوم: اشارہ فرمایا کہ بینات بمعنی الدلائل ہے لا بمعنی الشہود۔

قولہ الظاہرۃ بینات کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ علیٰ انہ حق بینات کا صلہ بیان کیا ہے لیکن

یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے دعویٰ بیان کیا ہے اور دلیل من بعد ما جاءتہ ہے یعنی جس پر دلائل آتے ہیں وہ کیا ہے، وہ حق ہے اس لئے فرمایا کہ انہ حق

قولہ لا یعجزہ شئ عن انتقامہ منکم (تمہارے سے انتقام لینے سے کوئی چیز اُن کو باز نہیں رکھ سکتی) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اولؔ: لفظ عزیز معانی مختلفہ میں مستعمل ہے۔ عزیز بمعنی بے نظیر۔

کما فی قولہ تعالیٰ: وانہ لکتاب عزیز حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ معنیٰ فرماتے ہیں: "کتاب ہے بے نظیر۔ عزیز بمعنیٰ قادر و غالب۔ علامہ سیوطی رح نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ عزیز بمعنیٰ غالب و قادر ہے نہ کہ بے نظیر یعنی تعیین احد المعانی ہے۔

دوم عزیز کا حاصل معنی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غالب بھی ایسا کہ جس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے۔

قولہ فی صنعہ (اپنی کاریگری میں) محل حکمت بیان کیا ہے۔

فائدہ عَزِیْزٌ کے بعد صفت حَکِیْمٌ کو ذکر کرنے میں دو فائدے ہیں۔ اوّل عام طور پر جہاں غلبہ ہو وہاں پر جبر و ظلم ہوتا ہے۔ طاقت ور قوم عموماً ظالم ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میں عزیز ہوں لیکن میرا غلبہ جابرانہ وظالمانہ نہیں بلکہ حکیمانہ ہے۔ دوم العزیز صفت جلالی ہے۔ حَکِیْمٌ صفت جمالی ہے اشارہ فرمایا۔ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ خبردار میں عزیز ہوں پکڑ سکتا ہوں اگر چھوڑ دوں تو میں حکیم ہوں یعنی عزیز فی الاخذ وحکیم فی الارسال۔

قولہ ما اشارہ فرمایا کہ استفہام بمعنی النفی ہے۔ لاَنَّ اللّٰہَ تعالٰی عالم الغیب والشھادۃِ فلا معنیٰ للاستفہام منہ تعالٰی اسی لئے اس کے بعد اِلَّا آیا ہے۔

قولہ ینتظرون (انتظار کررہے ہیں) نظر بمعنی دیکھنا، انتظار کرنا علامہ سیوطی رحہ نے اشارہ فرمایا کہ یَنْتَظِرُوْنَ انتظار کے معنیٰ میں ہے نہ کہ دیکھنے کے معنیٰ میں

قولہ اَلتَّارِکُوْنَ الدُّخول فیہ (دخول فی الاسلام کو چھوڑنے والے منتظر نہیں ہیں) یَنْتَظِرُوْنَ کے ضمیر کا مرجع بیان کیا ہے

قولہ اَی اَمْرُہٗ (یعنی ان کا حکم آجائے) دفعیہ سوال مقدرہ ہے۔

سوال آیت مبارک کے اندر لفظ ہے اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ اور اتیان بمعنٰے انتقال ہے جو کنایہ ہے مَجِیْئٌ اور ذَھَابٌ سے جب کہ ذات باری تعالیٰ تو مجیئ اور ذھابٌ سے پاک ہیں۔ ثانیاً: انتقال صفت الحادث ہے اور اس کی نسبت ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہے۔

جواب علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ مقدر فرماکر اشارہ فرمایا کہ ان المضاف محذوف ای امر اللہ گویا کہ یَاْتی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت مجاز مشہور ہے: کقولھم ضرب الامیر فلانًا والمراد خدم الامیر۔

قولہ کقولہ اَوْ یَاْتِیَ بیان قرینہ ہے اس کو تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کہتے ہیں سورۃ نحل میں ہے ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ تَاْتِیَھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ

قولہ اَی عذابہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب) اشارہ فرمایا کہ امر عذاب کے

معنیٰ میں ہے یعنی امر سے مُراد عذابِ خداوندی ہے نہ کہ امر بمعنٰی طاعت یعنی تعیین
احدُ المعانی ہے۔

قولہ جمع ظلۃ (ظلل جمع ظلہ کی) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تحقیق بیان فرما
بیان کر رہے ہیں کہ ظلل جمع ظلۃ کی ہے کہ جیسے قلل جمع قلۃ کی جو چیز سایہ فگن ہو
جیسے بادل اور فی ظلل اتیان کا ظرف ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا عذاب بادل کی شکل میں
جو بصُورت رحمت ہوگا کہ دیکھنے والا بارانِ رحمت سمجھے لیکن درحقیقت زحمت ہو

قولہ السّحاب (بادل) غمام کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر

قولہ امرَ اَھلاکھم (یعنی اُن کی بربادی کا قضیہ پورا ہو جائے) علامہ
سیُوطی رحمۃ اللہ نے تَمّ کا لفظ نکال کر اشارہ فرمایا کہ قضٰی بمعنے الاتمام ہے کیونکہ قضٰی
مختلف مَعانی میں مستعمل ہے یعنی تعیین احدُ المعانی ہے۔

قولہ امر اھلاکھم اشارہ فرمایا کہ الامر کی الف لام عہد کی ہے اس سے
امر ہلاکت والامُراد ہے۔ عند البعض الامر کی الف لام عوض ہے مضاف الیہ محذوف کے
اصل میں عبارت تھی قُضِیَ امرا ھلاکھم

قولہ بالبناءِ للمفعول والفاعل (ترجع مجہول اور معروف ہے)
بیان قراءتین ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ترجع اگر متعدی ہے تو مصدر رَجْعٌ ہے
ضَرَبَ کی طرح یعنے بناء للفاعل کَمَا فی قولہٖ تعالیٰ فَاِن رَّجَعَكَ اللهُ اور اگر
لازمی ہے تو مصدر رجُوع ہے بمعنٰی رد یعنی بناء للمفعول (يُرْجَعُ)

قولہ فی الآخرۃِ محل رجوع بیان کیا ہے۔

قولہ فیجازی (جزا دیں گے) اشارہ فرمایا کہ ذکر رجوع ارادہ جزاء قدم بیانہ

بیان فوائد

خلاصۂ دین | خلاصہ دین یہ ہے کہ اسلام کی مکمل اطاعت فرض ہے اور کمال اسلام کے لئے جہاں اس کے تمام داخلی اجزاء و ارکان اور اسی طرح تمام

شرائط کی پابندی ضروری ہے وہیں بیرونی چیزوں سے احتیاط بھی حد درجہ ضروری ہے یعنی اسلام میں جس چیز کی رعایت نہ کی گئی ہو۔ دین ہونے کی حیثیت سے اس کی رعایت نہ کی جائے اگر شروع ہی سے حفاظت اسلام کے سلسلے میں اس درجہ احتیاط نہ کی جاتی تو کچھ دنوں میں اس تساہل کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام مختلف رسومات کا مجموعہ ہو کر رہ جاتا یعنی اول اس کی صورت شخصیہ نوعیہ جنسیہ بدلتی پھر ہیولی بھی تبدیل ہو کر رہ جاتا، اس سے احداث فی الدین کی برائی واضح ہے جس کا حاصل بدعت ہے۔

سَلْ يا محمد بَنِيٓ اِسْرَائِيْلَ تبكيتًا كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كم استفهامية معلقة لسل من المفعول الثاني وهي ثاني مفعولي اتينا ومميزها مِنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ظاهرة كفلق البحر وانزال المن والسلوى فبدلوها كفرًا وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ اى ما انعم به عليه من الأيات لانها سبب الهداية مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ كفرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ له زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا من اهل مكة الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا بالتمويه فاحبوها وهم يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لفقرهم كعمار وبلال وصهيب اى يستهزءون بهم ويتعالون عليهم بالمال وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا الشرك وهم هؤلاءِ فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ

يَّشَآءُ بغير حِسَابٍ اى رزقًا واسعًا فى الآخرة اوالدنيا بان يملك المسخور منهما موال الساخرين ورقابهم

ترجمہ | ذرا پوچھئے (اے محمد) بنی اسرائیل سے (ڈانٹ کر) ان کو کتنی ... استفہامیہ ہے سَل کو مفعول ثانی میں عمل دینے سے اس نے ... دیا ہے اور کم فعل اٰتینا کا مفعول ثانی ہے اور اس کا ممیز یہ ہے مِن اٰیۃ واضح دلیلیں دی ہیں (کھلی جیسے سمندر کا پھٹنا منّ وسلوٰی کا نازل ہونا لیکن اُنھوں نے کفر سے بدل دیا) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدلتا ہے (یعنے جن آیات اور دلائل کا اس پر انعام کیا ہے کیونکہ وہ نعمت ہی باعثِ ہدایت بنتی ہے) ان کے پاس پہنچنے کے بعد (کفر کر کے) تو یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (ایسے شخص کو) آراستہ و پیراستہ معلوم ہوتی ہے کفار (اہلِ مکہ) کو دنیوی زندگی ... سازی کی وجہ سے انس لئے اس سے محبت کرتے ہیں) اور یہ (اس لئے) مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں (مسلمانوں کی غربت کی وجہ سے جیسے حضرت عمارؓ، بلالؓ، صہیبؓ یعنی ان پر بہتان کستے ہیں اور مال کی وجہ سے ان پر رعب جماتے ہیں) حالانکہ جو لوگ بچتے ہیں (شرک سے یہی مسلمان) ان کافروں سے بالا رہیں گے، قیامت میں اور روزی تو اللہ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں (دین یا دنیا میں کشادہ رزق اس طرح کہ مذاق اڑانے والوں کے مال اور گردنوں کا مالک تمسخر زدہ لوگوں کو بنا دے۔)

بیان شانِ نزول | کفارِ مکہ حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ (رضی اللہ عنہم) جیسے مفلوک الحال مسلمانوں سے تمسخر کیا کرتے تھے اور ان کو مذاق کا نشانہ بنائے رکھتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا الخ

بیان ربط | پچھلی آیت میں واضح دلائل آجانے کے بعد حق کی مخالفت کو باعث

نمز فرمایا گیا تھا۔ آیت سَلْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھو اس کے بعد آیت زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا میں مخالفتِ حق کی علت یعنی دنیا کی محبت کا بیان ہے۔

بیانِ اَغراضِ جلالین

قولہ یا محمد تعیین مخاطب ہے یعنی اِنَّ الخطاب للرسول لا لکل

قولہ تبکیتاً (ڈانٹ کر) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ سوال استعلام کے لئے نہیں بلکہ توبیخاً و زجراً ہے یعنی کیفیتِ سوال کا بیان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سَلْ اس کی اصل اِسْئَلْ ہے۔ ہمزہ کا فتحہ سین کو دے کر ہمزہ کو حذف کر دیا اور ہمزہ وصلی کی ضرورت چونکہ اب نہیں رہی، اس لئے اس کو بھی حذف کر دیا اس وجہ سے سَلْ رہ گیا اور یہ امر کا صیغہ ہے اس کے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یا ہر سننے والا شخص ہے اس میں بنی اسرائیل کے لئے تو دھمکی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اگر آپ پر ایمان نہیں لائے تو جاتے تعجب نہیں ہے حضرت موسیٰ کو کتنے معجزات دیئے گئے مگر پھر بھی یہ منکر ہی رہے۔

قولہ کَمْ اِستفہامیۃ تعیین ہے کَمْ کی کہ کَمْ استفہامیہ ہے لا خبریۃ کما قیل لاَنَّ المناسب للسّوال الاستفھام

قولہ معلقۃ لسل (یعنی کَمْ معلقہ ہے سَلْ کے لئے)

قولہ ھی اس کی ضمیر کَمْ کی طرف راجع ہے۔ اٰتَیْنٰھُمْ کے دو مفعول ہیں۔ اوّل ھُمْ مفعول اوّل ہے دوئم کَمْ مفعول ثانی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ ایک نحوی قانون کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جس کا تعلق تعلیق کے ساتھ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال قلوب کی ایک خاصیت تعلیق بھی ہے۔ تعلیق کسے کہتے ہیں۔ مختصر تعریف یہ ہے کہ فعل کا صرف لفظاً ابطال عمل ہو، حقیقتاً عمل باطل نہ ہو۔ سَلْ اگرچہ افعال قلوب میں داخل نہیں تاہم سبب عمل ہونے کی وجہ سے اس کو بھی فعل قلب

شمار کرکے دو مفعول کو نصب دینا اور تعلیق کا عمل مان لیا گیا ہے اس لحاظ سے جملہ کم
اتینا ھم محل نصب میں مفعول ثانی کے قائم مقام ہے جس کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ
ثانی مفعول اتیناھم سے تعبیر کررہے ہیں یا مفعول مطلق کی جگہ ہے ای سلھم
السؤال یا منصوب بنا بر حال ہے ای سلھم قائلاً کم اتیناھم

قولہ ومُمَیِّزُھَا (اور اس کا ممیز یہ ہے) جب کم استفہامیہ ہو تو
کو تقاضا کرے گا اس لئے اسکی تمیز کی تعیین فرمارہے ہیں اور کم کی تمیز مِنْ اٰیَۃٍ
اگر کم اور اس کی تمیز کے درمیان فاصلہ ہو تو چاہے کم استفہامیہ ہو یا کم خبریہ
بہر صورت من کا داخل کرنا تمیز پر مستحسن ہے تاکہ مفعول اور تمیز میں امتیاز ہو سکے
رضی نے جو کم استفہامیہ کے ساتھ من کے زائد لانے سے انکار کیا ہے وہ بلا فاصلہ
کی صورت میں ہے ورنہ فاصلہ کے وقت وہ بھی جواز زیادتی کے قائل ہیں۔

قولہ ظاھرۃ۔ بَیِّنَۃ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ کفلق البحر وانزال المن والسلوٰی (سمندر کا پھٹنا من و
سلوٰی کا نازل ہونا۔ آیات بینات کی جزئیات کا بیان ہے

قولہ فبدلوھا کفرا (لیکن انھوں نے ان کو کفر سے بدل دیا)
دو غرضیں ہیں۔ اول: علامہ سیوطی رحمہ نے اقتضاء النص کے طور پر یہ کلمہ نکالا ہے
تاآنکہ مِنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ کی تفریع وَمَنْ یُّبَدِّلْ پر درست ہو جائے کیونکہ معنی
کہ کتنی نعمتیں ہم نے بنی اسرائیلیوں کو دیں لیکن یہ مذکور نہیں کہ انہوں نے شکر ادا کیا
نہیں۔ بس صرف تبدیلی کے جرم پر ڈراوا مذکور ہے۔ مگر اس کلمے کے مقدر کرنے
آیت مبارک کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ ہم نے بہت سی نعمتیں بنی اسرائیلیوں کو عطا
کیں (فبدلوھا) لیکن انہوں نے ناشکری کرتے ہوئے ہماری نعمتوں کو تبدیل کر دیا
ساتھ ساتھ یہ بھی سن لو۔ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نعمت اللہِ فَاِنَّ اللہَ شَدِیْدُ العقاب۔
اشارہ فرمایا کہ سوال محض اتیان نعمت کا نہیں بلکہ عذاب بر تبدیلی نعمت ہو گا
نے شکرانِ نعمت کو کفرانِ نعمت میں بدل ڈالا۔ نیز فبدلوھا کفرًا اس میں

ضمیر مفعولِ اوّل اور کفرًا مفعول ثانی ہے اصل عبارت تھی ای اخذوا بدل الایمان کفرًا

قولہ ای ما انعم بہ علیہ (یعنی جو انعام کیا گیا ہے اس پر) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ نعمت سے مراد وہ شئ ہے جس کا انعام کیا گیا ہے یعنی ذکر المصدر و اراد بہ المفعول ابدال کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں۔(۱) مبدل (۲) مبدل بہ نعمت مبدل ہے اور کفر مبدل بہ ہے۔

قولہ من الاٰیاتِ بیان ہے ما انعم کے مَا کا یعنے نعمتُ اللہ سے مُراد دلائل و آیات مُراد ہیں۔

قولہ لانہا سبب الھدایۃ (کیونکہ وہ نعمت ہی سبب ہدایت بنتی ہے) یہ کلمات دفعیہ سوال مقدر ہیں

سوال آیات بیّنات کو نعمت کیوں کہا گیا ہے؟

جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ آیات بیّنات سبب ہوتیں ہیں ہدایت کے لئے اور ہدایت ہی سب سے بڑا انعام ہے۔

قولہ کُفرًا یبدّل کا مفعولِ اوّل نعمۃ اللہ ہے اور کفرًا مفعول ثانی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مقدر کیا ہے لانَّ الاقتصار التبدیل علیٰ مفعولٍ واحدٍ لایجوز یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کی نعمت جس سے مُراد آیاتُ اللہ ہیں، اُن میں تبدیلی اُن کے آنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے، پھر اس قید (مِن بعدِ ما جاءتھم البَیِّنٰتِ) کو لگانے کا کیا فائدہ

جواب بقول شیخ جاجروی رحمہ القوی منشا۔ اس قید کا ان کی گستاخی اور جرأت بے جا کا اظہار اور اشد عذاب کا استحقاق بیان کرنا ہے کہ اوّل تو اس تبدیلی کی وجہ سے بھی عذاب کے مستحق ہو چکے تھے لیکن سمجھ جانے کے بعد جان بوجھ کر اس جُرم کا ارتکاب مزید استحقاق عذاب کا باعث ہے

قولہ لہ اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل وَمَنْ یُّبَدِّلْ کی خبر بنانے کے لئے لہ مقدر ماننا ہے یعنی ومن یبدل مُبتدا۔ اور لہ اس کی خبر ہے۔

دوم وَمَنْ یبدِّل شرط فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ جزاء ہے اور قانون ہے اِنَّ الجُملۃ اِذا وقعت خبرًا لا بُدَّ فیھا من عائدٍ الی المُبتداء للربط علاوہ یہاں عائد نہیں ہے تو علامہ سیُوطی رحہ نے عائد مقدر کیا ہے تاآنکہ شرط جزاء کا آپس میں ربط ہو سکے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی شدید العقاب لہٗ۔

قولہ من اھلِ مکۃ - الّذین موصُول کی تعیین فرمائی ہے۔

یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی - تزئیین کفر کا حقیقی فاعل اور خالق اللہ تعالیٰ ہے وَاللّٰہُ خلقکم وماتعملونَ مگر مجازًا شیطان کی طرف نسبت ہے کیونکہ وہ سبب ظاہری ہے۔

قولہ بالتّمویہ (ملمّع سازی کی وجہ سے) بعض حضرات کے نزدیک تمویہ سے مُراد دنیا کے مکر و فریب ہیں جو ضلالت و گمراہی کا ظاہری سبب ہیں لیکن علامہ سیُوطی رحمہ اللہ کے نزدیک دنیا کی ملمع سازی مُراد ہے اور ملمّع سازی کہتے ہیں کہ اندر سے کچھ ہو اور باہر سے کچھ اور نظر آئے جس طرح مٹی کے برتنوں کو اُوپر سے مٹی چینی کا لیپ کر دیا جاتا ہے جس سے بظاہر خالص چینی کے برتن نظر آتے ہیں جبکہ حقیقتاً وہ مٹی ہی ہوتی ہے جو ٹوٹنے کے بعد نظر آتی ہے تو گویا بالتمویہ کی باء تصویریہ ہے۔ تزیین دنیا کی علامہ سیوطی رحمہٗ اللہ نے صُورت بیان کی ہے۔

قولہ فاحبُّوھَا (اسلئے اس سے محبّت کرتے ہیں) دفعیہ سوال مقدر۔

سوال تزیین دنیا کی تخصیص کفّار کے لئے کیوں ہے حالانکہ مؤمن کے لئے بھی تو مزیّن ہے کمافی قولہ تعالیٰ: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ الآیۃ

جواب تو علامہ سیُوطی رحمہٗ اللہ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ تزیین باعتبار اثر کے ہے کہ مؤمن پر اس کا اثر نہیں ہوتا کہ وہ اس دنیا کو فائدہ کے حصول تک طلب کرتا ہے بعد اس سے دُور ہو جاتا ہے لیکن کافر اس کا اثر لیتا ہے اور اس کو اپنا محبوب بنا

لیتا ہے جو قابل نفرت ہے یعنی فاحبوھا کجہے یہ بیان لاختصاص المستفاد من اللام (للذین) والا فا الزینۃ عام للمؤمن والکافر

قولہ ھم اشارہ فرمایا مبتدا۔ مقدر کی طرف اور یہ جملہ حالیہ ہے یعنی ان الواد للحال لاعاطفۃ

قولہ لفقرھم (غربت کی وجہ سے) متعلق یسخرون کے ہے اور علت ہے یسخرون کی کہ کافران خدا پرست انسانوں سے غربت کی وجہ سے مسخری کرتے ہیں یعنی ان کے ہاں مدار عزت مال ہے نہ کہ تعلق باللہ

قولہ کعمارؓ وبلالؓ وصھیبؓ تعیین موصول ہے یا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے جزئیات کا بیان ہے

خلاصۃ الکلام ان الموصول للعھد لا للعموم کما قیل لان الاصل فی الموصول العھد کما فی الام۔

قولہ ای یستھزءُونَ بھم ویتعالون علیھم بالمال (یعنی ان پر استہزا۔ کرتے ہیں اور مال کی وجہ سے اُن پر رُعب جماتے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے ویسخرون للذین اٰمَنُوْا کا حاصل معنیٰ بیان فرمایا ہے یعنی بیان حاصل معنیٰ ہے۔

یقول الشیخ جاجروی رحمۃ القوی یستھزءُونَ سے یتعالون بالمال کا مطلب بھی واضح ہو رہا تھا مگر علیحدہ نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لیطابق قولہ تعالیٰ : وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ کے کیونکہ حقیقی فوقیت موحد کو ہے نہ کہ کافر کو۔

قولہ الشرك (شرک سے) اتقوا کا مفعول نکالا ہے یعنی بیان ترکیب ہے نیز اشارہ فرمایا کہ تقوٰی سے مُراد تقوٰی من الشرک ہے لا مطلقًا

قولہ وھم ھؤلاءِ (یہی مسلمان) اس کی دو غرضیں ہیں۔

اولؔ تقدیر مُبتدا۔ کی طرف اشارہ ہے۔ دُوم وَالَّذِیْن اتقوا موصول کی تعیین ہے اور وَالَّذِیْنَ جملہ حالیہ ہے مُراد اس سے ضُعفا۔ اور غربا۔ مؤمنین ہیں۔

قولہ رزقاً واسعاً (کشادہ رزق) اس کی دو غرضیں ہیں
اوّل: اشارہ فرمایا کہ بغیر حساب کا مُرادی معنے مُراد ہے نہ کہ موضوع لہٗ معنی کیونکہ اگر موضوع لہٗ معنیٰ مُراد لیں تو پھر اعتراض ہوگا کہ یہاں فرمایا بغیر حساب رزق دوں گا جبکہ سورۃ التکاثر میں فرمایا لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ یعنی پہلی آیت سے حساب کی نفی ہوتی ہے، سُورۃ التکاثر کی آیت سے حساب کا اثبات ہوتا ہے، تو جب مُرادی معنیٰ مُراد ہوگا تو یہ اعتراض دفع ہوجائے گا۔
دوّم: قرآن کریم میں بغیر حساب کا لفظ تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔
۱۔ مشقت کے معنیٰ میں جیسے ترزق مَن تشآء بغیر حساب
۲۔ کثرت کے معنیٰ میں جیسے اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اجرھم بغیر حساب
۳۔ مطالبہ کے معنیٰ میں جیسے فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔
علاّمہ سیوطی رح رزقاً واسعاً نکال کر اشارہ فرمایا کہ بغیر حساب مشقت کے معنیٰ میں ہے نہ کہ مطالبہ و کثرت کے معانی میں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدُالقادر رح معنیٰ کرتے ہیں روزی دیتا ہے بغیر قیاس کے یعنی تعیین احدُ المعانی ہے۔
قولہ فی الآخرۃ او الدّنیا (آخرت اور دنیا میں) محل رزق بیان کیا ہے۔
یَقُولُ الشیخ جاجروی رحمۃُ القوی اَوْ تنویعیہ ہے کہ اصل محل رزق تو مومن کے لئے آخرت ہے لیکن کبھی اس دارُ الفناء میں بھی مومنین کے لئے فراخیٔ رزق ہوجاتی ہے تو اس سے صحابۂ کرام کو فتوحات کی بشارت دی جا رہی ہے۔
قولہ بان یّملک المسخور منھم اموال الساخرین و رقابھم (اس طرح کر مذاق اُڑانے والوں کے مال اور گردنوں کا مالک تمسخر زدہ لوگوں کو بنا دے) بان یّملک کی باء تصویریہ ہے۔ عند البعض مطلقاً یَرْزُقُ من یشاء بغیر حِسَاب کی صورت بیان کی ہے لیکن مرتب کے نزدیک رزقاً واسعاً فی الدّنیا کی صورت بیان کی ہے
وقد حصل ذالک بعد الفتح فی الغزواتِ فانّہٗ ما من غزوۃٍ الا ویاخذ منھم الاموال والرقاب۔

بیان فوائد

مال و دولت مقبولیت کی اور فقر و فاقہ نامقبولیت کی علامت نہیں

کسی پر رزق کی فراوانی نہ تو اس کے مقبول ہونے کی دلیل ہے اور نہ کمال کی علامت بلکہ طاعت کی بجائے اگر معاصی کے ساتھ یہ سب چیزیں جمع رہتی ہیں تو یہ استدراج اور ڈھیل کی علامت ہے۔ غرضیکہ روزی کا مدار قبولیت و کمال پر نہیں جو کہ زیادہ مالدار ہو وہ بڑا باکمال اور مقبول ہے اور جو زیادہ غریب ہو وہ بے کمال و مردود ہو بلکہ زیادہ تر معاملہ برعکس ہے۔ اس لئے مال و دولت پر غرہ اور ناز نہیں ہونا چاہیئے اور نہ غریب لوگوں کا مذاق اُڑانا چاہیئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مومن مرد و عورت کو فقر و فاقہ کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اللہ تعالٰے قیامت کے روز اس کو سب کے سامنے ذلیل و رُسوا فرمائیں گے

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلَى الإيمانِ فاختلفوا بان
امن بعض وكفر بعض فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ اليهم مُبَشِّرِيْنَ
من امن بالجنة وَمُنْذِرِيْنَ من كفر بالنار وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ
الْكِتٰبَ بمعنى الكتب بِالْحَقِّ متعلق بانزل لِيَحْكُمَ به
بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ من الدين وَمَا اخْتَلَفَ
فيه اى الدين اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ اى الكتاب فامن بعض
وكفر بعض مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ الحجج الظاهرة

علی التوحید و مِن متعلقة باختلف وھی مابعدھا مقدم

علی الاستثناء فی المعنٰی بَغْیًا مِن الکافرین بَیْنَهُمْ

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ للبیان

الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ بارادته وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ھدایته

الٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ طریق الحق

ترجمہ پہلے سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (یعنی ایمان پر یعنی کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر کے اختلاف قائم کر دیا) پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو (اُن کے پاس) بھیجا جو خوشخبری سنانے والے تھے (ایمانداروں کو جنت کی) اور ڈراتے رہتے تھے (کافروں کو جہنم سے) اور اُن کے ساتھ اُتاریں کتابیں بھی (کتاب بمعنی کتب) صحیح طریقے پر (بالحق متعلق ہے انزل کے) اس لئے تا آنکہ فیصلہ کر سکیں اُن کے ذریعے لوگوں کے (دینی) اختلاف کا اور (دین کے باب میں) کسی نے اختلاف برپا نہیں کیا۔ بجز ان لوگوں کے جن کو (وہ کتابیں) دی گئی تھیں (چنانچہ بعض لوگ ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا) ان کے پاس کھلے دلائل پہنچنے کے بعد (توحید پر روشن دلائل قائم ہونے کے بعد) اور مِن متعلق ہے اختلف سے اور یہ مِن اور اس کا مابعد یعنے بَغْیًا دراصل استثنا۔ سے معنیً مقدم تھا محض (کافروں کی) باہمی ضد اضدی کی وجہ سے پھر رہنمائی فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اس امرِ حق کے سبب جس میں لوگ اختلاف کیا کرتے تھے (مِن بیانیہ ہے) بفضلہٖ تعالیٰ (مشیتِ الٰہی سے) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں (ہدایت دنیا) راہِ راست (حق کا راستہ) دکھلا دیتے ہیں۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ علی الایمان (یعنی ایمان پر) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے

یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ وحدت ایمانیہ تھی نہ کہ کفریہ یعنی تعیین وحدت ہے ثانیاً: تردید ہے مشرکین کی کیونکہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ قدیمی مذہب ہمارا ہے۔ اللہ تعالٰی نے تردید فرمائی کہ قدیمی مذہب توحیدی ہے نہ کہ شرکیہ مذہب۔

قولہ فاختلفوا یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور فَبَعَثَ اللّٰهُ آپس میں منطبق نہیں کیونکہ بظاہر معنٰی یہ ہے کہ تھی امت ایک پس بھیجا اللہ پاک نے نبیوں کو حالانکہ جب اُمت واحدہ تھی تو بعثتِ انبیاء کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اقتضاءُ النص کے طور پر یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ امتِ واحدہ تھی مگر اُنہوں نے اختلاف کیا بعدہٗ اُن کی اصلاح کے لئے اللہ پاک نے انبیائے کرام علیہمُ السّلام کو مبعوث فرمایا۔ مزید اس کی وضاحت کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے فائدہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ بان اٰمن بعض وکفر بعض اس کی دو غرضیں ہیں:-

اوّل: بِاَنْ کی با تصویریہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اختلاف کی صورت بیان کی ہے۔ دوم: اختلاف دو قسم ہے:

۱۔ اُصولی: توحید باری تعالٰی کا انکار، قیامت کا انکار، ختمِ نبوت کا انکار۔

۲۔ فروعی: رفع یدین، قراءت خلف الامام وغیرہ

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اختلاف اُصولی تھا نہ کہ فروعی

قولہ الیھم (اُن کے پاس) اس کی دو غرضیں ہیں:-

اوّل: صلہ نبیین بیان کیا ہے۔ دوم: مبعوث الیہ کا بیان ہے۔ ربّ ذوالجلال نے گمراہ شدہ قوموں کا علاج دو چیزوں سے فرمایا:-

۱۔ بعثت انبیائے کرام اور رسولوں کو تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا جس کا بیان فَبَعَثَ اللّٰهُ سے شروع ہے۔

۲۔ انزال کتاب کہ کتابیں بھیجی جس کا بیان وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ سے شروع ہے

قولہ مَنْ اٰمَنَ (ایمانداروں کو) علامہ سیوطی رح نے مُبشرلھم کا بیان فرمایا ہے یعنی بیان مبشر لھم ہے۔
قولہ بالجنّة (جنت کی) مُبشربہٖ کا بیان ہے۔
قولہ مَن کفر (کافروں کو) بیان منذ رلھم
قولہ بالنّار (جہنم سے) منذربہ کا بیان ہے۔
قولہ بمعنی الکتب اشارہ فرمایا کہ الکتاب کی الف لام جنس کی ہے نہ کہ عہد کی۔ یا مُفرد جمع کے موقع میں ہے۔
قولہ متعلق بانزل (بالحق متعلق ہے انزل کے) بالحق کا تعلق انزل سے ہو تو یہ ظرف لغو ہوگا۔ عند البعض بالحق کتاب سے حال بھی ہوسکتا ہے یعنی ھٰذا بیانُ الترکیب
قولہ بہٖ یحکم کا صلہ بیان کیا ہے الضمیر راجع الی الکتاب عند البعض الضمیر راجع الی اللہِ اَوْ اِلی النّبیّ
قولہ مِنَ الدین اس کی دو غرضیں ہیں :۔
اوّلؔ : فیما اختلفوا کے ما کا بیان ہے۔ دوئمؔ : اشارہ فرمایا کہ اختلاف دینی تھا نہ کہ دنیوی۔
قولہ ای الدین بیان مرجع ہے بعض حضرات نے فیہ کے ضمیر کا مرجع کتاب کو بنایا ہے۔
قولہ ای الکتاب بیان مرجع ہے
قولہ فامَنَ بعض وکفر بعض (چنانچہ بعض لوگ ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا) بیان تفصیلِ اختلاف کہ اختلافِ اُصولی تھا نہ کہ اختلافِ فروعی قدمرّ تحقیقہ۔
قولہ الحججُ الظّاھِرَة قد مرّ غرضہ فی اٰیة فَاِنْ زَلَلْتم من بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنَاتِ الخ
قولہ علیٰ لتوحیدِ (توحید پر) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّلؔ : ما اختلف

کے ما کا بیان ہے۔ دوم: بیان مدعٰی ہے۔

قولہ ومن متعلقة باختلف (اور مِنْ متعلق ہے اختلف کے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ مِن بعد کو الّا الذین کے بجائے اختلف سے لگاتے ہیں۔

قولہ وھی وما بعدھا مقدم علی الاستثناء فی المعنیٰ (اور یہ من اور اس کا مابعد یعنے بغیًا دراصل استثنا۔ سے معنًی مقدم تھا) یہ جملہ دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اگر مِنْ بَعْدِ کا تعلق اِلَّا الَّذِیْنَ کے بجائے اختَلَفَ کے ساتھ لگائیں تو اس پر سوال ہوسکتا ہے کہ الّا کا ماقبل اس کے مابعد میں کس طرح عمل کرسکتا ہے یا بالفاظ دیگر اس سوال کو یوں بھی پیش کرسکتے ہو کہ ایک استثناء سے دو چیزیں کیسے مستثنیٰ ہوسکتی ہیں۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ وھی وما بعدھا الخ کے کلمات سے اس سوال کا دفعیہ فرمادیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ الّا کا مابعد نہیں ہے بلکہ معنًا استثناء پر مقدم ہے اس لئے اختلف کا معمول بننے میں کوئی شبہ نہیں ہے بقول علامہ محمد نعیم صاحب کمالین میں تقدیر عبارت اس طرح لکھی ہے وَمَا اختلف فیہ من بعدِ مجیئ البیّنَاتِ لاجلِ البغی اَحدًا مِنَ الکافرین الّا الذِین اُوتوا الکتٰب۔ بعض حضرات کے نزدیک اختلفوا کی ضمیر سے وما اختلف فیه کو بیان مان لیا جائے اور اختلاف سے مُراد اُمت دعوۃ کا اختلاف ہے کہ بعض نے ایمان کو قبول کرلیا اور بعض کفر پر رہے۔

قولہ من الکافرین، صلہ نکالا ہے بغیًا کا بعض کے نزدیک فاعل بَغیًا ہے۔

قولہ للبیَانِ مِنْ کی تعیین فرمائی ہے کہ مِن بیانیہ ہے لا تبعیضیہ

قولہ بارادتہ (مشیتِ الٰہی سے) اشارہ فرمایا کہ اذن رضا و مرضی کے معنٰی میں نہیں بلکہ ارادہ کے معنٰی میں ہے یعنی تعیین احدًا لمعانی سے ہے لیکن :-

یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی میرے نزدیک اذن توفیق اور فضل کے معنی میں ہے یعنی باذنہ بمعنی بفضلہ و بتوفیقہ

قولہ ھدایتہ (ہدایت دینا) بیان مفعول یشاء کا۔

قولہ طریق الحق (حق کا راستہ) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل: صراط مستقیم کا حاصل معنٰی بیان فرمایا ہے اور اس سے مراد دین اسلام، دوسری طریقًا لانہ یوصل للمقصود کما ان الطریق کذالک

دوم: اشارہ فرمایا کہ صراط مستقیم سے معنوی طریق مراد ہے لا طریق محسوس مستوی

بیان فوائد

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً سے کیا مُراد ہے؟

عموماً مفسرین حضرات نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں۔ اوّل: کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً سے مُراد حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السّلام کے درمیان کا زمانہ ہے جو دس قرن کا اور ہر قرن اسّی سالہ تھا یا سو سال کا تھا اس میں سب لوگ ایمان پر متفق تھے، بعد میں اختلاف شروع ہوتے اور شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے تو ایمان قدیم تر ہوا اور کفر حادث۔

رہا قابیل وغیرہ کا کفر تو وہ بہت ہی اقل قلیل تھا۔ ایسے لوگوں کی تعداد برائے نام ہی تھی۔ دوم: بعض حضرات نے اس کا مقصد برعکس بیان کیا ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کفارًا فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖن یعنی اوّل کفر متفق علیہ تھا بعد میں ایمان کی وجہ سے اختلاف ہوا۔ لیکن علامہ زمخشری رحمۃ اللہ نے پہلی صورت کو اوجہ قرار دیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً واحِدَۃً فاختلفوا فبعث اللّٰہُ النبیین رواہ الحاکم اس کی مؤید ہے کہ بعثت انبیاء سے پہلے اختلاف کا ذکر ہے۔ دوسرے کفر پر سب کے اتفاق کا ثبوت کسی زمانے میں بھی نہیں ہے۔

ونزل فی جھد اَصاب المسلمین اَمْ بل حَسِبْتُمْ اَنْ

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ شبه ما اتى
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ من المؤمنين من المحن
فتصبروا كما صبروا مَسَّتْهُمْ جملة مُستانفة مبيّنة
لماقبلها الْبَاْسَآءُ شدّة الفقر وَالضَّرَّآءُ المرض وَ
زُلْزِلُوْا ازعجوا بانواع البلاءِ حَتّٰى يَقُوْلَ بالنصب
والرفع اى قال الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ استبطاء
النصر لتناهى الشدة عليهم مَتٰى ياتى نَصْرُ اللّٰهِ الذى
وَعَدْنَاهُ فاجيبوا من قبل الله تعالىٰ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ
قَرِيْبٌ اتيانه

ترجمہ (مسلمانوں کو جب انتہائی مصیبتیں پہنچنی شروع ہوئیں تو یہ آیت نازل ہوئی) اچھا دوسری بات سنو کیا (اَمْ بمعنے بَل) تمھارا خیال یہ ہے کہ جنّت میں داخل ہوں گے حالانکہ ابھی تو تمہیں ان جیسی عجیب باتیں بھی پیش نہیں آئیں (جو آزمائشیں) تم سے پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہیں (مؤمنین پر مصائب پڑے لیکن اُنھوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو) واقع ہوئی ہے ان پر (یہ جملہ مستانفہ ماقبل کا بیان ہے) ایسی ایسی تنگی (انتہائی غربت) اور سختی (بیماری) اور ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں (طرح طرح کی ہولناکیوں اور شدتوں سے دِل دہل گئے) کہ چیخ اُٹھے (یقول رفع اور نصب کے ساتھ ہے بمعنے قال) پیغمبر اور ان کے ہمراہی اہلِ ایمان (امدادِ الٰہی میں تاخیر اور مصیبت کی انتہائی شدت کی وجہ سے) کہ کب (آئے گی) اللہ تعالےٰ کی امداد (کہ جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا چنانچہ منجانب

اللہ اُن کو جواب دیا گیا) ہاں بے شک اللہ تعالیٰ کی نصرت تم سے نزدیک ہے۔ (آنے والی ہے)

بیانِ شانِ نزول

شانِ نزول کی وضاحت علامہ سیوطیؒ نے بیان فرمادی ہے مگر مختصراً عرض ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک غزوۂ احزاب کے موقعہ پر جب کہ بارہ ہزار مشرکین نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرلیا تھا اور تین سو منافقین اندر رہ کر مسلمانوں میں سازشیں کر رہے تھے اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان صرف ایک خندق حائل اور رکاوٹ تھی۔ مسلمان انتہا درجہ سراسیمہ اور پریشان تھے تو ان آیات کا نزول ہوا اور بعض غزوۂ اُحد کے موقعہ پر نزول مانتے ہیں اور بعض کے نزدیک مہاجرین جب اموال وجائیداد مکہ کے مشرکین کے رحم وکرم پر چھوڑ آئے۔ اس وقت بطور تسلی آیات نازل ہوئیں یا مکہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کو حوادث ومصائب کی چکی میں پیسا جارہا تھا۔ اس وقت ان آیات نے مرہم کا کام کیا۔ غالباً علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اسی لئے کسی جہت کی تعیین نہیں کی۔

بیانِ ربط

اہلِ حق کو تسلی دینا ہے کہ وہ اہلِ دنیا کی تکلیف سے نہ گھبرائیں، سابقہ اُمم کے حالات پر نظر دوڑاؤ۔ گو ان جیسے جبلِ استقامت کے صبر کا تو تمہارے سے مطالبہ نہیں لیکن نفسِ صبر میں شرکت تمہارے لئے ضروری ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ نزل آیت آئندہ کا شانِ نزول بیان فرمارہے ہیں

قولہ فی جھدٍ (بالفتح) بمعنی مشقت

قولہ بل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اَمْ بمعنی بل کر کے اشارہ فرمایا کہ اَمْ منقطعہ ہے، متصلہ نہیں اور ہمزہ استفہامیہ انکار کے لئے ہے بمعنی لاینبغی۔

قولہ لم علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ لمّا بمعنی لم ہے نفی کے معنی میں۔

قولہ شبہ مثل کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ اٰخر۔

قولہ ما اَتٰی (وہ آزمائشیں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال آیت ولَمَّا یَاْتِکُمْ مَثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا من قبلکم کا معنی ہے کہ نہیں آئیں گے مثل ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں حالانکہ لوگوں کے آنے کا تو مسئلہ نہیں بلکہ مقصد تو ان کے مصائب اور واقعات کا آنا ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے حذف مضاف کرتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ ذکر تو اَلَّذِیْن خلوا من قبلکم کا ہے مگر مراد ما اتی ہے یعنی وہ مصائب وواقعات تم پر بھی آکر رہیں گے۔ بیان حذف مضاف ہے۔

قولہ منَ المؤمنِین تعیین موصول ہے

قولہ من المحن (مصائب) ما اتی کے مَا کا بیان ہے۔

قولہ فتنصبروا کما صبروا (لیکن انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو) بیان حاصل معنی ہے اور فتنصبروا کا عطف لَمَّا کے مدخول پر ہے اس لئے بحذف النون مجزوم ہے اور خبر نفی میں ہے۔ اصل عبارت تھی ای لم یاتکم مثل ما اتاھم ولم تصبروا چنانچہ ایک موحد انسان کو آروں سے چیرا گیا۔ لوہے کی کنگھیوں سے گوشت پوست ادھیڑا گیا۔ (کمافی ابوداؤد شریف ص جـ۲ کتاب الجہاد باب فی الاسیر یکرہ علی الکفر) اس قسم کے ہولناک اور نا قابل تصور مصائب پہلے لوگوں کو پیش آئے، ان ہی عبرت دلانی مقصود ہے

قولہ جملۃ مستانفہ (یہ جملہ مستانفہ ہے) بیان ترکیب ہے۔

قولہ مبینۃ لما قبلھا (ماقبل کا بیان ہے) یعنی الذین خلوا کا بیان ہے مگر بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ یہ پہلے بیان کے خلاف ہے۔ کیونکہ مثل کے بعد مَا اَتٰی مقدر مانا تھا اس صورت میں تو یہ ما اتی الذین کا بیان ہوا فی الحقیقت نہ کہ مثل کا کیونکہ مثل تو مَا اَصَابَ المؤمنین ہے اور آیت میں جو مذکور ہے وہ وَمَا اصابَ الذِینَ خلوا ہے لیکن مرتب عرض گزار ہے کہ یہ اعتراض لفظی نوعیت کا ہے کیونکہ جب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ما اتی مقدر مانا ہے تو پھر مراد بھی مصائب و وقائع ہیں نہ کہ الذین خلوا۔

قولہ شدۃ الفقر (انتہائی غربت)

قولہ المرض (بیماری) قد مرّ غرضہ فی ایۃ لیس البرّ

قولہ ازعجوا (جنبشیں ہونا) ازعاج اور زلزال کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو ہلانا اور ازعاج زلزال کی تفسیر ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قولہ بانواع البلاء (طرح طرح کی ہولناکیوں سے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول باتواع کی با۔ تصویر یہ ہے۔ زلزال کی صورت بیان کی ہے۔

دوم اشارہ فرمایا کہ زلزلہ حسی نہیں بلکہ معنوی تھا۔

قولہ بالنصب والرفع بیان قراءتین جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حتی کے بعد اگر حال ہو تو وہ مرفوع ہوتا ہے جیسے مرض فلان حتی لا یرجونہ اور اگر مستقبل ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے جیسے سرت حتی ادخل البلد اور اگر ماضی ہو تو قول مذکور کی طرف دیکھا جائے گا۔ وہ ماقبل کے اعتبار سے اگر مستقبل ہے تو نصب ہونی چاہیئے اور اس کی حکایت حال ماضیہ کی طرف نظر کی جائے تو رفع ہونا چاہئے لیکن یہاں حتیٰ بمعنیٰ الیٰ ہے اور اَن مقدر ہے اس لئے یقولُ منصوب ہوگا اور یقول اگر ماضی کے معنیٰ میں ہے تو پھر مرفوع ہوگا۔ پہلی صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی الی اَن قال الرسول اور دوسری صورت میں عبارت اس طرح ہوگی۔ وزلزلوا فقال الرسول

قولہ ای قال۔ علامہ سیوطی رح نے یقولُ کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہ استبطاء للنصر (تاخیر امداد الٰہی میں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ یقولُ الرَّسُولُ وَالَّذِیْنَ اٰمنوا معہ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کو وعدۂ نصرت میں شک تھا جس کی وجہ سے کہتے ہیں مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ نیز اس سے بے صبری کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے جو خلاف رضا و تسلیم ہے حالانکہ انبیائے کرام اور رسل پیکر صبر و یقین ہوتے ہیں۔

جواب مکمل تشریح فائدہ میں آئے گی۔ مختصراً عرض ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے استبطاء للنصر کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ نصرت میں ان کو شک نہیں تھا اور نہ وہ بے صبر تھے بلکہ تاخیر نصرت کی وجہ سے انہوں نے یہ کلمات کہے

یعنی نفسِ نصرت مُراد نہیں، کیسے بلکہ تاخیر نصرت مُراد ہے۔

قولہ لتناهی الشدۃ علیهم (انتہائی شدت کی وجہ سے) عند بعض تناهی علّت ہے۔ یقول الرّسولُ والّذین اٰمنوا معه اور بعض حضرات کے نزدیک حاصل معنی ہے استبطاء للنصر کا۔

قولہ یاتی (آئے گی) مَتٰی منصوب علی الظرف ہے اور محلاً مرفوع ہے بناء بر خبر مقدم کے اور نَصْر مبتداء مؤخر ہے لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یاتی کا کلمہ نکال کر فعل محذوف کا فاعل بیان کیا ہے یعنی بیان فعل محذوف ہے کیونکہ متی زمانیہ ہے، فعل کو تقاضا کرتا ہے اس لئے اس کو مقدر کیا ہے۔

قولہ الذی وعدناہ (جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ نصر کی اضافت اللہ کی طرف اضافت عہدی ہے یعنی ان الاضافة للعهد لا للجنس

قولہ فاجیبوا من قبل اللہ تعالیٰ (چنانچہ منجانب اللہ ان کو جواب دیا گیا) اس کی دو غرضیں ہیں :-

اوّلؔ : بیان ربط کہ مَتٰی نصرُ اللہِ اور اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللہِ قریبٌ میں ربط پیدا ہوجائے کیونکہ اگر فاجیبوا الخ والا جملہ نہ نکالیں تو یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ متی نصرُ اللہ والی الحاح وزاری کو شرف وقبولیت بخشی گئی ہے یا نہیں لیکن جب یہ الفاظ مقدر کریں گے تو مطلب واضح ہوگا کہ رسول مع اپنے متبعین کے الحاح وزاری کی ہم نے ان کی دُعا وپکار کو قبولیت کے اعزاز سے نواز کر جواب دیا، تیار ہوجاؤ، نصرت خداوندی آنا ہی چاہتی ہے۔

دوؔم : فیه ردّ علی قال اَنّ قول اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللہِ قریبٌ مقولُ الرّسولِ وقولہ مَتٰی نصرُ اللہ مقولُ الذین معه علی الطریق اللّف والنشر غیر المُرتب کیونکہ حقیقت میں اَنّ الجملة الاوّل (متی نصرُ اللہ) مِن کلامِ الرّسول و اِتباعه والجُملةُ الثانیة (اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللہِ قریبٌ) مِن کلامِ اللہِ تعالیٰ۔

قولہ اتیانہ (آنے والی) اس کی دو غرضیں ہیں:

اول بیان فاعل مقدر قریب دوم فیہ اشارۃ الی ان المراد بالقرب القرب الزمانی

بیان فوائد

یقول ابوالاسعاد عفا عنہ اللہ عن الشر والفساد

انبیاءِ کرام علیہم السلام تسلیم و رضا کے پیکر ہوتے ہیں

انبیاء اور ان کے مخلصین رفقاء کا مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ کہنا کسی شک و تردد کی وجہ سے نہیں تھا اور نہ اس کو خلافِ رضا و تسلیم کہا جائے گا کیونکہ امدادِ الٰہی کا وعدہ ہو چکا تھا البتہ اس کا وقت مقرر نہیں تھا۔ اِدھر شدّت ضرورت نے انتظار کی اور انتظار نے الحاح و زاری عرض و معروض کی صورت اختیار کر لی اور ظاہر ہے کہ الحاح و زاری کا حاصل دعا و التجاء ہے وہ تو عین مطلوب اور حاصل تسلیم و رضا ہے۔ اس دعا کو توکل یا منصب نبوت کے خلاف کیسے کہا جا سکتا ہے تو اس سے استبطاء بالنصر والے اعتراض کا دفعیہ ہو جاتا ہے کیونکہ متٰی نصر اللہ والا استفہام کہ کب نصرت آ رہی ہے شان مومن ہے۔

بارگاہِ قدس کی رسائی

ترک لذات اور تحمل مجاہدات کے بغیر بارگاہِ قدس تک رسائی میسّر نہیں ہے۔ حدیث پاک حُفَّتِ الجنۃ بالمکارہ سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعی چیزیں کاملین میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ بات منافی کمال نہیں ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ یا محمّد مَاذَا اَیِ الَّذِیْ یُنْفِقُوْنَ والسَّائِل عمرو بن الجموح وکان شیخًا ذا مال فسال النبی صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم عمّا ینفق وعلی من ینفق قُلْ لہم

مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ بيان لما شاملٌ للقليل والكثير
وفيه بيان المنفق الذى هو احدُ شقى السّوال واجاب عن
المصرف الذى هو الشق الاٰخر بقوله فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اى هم اولى به
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ انفاق وغيرهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ه
فمجازعليه كُتِبَ فرض عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ لكفار وَهُوَ كُرْهٌ
مكروه لَّكُمْ طبعا لمشقته وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا
وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ
لميل النفس الى الشهواتِ الموجبة لهلاكها ونفورها
عن التكليفات الموجبة لسعادتها فلعلّ لكم فى القتال
وان كرهتموه خيرًا لانّ فيه امّا الظفر والغنيمة او الشهادة
والاجر وفى تركه وَان احببتموه شرًّا لانّ فيه الذلّ
والفقر وحرمانُ الاجر وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ما هو خير لكم وَ
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ع ذالك فبادروا الى ما يأمركم به ع ۱۰

ترجمہ آپ سے لوگ دریافت کرتے ہیں (اے محمدؐ) کیا چیز ہے (وہ) کہ خرچ کیا کریں (دریافت کرنے والے عمرو بن الجموح ایک مالدار

بوڑھے شخص تھے جنھوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ کیا خرچ کریں اور کن لوگوں پر خرچ کریں) فرما دیجئے آپ (اُن سے) جو کچھ تمہیں مال خرچ کرنا ہے (مِنْ خَیْرٍ بیان ہے مَا کا جو شامل ہے تھوڑے اور بہت مال کو، یہ اُن کے ایک حصۂ سوال کا جواب تھا یعنی مال منفق رہا دوسرا حصۂ سوال یعنی مصرف کا جواب وہ یہ ہے کہ) اس میں ماں باپ کا حق ہے اور رشتے داروں کا اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے (یعنی یہ اولیٰ ہیں) اور جو کچھ نیک کام بھی کرو گے (خواہ انفاق ہو یا اور کوئی) تو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں (اس پر جزائے عمل مرتب ہوگی) فرض (مقرر) کیا جاتا ہے تم پر جہاد (کفار سے) اور وہ تم کو ناگوار (مکروہ) معلوم ہوتا ہے (طبعًا مشقت کی وجہ سے) اور ممکن ہے کہ تم کسی کام کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بری ثابت ہو (کیونکہ نفس کو شہوات مہلک سے رغبت اور تکالیف شرعیہ موجب سعادت سے نفرت ہوتی ہے اسلئے ممکن ہے کہ جس جہاد کو تم ناگوار سمجھ رہے ہو تمہارے لئے اس میں بہتری موجود ہو کیونکہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا کامیابی اور مالِ غنیمت اور یا پھر شہادت و اجر اور ترک جہاد اگرچہ وہ طبعًا مرغوب ہو لیکن اس میں رسوائی تنگدستی محرومی اجر ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ واقف ہیں (جو تمہارے لئے بہتر ہوتا ہے) اور تم (اس کو) نہیں جانتے ہو (اس لئے تعمیل حکم کی تعجیل کرو)

بیانِ شانِ نزول

ابن جریر نے روایت پیش کی ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے اموال کے مَصارف دریافت کئے اور ابن حیان کی روایت ہے کہ عمرو بن الجموح نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جنس انفاق کے متعلق سوال کیا تو اس پر آیت قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ نازل ہوئی۔

بیانِ ربط

یہاں سے پھر سلسلہ احکام شروع کیا جارہا ہے، آیت یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ میں بارہواں حکم انفاق و معارف کا ہے آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ میں تیرہواں حکم جہاد کا ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہ یا محمد تعیین مخاطب ہے۔

قولہ ای الذی (وہ) علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ ذا بمعنے الذی ہے چونکہ اصل میں ما استفہامیہ ہوتا ہے۔ اس لئے یسئلونک کا عمل اس میں نہیں ہوا۔ ترکیبی لحاظ سے ما مبتدا ذا خبر جملہ محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے یسئلونک ای شئ الذی ینفقونہ

قولہ والسائل تعیین سائل ہے۔

قولہ وکان شیخا۔ بیانِ شان نزول !

قولہ لھم۔ مقول لہم کا بیان ہے۔

قولہ بیان لما شامل للقلیل والکثیر : (من خیر بیان ہے ما کا جو شامل ہے تھوڑے اور بہت مال کو) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر تعیم خیر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نیز اشارہ فرمایا ان من بیانیۃ لا تبعیضیۃ۔

قولہ وفیہ بیان المنفق الذی ھو احد شقی السوال واجاب عن المصرف الذی ھو شق الآخر (یہ ان کے ایک حصۂ سوال کا جواب تھا یعنی مال منفق رہا۔ دوسرے حصۂ سوال یعنی مصرف کا جواب وہ یہ ہے) اس عبارت کی وضاحت سے قبل ملاحظہ فرمائیں :۔

فائدہ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ یعنی لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ یہی سوال اس رکوع میں دو آیتوں کے بعد پھر انہی الفاظ کے ساتھ دُہرایا گیا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ لیکن ایک ہی سوال کا جواب آیت مُتذکرہ میں کچھ اور دیا گیا ہے اور دو آیتوں کے بعد آنے والے سوال کا جواب اور ہے۔ یہ فرق کیوں ہے۔ اس کی مکمل تشریح مقدمہ میں پیش کی جارہی ہے۔

مقدمہ مفسرین حضرات میں اختلاف ہے کہ سائلین نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال کیا تھا کہ کتنا خرچ کریں یا دو سوال کیے تھے کہ کہاں اور کتنا خرچ کریں یعنی سوال کی ایک جزء ہے یا دو جزئیں ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

صُورتِ اوّل جس کو صاحبِ کشاف اور علمِ معانی والوں نے اختیار کیا ہے کہ سوال بھی ایک جزء کا تھا اور جواب بھی ایک جزء کا ہے یعنی سوال بھی مُنفق کا تھا (کہ کتنا خرچ کریں) جواب میں فرمایا قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ

سوال یہ ہے کہ بقولِ شما کہ سوال بھی منفق کا تھا اور ——— جواب بھی منفق کا ہے تو فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ الخ والی آیت کا کیا جواب ہے اس میں تو منفق علیہ کو بیان کیا جارہا ہے کہ ان ان جگہوں پر خرچ کریں یعنی سوال وجواب میں مطابقت نہیں۔ سوال مُنفق کا ہے کہ کیا خرچ کریں۔ جواب مُنفق علیہ کا ہے کہ ان مقامات پر خرچ کریں۔

جواب سوال دو قسم ہوتا ہے۔ جدالاً : محض اعتراض اور جھگڑا مقصود ہو۔ مسئلہ کی وضاحت مطلوب نہیں ہے۔ (۲) **تفہیماً و تعلیماً** کہ سوال سے مسئلہ کی وضاحت و تعلیم مقصود ہو۔ سوال تعلیم و تفہیم میں مطابقت و موافقت ضروری نہیں ہوتی۔ بس علیٰ طریقِ اُسلوبِ الحکیم جواب دے دیا جاتا ہے کیونکہ مقصود صرف تسلی سائل اور بات کو ذہن میں بٹھلانا ہوتا ہے وہ جس انداز سے بھی ہو۔ وَهٰكَذَا فِىْ هٰذَا الْمَقَامِ: کہ اللہ تعالےٰ نے بھی حکیمانہ طرز کی رعایت فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کو تم پوچھتے ہو۔ اس کا جواب تو بالاجمال قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ اور وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

خیز میں دے دیا ہے کہ جو کچھ بھی تم خرچ کروگے کم یا زیادہ۔ وہ بھلائی ہی ہے لیکن اصل نظر مقدار پر نہیں ہونی چاہیئے وہ تو حسب مقدور و توفیق ہوتی ہے جو چیز قابل توجہ اور لائق اعتناء ہونی چاہیئے وہ صحیح مصارف ہیں جنھیں تم نے سوال میں ترک کر دیا ہے ثانیاً جواب میں یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ بیجا مصرف زیادہ بھی خرچ بے کار ہے، اور مصرف اگر صحیح ہو تو تھوڑا بھی کار آمد ہو جاتا ہے۔

صورت دوم جس کو علامہ سیوطی رح نے اختیار کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سوال میں بھی دو چیزیں پوچھی گئی تھیں ایک خرچ کی مقدار (منفق) دوسرے اس کے مصارف (منفق علیہ) جس کا قرینہ یہ ہے کہ جواب میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں اور ظاہر ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہی ہوا کرتا ہے، لہٰذا جواب میں دو چیزوں کا ہونا اس کا قرینہ ہے کہ سوال میں بھی دو چیزیں ہوں گی مگر اختصاراً سوال سے مصارف کے حصہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ لیکن جواب میں اسی حصہ پر زور دیا گیا ہے۔ اب کتاب میں غرض منطبق کریں۔ علامہ سیوطی رح نے وفیہ بیان المنفق الذی ھو احد شقی السوال سے سوال کی جزء اول کا جواب دیا ہے یعنی منفق کا جواب ہے۔ قل ما انفقتم اور جزء ثانی منفق علیہ کہ کہاں خرچ کریں۔ فللوالدین سے دیا جارہا ہے۔ جس کو علامہ سیوطی نے واجاب عن المصرف الذی ھو شق الآخر سے بیان فرمارہے ہیں۔

قولہ ای ھم اولی بہ (یعنی یہ اولی ہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال فللوالدین کی لام تملیک وتخصیص کی ہے بظاہراً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل انفاق میں یہ لوگ بند ہیں۔ ان کے علاوہ کہیں بھی انفاق نہیں ہونا چاہیئے حالانکہ ہر مستحق مسلمان محل انفاق ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ ان کی طرف نسبت تخصیصی وتملیکی نہیں بلکہ اولیت کی ہے کہ محل انفاق میں اولیت اور ترجیح پہلے اُن کو ہے۔ بعدہٗ دیگر حضرات یعنی اول خویش پھر

درویش کا اُصول مدنظر ہے۔

قولہ انفاق وغیرہ (خواہ انفاق ہو یا کوئی اور چیز) اس کی دو غرضیں ہیں
اوّل: خَیْرٌ کا مُرادی معنیٰ بیان کیا ہے کیونکہ انفاق فی سبیل اللہ بھی خیر میں داخل ہے
دوم: اشارہ فرمایا کہ خیر میں تعمیم ہے نہ کہ تخصیص کما مرّ اور غیرہٗ سے مُراد کالنفع للّٰہ
اور حُسنُ الوجہ ہے۔

قولہ فمجازٍ علیہ (اس پر جزائے عمل مرتب ہوگی)
علامہ سیوطی رحہ نے فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ کا مُرادی معنیٰ بیان کیا ہے یعنی ذکر علم اور
جزا ہے۔

قولہ فرض قد مرّ بیانہٗ فی قولہٖ کتب علیکم الصیام و فی قولہٖ کتب علیکم
القصاص. قولہ لکُفّار (کفار سے) محل قتال بیان کیا ہے۔
ثانیًا اشارہ فرمایا کہ ان اللّام للعہد کیونکہ ان مطلق القتال لایکون فرضًا
کالقتال مع المسلمین بل قد یکون حرامًا

قولہٗ مَکْرُوْہٌ (ناگوار) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ وَھُوَ کا ضمیر قتال کی طرف ہے اور قتال مکروہ ہے. کُرْہٌ تو نہیں ہے جبکہ قرآن مقدس کے اندر کُرْہٌ فرمایا گیا ہے۔

جواب بعض حضرات کے نزدیک کُرْہٌ مصدر ہے اس کا حمل بطور مبالغہ ہے زَیْدٌ عَدْلٌ کی طرح لیکن علامہ سیوطی رحہ کے نزدیک کُرْہٌ بمعنے مکروہٌ ہے جیسے خبز بمعنی مخبوز ہے۔

قولہ طبعًا (طبعی طور پر) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ جہاد حکم خداوندی ہے اور کراہیت حکم اللہ کے اندر تو منافی ایمان ہے پھر اس کی نسبت صحابۂ کرام رضہ کی طرف ہے جو غیر صحیح ہے۔

جواب علامہ سیوطی رحمہٗ اللہ نے جواب دیا کہ کراہت شرعی نہیں بلکہ کراہت طبعی مُراد ہے جو جبلت اور فطرتِ انسانی ہے اور کراہتِ طبعی

منافی ایمان نہیں کالمریض الشَّارِبِ للدَّ وآءِ الشنیع

قولہ لمشقّتہٖ (تکلیف کیوجہ سے) علت کراہت ہے اور مشقت سے مُراد قتل ہونا، قیدی بننا وغیرہ اس سے انسان کو نفرت ہے۔

قولہ لمیل النفس الی الشھوات الموجبۃ لھلاکھا ونفورھا عن التکلیفات الموجبۃ لسعادتھا (کیونکہ نفس کو شہواتِ مہلک سے رغبت اور تکالیفِ شرعیہ موجبِ سعادت سے نفرت ہوتی ہے) علامہ سیوطی رح نے علت بیان کی ہے وَھُوَ شَرٌّ لَکُمْ کی کیونکہ فطرتاً نفس کو خواہشات وشہواتِ دنیویہ کی طرف زیادہ رغبت ہے۔ بنسبتِ سعادتِ اُخرویہ کے۔ جس کا تعلق مصائب دنیویہ کے ساتھ ہے۔

قولہ فلعل لکم فی القتال وإن کرھتموہ خیرًا لأنّ فیہ امّا الظفر والغنیمۃ اوالشھادۃ والاجر (ممکن ہے کہ جس جہاد کو تم ناگوار سمجھ رہے ہو تمہارے لئے اس میں بہتری موجود ہو، کیونکہ جہاد دو حال سے خالی نہیں ہے یا کامیابی اور مال غنیمت یا پھر شہادت واجر)

علامہ سیوطی رح کا مقصد اس عبارت سے تفریع بتلانا مقصود ہے عسٰی اَنْ تکرھوا شیئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ کے ساتھ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم کسی کام کے ظاہری پہلو کو نہ دیکھو بلکہ اس کے انجام پر نظر رکھو، چنانچہ جہاد دونوں صُورتوں میں خیر ہی خیر ہے اگر تم مصروف جہاد ہوتے ہو اور اسی حالت میں قتل کر دیئے جاتے ہو تو شہید اگر خیریت کے ساتھ واپس ہوتے ہو تو مالِ غنیمت اور غازی ومجاہد کہلاؤ گے لہٰذا جہاد دیکھنے میں بظاہر اً مشکل ہی سہی مگر انجام بالخیر ہے۔

قولہ وفی ترکہ وَان احببتموہ شرًّا لانّ فیہ الذلّ والفقر وحرمان الاجر (اور ترکِ جہاد اگرچہ طبعًا مرغوب ہو لیکن اس میں رسوائی تنگدستی محرومی اجر ہوتا ہے) یہ تفریع ہے عَسٰی اَنْ تحبّوہ شیئًا وَّھُوَ شَرٌّ لَّکُمْ کے لئے کہ ترکِ جہاد بظاہر نفس کو اچھا لگتا ہے مگر انجام کے اعتبار سے ذلت، فقر

تنگدستی کا موجب ہے کمائی زمننا۔

قولہ مَاھُوَ خَیرٌ لکم (جو تمہارے لئے بہتر ہوتا ہے) علامہ سیوطی نے یَعلَمُ کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ متروک نہیں ہے بلکہ اختصاراً حذف لفظی ہے۔

قولہ ذالك (اس کو) یعلمون کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قولہ فبادِرُوا الی ما یامرکم بہٖ (اس لئے تعمیل حکم میں تعجیل کرو) فبادروا کی فا تفریعیہ ہے واللہ یعلم وانتم لا تعلمون پر تفریع بتلا رہے ہیں کہ جب تم کو مصالح اور نفع و نقصان کا علم نہیں تو جس ذات پاک کو علم ہے اُن کے حکموں کی طرف جلدی کرو، اپنی رائے اس میں دخیل نہ کرو۔

بیانِ فوائد

معمولی صدقہ خیرات بھی کارآمد ہے

مَا انفقتم من خیر اور وما تفعلوا من خیر دونوں کے عموم سے یہ تاثر دینا ہے کہ کم سے کم بھی خیرات کرو گے تو وہ بھی رائیگاں نہیں جائے گی، اس لئے اس سے بھی نہ چوکو، تمہارے لئے اس میں بھی کچھ نہ کچھ خیر ہے اور معارف کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ عام طور سے لوگ خیرات کا مستحق غیروں کو سمجھتے ہیں۔ والدین کی خدمت اور عزیز و اقارب کی اعانت کو خیرات نہیں سمجھتے۔ مگر یہاں واضح کر دیا گیا ہے کہ تمہارے نیک سلوک کے اصل مستحق والدین اور خویش و اقارب ہیں۔ ان کے بعد دوسروں کا نمبر ہے۔ حدیث پاک میں بیوی کے منہ میں لقمہ دینے کو بھی صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے مُراد صدقات واجبہ نہیں بلکہ تبرعات اور صلہ رحمی مُراد ہے جس کے بڑے فضائل و فوائد ہیں۔

ضروری اخراجات کے بعد خیرات کا نمبر ہے ان صدقات میں بطور خاص اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اہل وعیال کو تنگی میں ڈال کر اور اُن کے حقوق ضائع کرکے خیرات کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مقروض قرضہ ادا کرنے کے بجائے خیر خیرات میں مال لٹانے لگے، اول خویش بعد میں درویش کا اُصول قابلِ لحاظ ہے۔

وارسل النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل سرایاہ وامّر علیہا عبداللہ بن جحش فقاتلوا المُشرکین وقتلوا ابن الحضرمیّ فی اٰخر یومٍ من جمادیٰ الاٰخرۃ والتبس علیہم برجب فعیّرھم الکفار باستحلالہ فنزل یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ بدل اشتمال قُلْ لہم قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ عظیم وزرًا مبتدأ وخبر وَصَدٌّ مبتدأ مَنعٌ للناس عَنْ سَبِیْلِ اللہِ دینہٖ وَکُفْرٌ بِہٖ باللہ وصدّ عن الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ای مکۃ وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ وھم النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنون وخبر المبتدأ اَکْبَرُ اَعظم وزرًا عِنْدَ اللہِ من القتال فیہ وَالْفِتْنَۃُ الشرک منکم اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ لکم فیہ وَلَا یَزَالُوْنَ ای

الکفار یُقَاتِلُونَکُمْ ایھا المومنون حَتّٰی کَیْ یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِلَی الکفر اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ بطلت اَعْمَالُھُمْ الصالحۃ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فلا اعتداد بھا ولا ثوابَ علیھا والتقیید بالموت علیہ یُفید انہٗ لو رجع الی الاسلام لم یبطل عملہ فیثابُ علیہ ولا یعیدہٗ کالحج مثلًا وعلیہ الشافعی وَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جہادی دستہ روانہ فرمایا اور اس کی کمان حضرت عبداللہ بن جحش کے سپرد فرمائی۔ مشرکین سے معرکہ آرائی ہوئی اور ۳۰ جمادی الثانی میں ابن حضرمی کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن رجب کی پہلی تاریخ سے لوگوں کو التباس ہو گیا اور کفار نے مسلمانوں پر اس وجہ سے الزام لگایا کہ انہوں نے شہر حرام کی حرمت کو باقی نہیں رکھا بلکہ پامال کر دیا ہے اس پر آیت نازل ہوئی) آپ سے لوگ محترم مہینوں میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں (قِتَالٍ فِیْہِ شہر حرام سے بدل اشتمال واقع ہے) آپ فرما دیجئے (ان سے) اس میں خاص قسم کی لڑائی جرم عظیم (گناہِ شدید) ہے (مبتداء اور خبر سے مل کر یہ جملہ ہے) اور روک ٹوک کرنا ہے (مبتداء ہے لوگوں کے لیے بندش ہے) اللہ کی راہ (دین سے) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا ہے اور (رکاوٹ) ڈالنا ہے) مسجد حرام (یعنی مکہ معظمہ) سے اور وہاں کے باشندوں کو نکال باہر کرنا ہے (مراد اس سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین ہیں۔ مُبتدا کی خبر آگے ہے) یہ سب سے زیادہ (بڑے) جُرم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (بہ نسبت ان مہینوں میں قتل و قتال کے) اور فتنہ پردازی (تمہارا شرک کرنا) زیادہ شدید و قبیح ہے بہ نسبت (تمہارے خاص) قتل و قتال کے (اس وقت) اور ہمیشہ جاری رکھیں گے یہ (کفار) جنگ و جدال (تم سے اے مؤمنین) حتّٰی کہ (اس لیے کہ) تم کو تمہارے دین سے مرتد بنا دیں (کفر کی جانب) اگر ان کو قابو ملے اور جو شخص اپنے دین سے مُرتد ہو جائے اور وہ بحالتِ کفر مر جائے تو ایسے لوگوں کے غارت (باطل) ہو جاتے ہیں سارے اعمالِ (صالحہ) دنیا و آخرت میں (چنانچہ ناقابلِ لحاظ ہو جاتے ہیں کہ ان پر ثواب نہیں ملتا اور موت علی الکفر کی قید لگانے سے یہ فائدہ ہے کہ اگر وہ پھر اسلام میں واپس آجائے تو اس کا عمل باطل نہیں رہے گا بلکہ اس پر ثواب ملے گا اور حج وغیرہ لوٹانا نہیں پڑے گا یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے) اور یہ لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔!

بیانِ شانِ نزول علامہ ابن جریر جُندب بن عبداللہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جہادی مہم کے سلسلے میں ایک سریہ (فوجی دستہ) روانہ فرمایا جس کے امیر حضرت عبداللہ بن جحشؓ تھے۔ مشرکین سے جنگ ہوئی جس میں ابن حضرمی کو مار ڈالا گیا۔ یہ جمادی الثانی کی آخری تاریخ تھی مگر مشرکین کو گمان رہا کہ یہ رجب کی پہلی تاریخ ہے جس لئے انھوں نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ماہِ حرام میں انہوں نے قتال کیا ہے۔ ابن جریر کی دوسری روایت ہے کہ واقع میں قتال رجب میں ہوا لیکن مسلمان اس کو جمادی الاخریٰ سمجھتے رہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

بیانِ ربط آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ میں جہاد کا تیرہواں حکم ہے يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ میں ماہِ حرام میں قتال چودھواں حکم ہے اور پھر آیت وَلَا يَزَالُوْنَ میں دینِ حق کے ساتھ کفار کی مزاحمت کا بیان ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین قولہ وَاَرْسَلَ (روانہ فرمایا) بیانِ شانِ نزول

آیت آئندہ

قولہ سَرَایا جمع سَریّہ کی لشکر کا ایک دستہ جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شریک نہ ہوں اور جس میں بنفس نفیس شریک رہے ہوں وہ غزوہ ہے۔ سَریّہ کے لشکر کی تعداد پانچ سے لے کر تین سو یا چار سو تک بتائی جاتی ہے۔

قولہ ابن حضرمی نام عمرو بن عبداللہ بن عاد حضرموت کے رہنے والے تھے۔

قولہ فعیّرھم عیب لگانا، عار دلانا یعنی مشرکینِ مکّہ نے مسلمانوں کو اس فعل پر عار دلائی حتیٰ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں وحی کا انتظار فرمایا۔

قولہ المحرم اشارہ فرمایا کہ مصدر بمعنی المفعول ہے کیونکہ حرام شہر کی صفت نہیں بن سکتی، اس لئے حرام محرم کے معنی میں ہے یعنی محرم شہر کی صفت بن سکتی ہے۔ عند البعض شہر پر حرام کا اطلاق مبالغۃً ہے

قولہ بدل اشتمال (قتال فیہ شہرِ حرام سے بدلِ اشتمال واقع ہے) اس کی دو غرضیں ہیں (۱) بیان ترکیب ہے (۲) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ سائلین نے تو قتال کے متعلق پوچھا تھا نہ کہ شہرِ حرام کے متعلق۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ قتالٌ فیہ شہرِ حرام سے بدل ہے چونکہ ان میں کلیت و جزئیت کے علاوہ علاقہ ملابست بھی ہے اس لئے شہرِ حرام کا سوال دراصل قتال کا سوال ہی ہے۔

قولہ لھم بیان مقول لہم ہے۔

قولہ عظیم وزرًا (گناہِ شدید) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول: علامہ سیوطی نے اشارہ فرمایا کہ یہاں قتال سے مُراد خاص قتالِ عمد ہے اسی کو کبیر فرمایا ہے اور وزرًا تمیز کبیر ہے ورنہ قتلِ خطاء جیسا کہ مسلمانوں سے غلطی ہوگئی وہ نادانستگی ہے وہ کبیر کیسے ہوسکتا ہے۔ دوم: اشارہ فرمایا کہ المُرادُ من الکبیر۔ الکبر من حیث الوزن لا من حیث الجسم

قولہٗ مبتداء وخبر (مبتدا، اور خبر سے مل کر یہ جملہ ہے) بیان ترکیب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قتال موصوف فیہ صفت مبتدا۔ اور یہ کبیر اس کی خبر ہے

قولہ مبتدا بیان ترکیب ہے یعنی صَدٌّ مبتداء ہے اور اکبر خبر ہے

قولہ منع للناس (لوگوں کے لئے بندش ہے) منع کی دو غرضیں ہیں اوّل صَدٌّ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔ دوؔم: اشارہ فرمایا کہ ان الصّد بمعنی المنع لا بمعنی الصّرف یعنی تعیین احدُ المعانی ہے۔

قولہ للنّاس۔ منع کا صلہ نکالا ہے۔

قولہٗ دینہ قدامرّ غرضہ

قولہ باللہ (اللہ کے ساتھ) بعض حضرات کے نزدیک بہٖ ضمیر کا مرجع سبیل ہے کیونکہ مشرکینِ مکہ میں دونوں قسم کے گناہ تھے۔ لازمی بھی اور متعدی بھی، جب مرجع سبیل بنائیں گے تو دونوں قسم کے گناہ اس میں داخل ہوجائیں گے لیکن علامہ سیوطی رح کے نزدیک مرجع فقط لفظ اللہ ہے نہ کہ سبیل۔ اور ساتھ ساتھ ان لوگوں کی بھی تردید کردی، قال اِن ضمیر راجع الی سبیل اللہ ووجہ الرّد ان الاصل فی الضمیر ان یرجع الی القریب۔

قولہ صَدٌّ عَن علامہ سیوطی رح نے لفظ صَدٌّ عَن محذوف نکال کر اشارہ کیا کہ المسجد الحرام کا عطف عَنْ سبیلِ اللہ پر ہے تو حاصل عطف کے طور پر عبارت یوں بنے گی۔ وصَدٌّ عن سبیل اللہِ وکُفرٌ بہ وصدٌ عن المسجد الحَرَام۔ لیکن اس پر بعض حضرات نے

سوال کیا ہے کہ صلہ چونکہ موصول کا جزء دقسم ہوتا ہے اس لئے عطف علی الموصول کو عطف علے الصلہ پر مقدم نہیں کرسکتے، چنانچہ یہاں کفر بہٖ عطف کے لئے مانع ہے لیکن علامہ زمخشری رحمۃ اللہ نے اس کا

جوابِ اوّل دیا ہے کہ کفر باللہ اور صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ دونوں سے مُراد ایک ہی ہے اس لئے ان دونوں کا اتحاد جوازِ عطف کے لئے کافی ہے گویا کہ یہ سمجھا

جلتے گا کہ وکفرٌ بہ درمیان میں فاصل ہی نہیں ہے۔
جوابِ دوم | یہ ہے کہ وکفرٌ بہ دراصل عن المسجد الحرام سے مؤخر تھا مگر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور امام فراء کی رائے یہ ہے المسجد الحرام کا عطف بہ کی ضمیر پر ہو رہا ہے۔ اَی وکفرٌ بہ والمسجد الحرام اور نحاۃ کوفہ اخفش یونس، ابو یعلیٰ مجرور بغیر اعادہ جار عطف جائز سمجھتے ہیں
قولہ ای مکۃ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ وہ صرف مسجد حرام یا بیتُ اللہ سے نہیں روکتے تھے بلکہ پورے شہرِ مکہ سے روکتے تھے۔ کما فی واقعۃ الحدیبیۃ یعنی ذکر جزء ارادہ کل ہے ذکر مسجد حرام کا مراد پورا شہر مکہ ہے۔
قولہ وھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنون (مراد اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین ہیں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اہل کی تعیین فرمائی ہے کہ اہل سے مراد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہیں۔
قولہ وخبر المبتدا۔ یعنی اکبر جو ہے خبر ہے تین مبتداؤں کے ۱۔ صدٌّ ۲۔ کفرٌ ۳۔ اخراجٌ اور بھی احتمال ہیں لیکن علامہ سیوطی رح نے اس کو ترجیح دی ہے۔ ھذا بیان للترکیب
قولہ اعظم وزرًا۔ قد مرّ غرضہ فی بیان قولہ فیہ کبیرٌ
قولہ من القتال فیہ (بنسبت ان مہینوں میں قتل وقتال کے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل: اکبر اسم تفضیل ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے من القتال اسم تفضیل کا مفضل علیہ بیان فرمایا ہے۔ دوم: دفعیہ سوال مقدر ہے۔
سوال | یہ ہے کہ مبتداء متعدد ہیں اور خبر ایک ہے وذا غیرُ جائزٍ
جواب | انّ اَفعلُ (اَی اکبرُ) من یستوی فیہ الواحد والجمع والمذکر والمؤنث

یقول شیخ جاجرمی رحمہ القوی۔ اکبر عند اللہ میں دو چیزیں ہیں، ایک عام قتال دوسرا خاص قتال یعنی ابن حضرمی کا مارا جانا۔ لہٰذا قتال سے

مراد اگر قتال عام ہے تو اس میں عمد کی قید ہے یعنی قتال عمد اگرچہ بُرا ہے لیکن اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکنے اور کفر باللہ ان تینوں بُرائیوں کے مقابلہ میں یقیناً کم درجہ بُرا ہوتا ہے مگر یہاں تو قتال عمد نہیں ہوا بلکہ تاریخ کی غلط فہمی سے قتال خطا کہنا چاہئیے جو نہ قابلِ اعتراض ہے اور نہ لائق التفات رہا قتل خاص یعنی کسی ایک آدمی کا قتل، وہ بھی بلاشبہ بُرا ہے، مگر اس کی بُرائی کفر و شرک کی بُرائی سے تو پھر بھی کم درجہ ہے جس میں تم مبتلا ہو،

قولہ الشرك منكم (تمہارا شرک کرنا) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول اشارہ فرمایا کہ الفتنہ کی الف لام عہد کی ہے، اس سے مُراد شرک ہے۔ دوم اشارہ فرمایا کہ ان المُراد بالفتنة الشرك لا الاخراج والصد کیونکہ اس سے تکرار لازم آئیگا۔

قولہ لكم فيه (تمہارے خاص) اشارہ فرمایا کہ القتل کی الف لام عہد کی ہے اس سے مخصوص ابن حضرمی کا قتل ہے۔

قولہ اى الكفار يَزَالُونَ کے ضمیر کا مرجع بیان فرمایا ہے یعنی بیان مرجع ہے

قولہ ايها المؤمنون (تم سے اے مؤمنون) تعیین مخاطبین ہے کہ يقاتلوكم کا خطاب مؤمنین کو ہے۔

قولہ كَیْ اشارہ فرمایا کہ حتّٰی بمعنٰی کَیْ کے ہے یعنی ان حتى للتعليل لا للغاية كما قال البعض

قولہ الى الكفر (کفر کی جانب) اس کی دو غرضیں ہیں، اوّل: اشارہ فرمایا انتہائے غایت کی طرف کیونکہ عَنْ سے ابتداء کا بیان ہے۔ دوم: مردود الیہ کا بیان ہے۔

قولہ بطلت (باطل) حبطت کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ الصّالحة (صالحہ) اشارہ فرمایا کہ اعمال کی اضافت بُطلان کی طرف اضافت عہد کی ہے اس سے اعمال صالحہ مُراد ہیں کیونکہ اعمالِ سیئہ فبما فیہ

يُحَدِّثُونَ عَلَيهَا

قولـه فلا اعتداد بها ولا ثواب عليها (چنانچہ ان کے اعمال قابل لحاظ ہوتے ہیں اور نہ ان پر ثواب ملتا ہے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول: فلا اعتداد کی فا تفریعیہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بُطلان پر تفریع بتلائی ہے کہ مرتد کے اعمال صالحہ کو کسی کھاتے میں بھی شمار نہیں کیا جاتے گا۔ ویؤیدہ قول اللہ عزوجل فی سورۃ الفرقان: وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا

دوم: شیخ جاجروی رحمہ القوی: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے دو تفریعیں بیان کی ہیں یعنی فلا اعتداد بہا یہ متفرع ہے فی الدنیا پر کہ مرتد کے اعمال صالحہ کی دنیا میں بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور بحالت اسلام جو کچھ نماز روزہ کیا تھا، سب کچھ کالعدم ہوجاتا ہے۔ بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے۔ مرتد کی نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور اس کا کوئی مسلمان رشتہ دار مر جائے تو اس کو اس کا ترکہ نہیں ملے گا اور فلا ثواب علیہا متفرع ہے الآخرۃ کے ساتھ آخرت میں اعمال کے برباد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عبادات اور نیک کاموں کے ثواب سے محروم اور سدا جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔

قولـه والتقييد بالموت عليه يفيد انه لو رجع إلى الاسلام لم يبطل عمله فيثاب عليه ولا يعيد كالحج مثلا وعليه الشافعيؒ (موت علی الکفر کی قید لگانے سے یہ فائدہ ہے کہ اگر وہ پھر اسلام میں واپس آجاتے تو اس کے اعمال باطل نہیں رہیں گے) یہ عبارت دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: فَيَمُتْ کی قید کیوں لگائی گئی ہے۔ یوں ہی فرما دیتے کہ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ وَهُوَ كَافِرٌ

جواب: تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارت نکال کر اس کا جواب بھی دیا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے مسلک کی بھی تائید کی ہے۔ خلاصۃ الجواب یہ ہے کہ مرتد کہ اگر دوبارہ مسلمان ہوجائے تو آئندہ احکام اسلام پر اس کا عمل پیرا ہونا تو

یقیناً ہوگا اور نجات اُخروی بھی یقیناً ہوگی مگر گزشتہ اعمال معتبر ہوں گے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ بشرط استطاعت دوبارہ حج کرنے کو فرض کہتے ہیں اور گزشتہ نماز، روزہ پر ثواب نہیں مانتے ارتداد کی وجہ سے۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نہ دوبارہ حج فرض ہے اور نہ عبادت سابقہ کا ثواب ضبط ہوا ہے اس لئے علامہ سیوطی رحمۃ نے فرمایا وَلَا یُعِیدُہٗ کَالْحَجِّ کہ اس کو دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ مزید تشریح فوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔

بیان فوائد

مسلمان اور کافر میں میل ملاپ

وَلَا یَزَالُوْنَ کچھ سادہ لوح مسلمان مشرکین ومنافقین اور یہود کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوگئے تھے، انہیں سمجھایا جارہا ہے کہ تم اپنی اس صلح جوئی اور صلح پسندی سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمہارے اور ان کے درمیان صلح صفائی ہو جائے گی، ان کے اعتراضات کا منشاء ہرگز صفائی نہیں ہے بلکہ انہیں تو تمہاری یہ بات ایک آنکھ نہیں بھاتی کہ تم اسلام پر کیوں قائم ہو اور دوسروں کو بھی اس کی طرف دعوت کیوں دے رہے ہو اس لئے وہ کسی موقعہ پر بھی تمہارا سر نیچا کرنے سے نہیں چوکتے، ان حالات میں تم انہیں معمولی دشمن سمجھتے ہو، دنیوی دشمن سے تو دنیا ہی خراب ہو سکتی ہے مگر دینی دشمن سے دارین دین و دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔

مُرتد کے بارے میں آیات کا تعارض اور اس کا حل

مُرتد کے حبطِ اعمال کے سلسلے میں اس آیت میں موت علی الکفر کی قید ہے، لیکن سورت مائدہ کی آیت وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ میں مُطلقاً ارتداد اور کفر کو حابطِ اعمال کہا گیا ہے جو حنفیہ کا مُستدل

ہے اس لحاظ سے یہ آیت حنفیہ کے لئے باعثِ اشکال ہوگی۔ مختصراً اس کا
جواب یہ ہے کہ آیت مائدہ میں مطلق ارتداد پر مطلق حبط کو مرتب کیا گیا ہے اور اس آیت
میں ارتداد اور موت علی الکفر دو چیزوں پر دو سزائیں علی الترتیب مرتب کی
گئی ہیں، ایک حبط دوسرے خلودِ نار اس لئے مطلق کو مقید کرنا بھی لازم نہیں آتا۔ اور ایک
جرم پر دو سزائیں بھی مرتب نہیں ہوتیں۔

ولما ظن السّريّة انهم ان سلموا من الاثم فلا يحصل
لهم اجر نزل اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فارقوا
اوطانهم وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لاعلاء دينه اُولٰٓئِكَ
يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ثوابه وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ للمؤمنين
رَّحِيْمٌ بهم يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ القمار ما حكمها
قُلْ لهم فِيْهِمَآ اى فى تعاطيهما اِثْمٌ كَبِيْرٌ عظيم وفى
قراءة بالمثلثة لما يحصل بسببهما من المخاصمة والمشاتمة
وقول الفحش وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ باللذة والفرح فى الخمر واصابة
المال بلا كدٍّ فى الميسر وَاِثْمُهُمَآ اى ما ينشأ عنهما من المفاسد
اَكْبَرُ اعظم مِنْ نَّفْعِهِمَا ولما نزلت شربها قوم وامتنع
اخرون الى ان حرمتها اية المائدة وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ اى ما قدره قُلِ انفقوا الْعَفْوَ اى الفاضل

عن الحاجة ولا تنفقوا ما تحتاجون اليه وتضيعوا انفسكم وفی قراءة بالرفع بتقدیر ھو كَذٰلِكَ كما بين لكم ما ذكر يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ○ فِی امر الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فتأخذون باصلح لكم فيهما

ترجمہ اسلامی لشکر کو یہ خیال ہوا کہ یہ مسلمان ہونے والے گناہ سے اگرچہ محفوظ رہیں گے، لیکن ممکن ہے کہ اجر سے محروم رہیں (اس پر یہ آیت نازل ہوئی) فی الحقیقت جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اور جن لوگوں نے ہجرت کی (ترک وطن کیا) اور جہاد فی سبیل اللہ (دین اسلام کے بلند کرنے کے لئے) کیا ایسے لوگوں کو اللہ کی رحمت (ثواب) کا اُمیدوار رہنا چاہیئے اور اللہ تعالےٰ (مؤمنین کی) مغفرت فرمانے والے (اور اُن پر) رحم فرمانے والے ہیں، لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں (میسر جوا ہے یعنی ان دونوں کا حکم دریافت کرتے ہیں) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ان دونوں چیزوں (کے استعمال کرنے) میں بڑا گناہ ہے (ایک قرأت میں بجائے کبیر کے کثیر ہے۔ شراب وجوا، لڑائی جھگڑے، گالم گلوچ، گندی بکواس کا باعث ہوتے ہیں) اور لوگوں کے لئے اس میں کچھ فوائد بھی ہیں (شراب میں لذت و سُرور اور جوئے میں بلا محنت مالی منفعت ہے) اور ان دونوں کا گناہ (یعنی جو خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں) بڑھا ہوا ہے ان کے منافع سے (اس آیت کے نزول کے بعد بھی ایک جماعت شراب نوشی کرتی رہی اور دوسری جماعت اس سے باز رہی، حتیٰ کہ آیت مائدہ نے دونوں کی حُرمت ظاہر کردی) اور کچھ لوگ آپ سے دریافت کرتے کہ کتنا خرچ کریں (یعنی مقدار خرچ کیا ہونی چاہیئے) آپ فرما دیجئے کہ خرچ کرو) جس قدر آسانی ہو (یعنی ضرورت سے جو زائد ہو لیکن جس کی ضرورت ہو اس کو خرچ کرکے خود کو ہلاک نہ کرو اور ایک قرامت میں العفو رفع کے ساتھ ہے تقدیر ھو کے ساتھ) اسی طرح (جیسا کہ مذکورہ احکام تمہارے لئے بیان کئے ہیں) اللہ تعالےٰ صاف صاف احکام بیان فرماتے ہیں، شاید کہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں غور کر سکو۔ (اور اپنے لئے ان دونوں چیزوں میں مفید

بات کو حاصل کر سکو۔

بیانِ شانِ نزول امام احمدؒ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے۔ تو لوگ شراب بھی پیتے تھے اور جوا بھی کھیلتے تھے ان کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو یہ آیت قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ نازل ہوئی، لوگوں کو خیال ہوا کہ اس میں اِثْمٌ كَبِيرٌ اور مَنَافِعُ لِلنَّاسِ دونوں باتیں فرمائی گئی ہیں۔ ان سے تو تحریم معلوم نہیں ہوتی لہٰذا شراب پینے کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے ایک مرتبہ دعوت کی اس میں شراب کا دور بھی چلا، نماز مغرب کا وقت آیا تو حضرت علی رضؓ کی امامت میں نماز ہوئی، سورۃ کافرون میں لَا أَعْبُدُ کی بجائے أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ پڑھا گیا، جس پر بعد میں افسوس ہوا، اسی سلسلے میں آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى نازل ہوئی، اس کے بعد بھی کچھ سلسلہ جاری رہا تو آیت مائدہ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ نازل ہوئی جس میں سخت تشدید تھی اس کے بعد شراب کی بالکل بندش ہوگئی۔

بیانِ ربط ماقبل میں مختلف مسائل کے بارے میں حکموں کا بیان تھا اسی کو جاری رکھتے ہوئے آیت اوّل میں پندرھواں حکم شراب اور جوئے سے متعلق ہے۔ آیت يَسْئَلُونَكَ میں سولہواں حکم مقدار انفاق کے بارے میں ایک سوال کا جواب ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین قوله ولما طن السريه آئنده آیت کا شان نزول بیان فرماتے ہیں

قوله فارقوا (چھوڑا) هاجروا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قوله اوطانهم (اپنے وطنوں کو) علامہ سیوطی رحؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ہجرت حسی مراد ہے نہ کہ معنوی یعنی ترکِ وطن لا ما نهى الله عنه

قولہ لاعلاء دینہ (دین کی بلندگی کے لئے) اس کی دو غرضیں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل جہاد فی سبیل اللہ کی علت بیان کی ہے کہ مقصود جہاد صرف اور صرف دینِ اسلام کی سربلندی ہے نہ کہ مال وزر و کشور کشائی

دوئم حذف مضاف کی طرف اشارہ فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ فی بمعنے لام تعلیل ہے اور سبیل سے مراد سبیل معنوی لا حسّی یعنی دینِ اسلام

قولہ ثواب اس کی دو غرضیں ہیں اوّل اشارہ فرمایا کہ المراد من الرحمۃ اثرھا (الثواب) لا عینھا کیونکہ عین رحمت صفت باری تعالےٰ ہے یعنی ذکر رحمت مراد ثواب ہے۔ دوئم علامہ سیوطی رح نے رحمت بمعنی ثواب کرکے اشارہ فرمایا کہ عمل جہاد پر ثواب دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔

قولہ للمؤمنین محل مغفرت اور صلہ غفور ہے۔

قولہ بھم محلِ رحمت اور صلہ رحیم ہے۔

قولہ القمار (جوا ہے) مَیسِر کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قولہٗ ما حکمھما (یعنی ان دونوں کا حکم دریافت کرتے ہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ سوال وجواب میں مطابقت نہیں کیونکہ سائلین نے ذات خمر و مَیسر کا سوال کیا تھا یسئلونک عَنِ الخَمرِ والمَیسِرِ جبکہ ذات باری تعالےٰ نے فرمایا فیھما اثم کبیر یہ تو ان کا حکم ہے ذات نہیں یعنی سوال ذات کا ہے جواب میں حکم کا ذکر ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رح نے حذف مضاف کرتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ نہیں سوال بھی حکم کا تھا اس لئے جواب بھی حکم کا ہے یعنی بیان حکمھما لا بیان ذاتیھما حاصل عبارت یوں بنے گی یسئلونک عن حکم الخمر والمیسر

قولہ لھم۔ مقولھم کا بیان ہے۔

قولہ ای فی تعاطیھما (استعمال کرنے میں) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فیھما اثم کبیر کہ ان کی ذات میں گناہ ہے حالانکہ خمر و میسر کی ذات میں تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حذف مضاف کرتے ہوئے جواب دیا کہ ذات خمر و میسر میں گناہ نہیں بلکہ اس کے استعمال میں گناہ ہے یعنی اذ لیس فی ذاتیھما اثم ولا منفعة انما ذلک فی استعمالھما۔

قولہ عظیم قد مر غرضہ

قولہ وفی قراءة بالمثلثة (ایک قراءت میں بجائے کبیر کے کثیر ہے) بیان قراءت ہے

قولہ لما یحصل بسببھما من المخاصمة والمشاتمة وقول الفحش (شراب اور جوا حاصل ہوتے ہیں ان کے سبب جھگڑے گالیاں گندی باتیں) علامہ سیوطی رح نے لما یحصل بسببھما سے اثم کبیر کی علت بیان کی ہے اور من المخاصمة سے لما یحصل کے ما کا بیان فرمایا ہے۔

یقول المرتب یُنزّل اللہُ علیہ الرحمة علامہ سیوطی رح نے بسببھما کا جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ فی نفسہ اس وقت تک شراب حرام نہیں تھی، اس نے معصیت بھی نہیں تھی بلکہ ان عوارض کے سبب اس سے بچنے کا مشورہ دیا گیا تھا اس لئے عام طور پر صحابہ کرام اس حکم کے بعد بالکلیہ دست کش نہیں ہوسکے۔

قولہ باللذة والفرح فی الخمر و اصابة المال بلا کد فی المیسر (شراب میں لذت و سرور اور جوئے میں بلا محنت مالی منفعت ہے) باللذة کی باء تصویریہ ہے علامہ سیوطی رح نے مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کی صورت بیان کی ہے نیز منافع سے مراد صرف فرحت و سرور، قوت و طاقت وغیرہ ہیں تداوی اور شفا مراد نہیں کیونکہ حدیث مسلم کے الفاظ یہ ہیں لیست بدواء لکنہ داء۔

چنانچہ ابوداؤد شریف ۔۔۔ ج ۔۔۔ میں حدیث پاک ہے حضرت

ہے ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم چنانچہ امام اعظم رح کے نزدیک حرام چیزوں سے تداوی بھی حرام ہے اور امام شافعی رح کا اصح قول بھی شراب سے تداوی کی حرمت کا ہے۔ علامہ سبکی رح فرماتے ہیں کہ حرام ہونے سے پہلے شراب میں منافع تھے لیکن اب وہ سلب کر لئے گئے ہیں

قولہ ای ماینشأ عنہما (یعنی جو خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں) علامہ سیوطیؒ نے حذف مضاف کر کے اشارہ فرمایا کہ اثم کی اضافت خمر اور میسر کی طرف اضافت مصدر الی السبب والآلۃ والی ہے لا الی الفاعل ہے کما مر فی تعاطیہما

قولہ من المفاسد یہ ماینشأ کے ما کا بیان ہے

قولہ اعظم قد مر غرضہ غیر مرۃ واحدۃ

قولہ لما نزلت شربہا قوم الخ اس کی دو غرضیں ہیں

اوّل علامہ سیوطی رح ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان ھٰذہ الاٰیۃ (یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیہما اثم کبیر و منافع للناس) محرمۃ للخمر وجہ تردید یہ ہے کہ ان کبار الصحابۃ یشربونہا بعد نزول ھٰذہ الاٰیۃ فلو کانت محرمۃ لما فعلوہ

دوم: حرمت شراب کا نزول تدریجاً ہوا ہے نہ کہ دفعتاً واحدۃً کیفیت نزول یہ ہے کہ اوّلاً و من ثمرات النخیل والاعناب از سورۃ نحل کی آیات نازل ہوئیں جس میں مندرجہ ذیل انعامات کو ذکر فرمایا گیا ہے لیکن اس میں ناگواری کا کوئی کلمہ نہیں تھا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں نفع و نقصان کے اگرچہ دونوں پہلو دکھلاتے لیکن غالب نقصان کو دکھلایا جس سے زیرک اصحابؓ چونک گئے تاہم برائیاں فی حد ذاتہ نہیں بتلائی گئیں بلکہ عارضی خرابیوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا جس میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو رہا۔ اس کے بعد آیت نساء نازل ہوئی لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ یعنی یہ حالت عبادت کی حالت کے منافی ہے گویا

اس سلسلے کا ایک مؤثر قدم تھا جس سے کافی تنبیہ ہوا کہ جو چیز مناجات اور تقرب کے منافی ہے، ضرور اس میں کوئی خرابی ہے تاہم نیم ممانعت تھی اور ضرورت تھی کہ فیصلہ کن اور آخری قدم اُٹھا دیا جائے جس کی درخواست حضرت عمر رضؓ نے پیش کی چنانچہ آیت مائدہ انما الخمر والمیسر نازل ہوئی (جس کو علامہ سیوطی رحؒ نے اِلیٰ اَنْ حرمتھما اٰیۃ المائدۃ سے بیان فرمائے ہیں) جس میں کھل کر دس خرابیاں گنائی گئی ہیں اور ساتھ ہی ایک دم اُس سے رُک جانے کی اپیل کی۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ کہہ کر قرآن مقدس نے طائرانہ نظر ڈالی تو اطاعت شعاروں کی صفوں سے اِنْتَهَیْنَا اِنْتَهَیْنَا کی آوازیں آئیں اور صحابہ کرام رضؓ نے اطمینان کا سانس لیا۔

قولــه ای ما قدرہ (یعنی مقدار خرچ کیا ہونی چاہیئے) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال آیت مبارکہ میں تکرار ہے کیونکہ ماقبل میں بھی یہ آیت شریف آچکی ہے یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ

جواب علامہ سیوطی رحؒ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ پہلی آیت میں جنس انفاق کا سوال تھا اور اس آیت میں مقدار انفاق کا سوال ہے فلا تکرار۔

قولــه انفقوا (خرچ کرو) علامہ سیوطی رحؒ نے انفقوا کا کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ انفقوا منصوب علی لمفعولیت ہے یعنی مفعول بہ ہے فعل مقدر کا اصل عبارت تھی ای انفقوا العفو غرضیکہ جواب کا اعراب سوال کے اعراب کے مُطابق ہوگا۔

قولــه الفاضل عن الحاجۃ (یعنی جو ضروریات سے زائد ہو) عفو مال فاضل کو کہتے ہیں چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مَروی ہے انفقوا ما فضل من الاھل علامہ سیوطی رحؒ نے بھی یہ کلمات نکال کر عفو کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللّفظ بلفظِ آخر۔

قولــهٗ ولا تنفقوا ما تحتاجون الیہ و تضیعوا انفسکم (اور جس چیز

کی ضرورت ہو اس کو خرچ کر کے خود کو ہلاک نہ کرو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے الفاضل کا مفہوم مخالف نکالا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت مقدس کے اندر محل انفاق وہ مال ہے جو ضروریات اصلیہ سے زائد اور بچا ہوا ہو، نہ یہ کہ اپنی ضروریات اصلیہ کو خرچ کرنے کے بعد خود کو پریشان کرو اور دوسروں کے محتاج ہو جائیں۔ یہ قطعاً شرعی مُراد و مطلوب نہیں، اس لئے علاّمہ سیُوطی رح نے فرمایا کہ وتَضِیعُوا اَنفُسَکُمْ کہ اپنے نفسوں کو خود بخود ہلاکت میں نہ ڈالو۔

قولہٗ وفی قراءۃ بالرّفع بتقدیر ھو اور قراءت میں العفو رفع کے ساتھ ہے تقدیر ھو کے ساتھ) بیان قراءت ہے یعنی رفع کی صُورت ہے خبر ہے مُبتداء مقدر کی۔ ای ھُوالعفو

قولہ کَمَا بیّن لکُمْ (جیسا کہ مذکورہ احکام تمہارے لئے بیان کئے ہیں) علامہ سیوطی رح نے اشارہ فرمایا کہ کذالك کا کاف محل نصب میں ہے اور صفت ہے مَصدر محذوف کی اصل عبارت تھی اَی تبییناً مثل ھٰذَا التّبیین

قولہٗ ماذکرہٗ : اشارہ فرمایا کہ کذالک کا مشار الیہ ماذکر ہے یعنی مَاذَا یُنفقون لا قولہ قُلِ العَفو

قولہ امر علاّمہ سیُوطی رحمۃ اللہ نے حذف مضاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ تفکرّ ذات دنیا میں نہیں ہوتا بلکہ مصالح و آوامر دنیا میں ہوتا ہے۔

قولہ فتاخذون بالاصلح لکُم فیھما (اور اپنے لئے ان دونوں چیزوں میں مفید بات کو حاصل کر سکو۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لعلکُم تتفکرُونَ کا حاصل معنی بیان کیا ہے۔ کیونکہ تفکر فی الدنیا کا مقصد بھی یہی ہے کہ صاحب عقل انسان منافع حاصل کرے اور مضرات سے اپنے آپ کو بچائے۔

بیانِ فوائد

اِسلام کا معجزہ اور پیغمبر اِسلام کا کمالِ تربیت

اِسلام کا یہ معجزہ ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فیضِ صحبت اور کمالِ تربیت ہے کہ جس طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پہلے شراب اور جوئے کے عادی تھے اسی طرح اَب وہ ان سے متنفر ہو گئے، مسلمانوں کے اس عملی نمونہ کو اسلام کا معجزہ کہو یا پیغمبرِ اِسلام کی معجزانہ تربیت کا بے مثال اثر کہو یا اسلامی سیاست کا لازمی نتیجہ کہ ایک اعلان کی آواز نے ان سب کے مزاجوں کو بدل ڈالا اور ان کی عادتوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا کہ چند ساعت پہلے جو چیز انتہائی محبوب و مرغوب تھی وہ چند لمحہ بعد انتہائی مبغوض اور قابلِ نفرت بن گئی۔

بعض صحابہ کرامؓ پہلے ہی سے شراب کے پاس نہیں گئے

خاص خاص صحابہ کرامؓ اس وقت بھی شراب سے بچے رہے جبکہ یہ چیزیں ناجائز نہ تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع دی کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی چار خصلتیں بہت زیادہ پسندیدہ ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ تمہاری چار خصلتیں کیا ہیں؟ جواب میں عرض کیا کہ میں نے اب تک کسی سے ان کا اظہار نہیں کیا تھا مگر حبیب اللہ تعالےٰ نے آپ کو خبر دے دی تو وہ چار خصلتیں عرض کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ مَیں نے دیکھا کہ شراب عقل کو زائل کرتی ہے اس لئے میں کبھی اس کے پاس نہیں گیا۔ دوّم یہ کہ مَیں نے دیکھا کہ بتوں کے ہاتھ میں کسی قسم کا نفع و نقصان نہیں اس لئے میں نے کبھی جاہلیت میں بھی بُت پرستی نہیں کی، تیسرے یہ کہ مجھے اپنی بیوی اور لڑکیوں کے بارے میں بڑی غیرت ہے اس لئے میں نے زنا نہیں کیا اور چوتھے یہ کہ مَیں نے دیکھا کہ جھوٹ بولنا ذلت ہے اس لئے مَیں نے پہلے بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى وما يلقونه من الحرج فى
شأنهم فان واكلوهم ياثموا وان عزلوا مالهم من
اموالهم وصنعوا لهم طعامًا وحدهم فحرج قُلْ اِصْلَاحٌ
لَّهُمْ فى اموالهم بتنميتها ومداخلتكم خَيْرٌ من ترك
ذالك وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ اى تخلطوا نفقتهم بنفقتكم
فَاِخْوَانُكُمْ اى فهم اخوانكم فى الدين ومن شأن الاخ
ان يخالط اخاه اى فلكم ذلك وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ
لاموالهم بمخالطته مِنَ الْمُصْلِحِ لها فيجازى كلامنهما
وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ لضيق عليكم بتحريم المخالطة
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غالب على امره حَكِيْمٌ فى صنعه
وَلَا تَنْكِحُوْا تتزوجوا ايها المسلمون المشركات اى
الكافرات حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ
حرة لان سبب نزولها العيب على من تزوج امة
مؤمنة والترغيب فى نكاح حرة مشركة وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ
لجمالها ومالها وهذا مخصوص بغير الكتابيات باية
والمحصنٰت من الذين اوتوا الكتٰب وَلَا تُنْكِحُوْا تزوجوا

الْمُشْرِكِيْنَ اى الكفار المؤمنات حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ لماله وجماله
اُولٰٓئِكَ اى اهل الشرك يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ بدعائهم
الى العمل الموجب لها فلا تليق مناكحتهم وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
على لسان رسله اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ اى العمل موجب
لهما بِاِذْنِهٖ بارادته فتجب اجابته بتزويج اوليائه
وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۧ يتعظون

ع ۱۱

ترجمہ

آپ سے لوگ یتیم بچوں کی بابت دریافت کرتے ہیں (کہ ان کے بارے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں کہ ان کو اگر اپنے ساتھ کھلائیں پلائیں تو گناہ گار ہوتے ہیں اور ان کے مال کو اپنے مال سے علیحدہ کرکے ان کے لئے علیحدہ کھانا بنائیں تو سخت حرج ہوتا ہے) آپ فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت (ان کے مالی اضافہ کے لئے تمہارا دخل انداز ہونا) زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت ترکِ مصلحت کے) اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ خرچہ میں شامل رکھو (یعنی اُن کا خرچ اپنے میں ملالو تو (وہ) تمہارے (دینی) بھائی ہیں (اور بھائی اپنے بھائی کا مال ملا ہی لیا کرتا ہے اس لئے تمہارے لئے بھی اس کی اجازت ہے) اور اللہ تعالٰے جانتے ہیں مصلحت ضائع کرنے والے کو (اپنے مال میں ملاکر) اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (چنانچہ ہر ایک کو بدلہ دیں گے) اور اگر اللہ تعالٰے چاہتے تو تم کو تنگی میں ڈال سکتے تھے (مال ملانے کو حرام کرکے تنگ کر دیتے) کیونکہ اللہ تعالٰے زبردست (غالب الحکما) ہیں اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں) اور نہ نکاح کرو (شادی نہ کرو) اے مسلمانو) کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت لونڈی بہتر ہے

مشرک (آزاد) عورت سے (کیونکہ آیت کا سبب نزول مسلمان باندی کے نکاح کو عیب بتلانا اور کافر آزاد عورت کے نکاح کی ترغیب ہے) اگرچہ وہ تم کو بھلی معلوم ہو مال وجمال کے لحاظ سے یہ حکم آیت والمحصنٰت من الذین اُوتوا الکتٰب کی وجہ سے مخصوص ہے غیر کتابی کافر عورتوں کے ساتھ) اور نہ نکاح کرو مشرک (کافر) مردوں کے ساتھ (مؤمن عورتوں کا) حتیٰ کہ وہ مرد مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان غلام بہتر ہے کافر سے اگرچہ وہ کافر تم کو بھلا معلوم ہو (مال وجمال کے اعتبار سے) یہ (کافر) دوزخ کی طرف تحریک کرتے ہیں (ایسا فعل کرا کر جو دخولِ جہنم کا باعث ہو اس لئے ان سے نکاح مناسب نہیں ہے) اور اللہ تعالےٰ (پیغمبروں کی زبانی) جنّت اور مغفرت کی طرف تحریک کرتے ہیں (یعنے ایسے احکام کی جس سے یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہوں) اپنے حکم (ارادہ) سے (لہٰذا اس کی تعمیل حکم ضروری ہے مسلمانوں سے شادی کرکے) اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو احکام بتلادیتے ہیں اس توقع پر کہ اس سے نصیحت (وعظ) حاصل کریں گے۔

بیان شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي اور آیت إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ الخ نازل ہوئیں۔ جن لوگوں کی تربیت میں یتیم بچّے تھے، ان کا کھانا پینا الگ کردیا گیا لیکن اس کی وجہ سے سخت دقتیں پیش آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حل دریافت کیا گیا تو اس پر آیت قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ نازل ہوئی

بیان اغراض جلالین

قوله مَا يَلْقَوْنَهُ مِنَ الْحَرَجِ فِي شَأْنِهِمْ (ان کے بارے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ سائلین نے حق یتامیٰ کا سوال کیا تھا نہ کہ مطلق یتامیٰ کے بارے میں حالانکہ ذاتِ باری تعالےٰ نے تو مطلق یتامیٰ کے بارے میں سوال نقل

فرمایا ہے۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى

جواب تو علامہ سیوطی رح نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حذف مضاف ہے اور اس سے مراد وہ مشکلات ہیں جو حق یتامٰے کے بارے میں سائلین کو پیش آتی ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک ما یلقونہ من الحرج فی شانہم وجہ سوال ہے

قولہ فان واکلوا الخ تا فحرج علامہ سیوطی رح نے یہ جملہ نکال کر وجہ حرج بیان کی ہے یعنی ھذا بیان لوجہ الحرج اس کی مزید تشریح فوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ فی اموالھم اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّل: محل اصلاح بیان فرمایا ہے۔ دوّم: اشارہ فرمایا کہ المُرادُ بالاصلاح لهم اصلاح اموالهم لا انفسهم ليطابق السّوال وبقرينة قوله تعالىٰ: وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ الخ

قولہ بتنمیتها ومداخلتکم (مالی اضافہ کے لئے تمہاری دخل اندازی بہتر ہے) بتنمیتها کی با۔ تصویریہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اصلاح کی صورت بیان کی۔ مفسرین حضرات کے نزدیک مالِ یتیم کا نما بڑھنا یہ اشارہ ہے کہ ان کے مال سے تم تجارت بھی کرسکتے ہو جیسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ابتجروا فی اموال الیتامٰی لا تاکلها الزکوٰۃ

قولہ مَن ترك ذٰلك (بہ نسبت ترکِ مصلحت کے) خیر چونکہ اسم تفضیل ہے۔ علامہ سیوطی رح نے اسم تفضیل کا مفضل علیہ بیان فرمایا ہے۔

قولہ ای تخلطوا نفقتهم بنفقتكم (یعنی ان کا خرچ اپنے میں ملا لو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ مخالطت نفسی نہیں بلکہ مالی یعنی ذات کی مخالطت مراد نہیں بلکہ مال کا اختلاط مراد ہے کیونکہ سوال بھی اختلاط مال کا تھا نہ کہ ذات یتامٰے کا۔

قولـــه ای فهم اخوانکم (اور وہ تمہارے دینی بھائی ہیں) اس کی دو غرضیں ہیں اوّل دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ شرط فَإِخْوَانُكُمْ جزاء ہے اور یہ مفرد ہے حالانکہ جزاء ہمیشہ جملہ ہوتی ہے نہ کہ مفرد

جواب تو علامہ سیوطی رحہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں حذف مضاف ہے اصل عبارت تھی ای فهم اخوانکم تو اس سے پورا جملہ ہوگا۔ دوئم بعض حضرات کے نزدیک فاخوانکم خبر اور ای فهم اخوانکم مبتدا مقدر نکالا ہے تا آنکہ جزاء شرط پر مرتب ہو جاتے۔

قولـــه فی الدّین اشارہ فرمایا کہ اخوت دینی مراد ہے نہ کہ نسبی کیونکہ بعض دفعہ غیر قوم کا یتیم بھی پرورش پا سکتا ہے۔

قولـــه ومن شان الأخ أن يخالط أخاه (اور بھائی اپنے بھائی کا مال ملا یا کرتا ہے) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فاخوانکم فی الدّین کا حاصل معنی بیان کیا ہے۔

قولـــه ای فلکم ذالك (اس لئے تمہارے لئے بھی اجازت ہے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل اشارہ فرمایا انّ الجزاء محذوف دوئم من شان الأخ کا نتیجہ بیان کیا ہے یعنی بیان نتیجہ ہے۔

قولـــه لاموالهم (اپنے مال میں) اس کی دو غرضیں ہیں:۔
اوّل بیان صلہ ہے دوئم محل فساد بیان کیا ہے۔

قولـــه بمخالطته (ملا کر) بیان سبب فساد ہے یعنی مال یتیم کو اپنے مال سے غلط طریقے پر ملانے سے جو فساد پیدا ہوتا ہے وہی فساد مراد ہے۔

قولـــه لها محل اصلاح کا بیان ہے

قولـــه فیجازی کلا منهما (اور ہر ایک کو بدلہ دیں گے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل: حاصل معنی بیان کیا ہے واللهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ اور مِنَ الْمُصْلِحِ کا دوئم اشارہ فرمایا کہ ذکر علم مراد جزاء ہے۔

قولہ لضیق علیکم (البتہ تنگی کر دیتے اوپر تمہارے) علامہ سیوطی نے
لاعنتکم کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔
قولہ بتحریم المُخالطة (حرام کر دیتے مال ملانے کو) بتحریم
بار تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ نے تنگی یعنی ضیق کی صورت بیان کی ہے کہ اولیاء
کو ذاتِ باری تعالیٰ مکلف بنا دیتے کہ مالِ یتیم اپنے مالوں سے جُدا رکھو۔
قولہ غالب تعیین احد المعانی ہے قد مر تحقیقہ مرارًا
قولہ علیٰ امرہٖ اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل صلہ غالب ہے۔
دُوم محل غالب ہے۔
قولہ فی صنعه (اپنے کام میں) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل صلہ حکیم
ہے دُوم محل حکمت ہے۔
یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی عزیز صفت جلالی ہے
کہ یہ حکم حاکمانہ ہے۔ حکیم صفت جمالی ہے اشارہ فرمایا کہ میری حکومت جابرانہ نہیں
بلکہ حکیمانہ ہے۔
قولہ تزوجوا (شادی نہ کرو) اس کی دو غرضیں ہیں:
اوّل تزوجوا سے تنکحوا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔
دُوم اشارہ فرمایا کہ نکاح بمعنی عقد ہے نہ کہ وطی یعنی لیس المُراد من النکاح
الوطی حتیٰ یرد أنہ لافائدۃ فی تخصیص المشرکاتِ لان وطی المؤمنة
بغیر النکاح ایضاً حرام
قولہ أیُّھا المُسلِمُون تعیین مخاطب ہے لان نکاح المشرکات
جائز للکفار
قولہ ای الکافرات مشرک اس کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو مان کر اس کے
ساتھ شریک کرے مسلمان کے لئے حرمت نکاح مشرک کے ساتھ بند نہیں بلکہ
مطلق کافر کے ساتھ نکاح جائز نہیں لیکن شرک و کفر میں نسبت عموم و خصوص مطلق کی

ہے یعنی کُلُّ مُشْرِكٍ كَفُرٌ وَكُلُّ كُفْرٍ لَيسَ بشركٍ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے کافرات کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر خاص (مشرک) کا ہے اور ارادہ عام (کفر) کا ہے۔

قولــه حـرّة (آزاد) اس کی دو غرضیں ہیں

اوّل موصوف مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے اور صفت مشرکہ ہے۔

دوم بیانِ صحت تقابل ہے کیونکہ امۃ کا مقابل حرۃ ہے۔

قولــه لان سبب نـزولهـا العيب الخ یہاں سے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ دلیل بیان فرمارہے ہیں کہ مشرکہ سے مُراد حُرّۃ ہے یعنی بیان دلیل ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بدشکل ایک باندی تھی ایک دفعہ کسی بات پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو منہ پر طمانچہ مارا، تو اس نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اسلام کے بارے میں سوال کیا، اس نے کہا نشہد ان لا الٰہ الا اللہ وانک رسول اللہ وتصوم رمضان وتحسن الوضوء وتصلی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هذه مؤمنة چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرلیا۔ لوگوں نے ایک بدشکل باندی سے شادی کرنے پر طعن وتشنیع کی تو یہ آیت نازل ہوئی، اسی کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ لان سبب نزولها سے بیان فرمارہے ہیں۔

قولــه لجمالها ومالها (اس کے حُسن اور مال کی وجہ سے) بیان سبب عجب ہے کہ دو چیزوں کی وجہ سے وہ تمہیں بہتر لگ رہی ہیں۔

قولــه هذا مخصوص بغير الكتابيات (اور یہ حکم مخصوص ہے غیر کتابی کافر عورتوں کے ساتھ) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ نکاح نہ کرو۔ حالانکہ لفظ مشرکات اہل کتاب کو بھی شامل ہے جیسا کہ آیت وقالت الیهود عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ سے دونوں کا مشرک

ہونا معلوم ہوتا ہے ان کے ساتھ تو نکاح جائز ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ آیہ وَالْمُحْصَنٰتُ سے کتابیہ عورتوں کی تخصیص کرلی گئی ہے اب یہاں صرف غیر کتابیہ کافر عورتیں مُراد ہوں گی اُن کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

ثانیاً اس کا مفہوم مخالف اس لئے مُراد نہیں کہ سورۃ مائدہ آخری سورت ہے جس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

قولہ اتزوجوا قد مرّ تحقیقہ

قولہ أی الکفار قد مرّ غرضہ انفاً

قولہ المؤمنٰت اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول: تَنکحُوا کا مفعول ثانی مقدر کیا ہے۔ دوم: اشارہ فرمایا کہ فانّ نکاح الکافرات جائزٌ للکافرین والمشرکین

قولہ لما لہ وجمالہ بیان سبب عجب **قولہ** ای اَھلَ الشرک (کافر) بیان مشار الیہ ہے۔

قولہ بدعائھم الی العمل الموجب لھا (ایسا فعل کرا کر جو دخول جہنم کا باعث ہو) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل یدُعائھم کی باء تصویریہ ہے یدعُونَ الی النار یعنی دعوت الی النّار کی صُورت بیان کی ہے۔

دوم دفعیہ سوال مُقدر ہے۔

سوال اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نار کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ آج تک کسی انسان نے نار کی دعوت تو نہیں دی۔

جواب دعوت دو قسم ہے (۱) بالواسطہ (۲) بلاواسطہ
بلاواسطہ تو کسی نے دعوت نہیں دی لیکن واسطہ کے ساتھ دی ہے کہ ایسے اعمال لوگوں کو بتلاتے یا لوگوں کو ان اعمالوں پر عمل کرایا جو نار کا سبب ہیں صرف حسن و مال کو مدِ نظر رکھ کر مشرکہ عورت کے ساتھ شادی کرنا دعوت الی النار نہیں تو

اور کیا ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بھی یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ دعوت بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔

قولہ فلاتلیق مناکحتھم (اس لئے ان سے نکاح مناسب نہیں ہے) بیان حاصل معنٰی ہے یعنی جب اُن کا مقصود دعوت الی النار ہے تو پھر ان سے نکاح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

قولہ علیٰ لسان رسلہ (رسولوں کی زبانی) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال آیت مبارک کے اندر دعوت کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف ہے (وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ) حالانکہ دعوت دینا انسانوں کا کام ہے اور اُن کا فریضہ ہے پھر نسبت ذاتِ باری تعالےٰ کیطرف کیوں کردی گئی ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ حذف مضاف کرتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ یہاں بھی دعوت بالواسطہ مُراد ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان واسطہ انبیاءِ کرام اور رسُول ہوتے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک رسولوں کی تعظیم شان کی وجہ دعوتِ رسُول کو دعوتِ ذاتِ باری تعالےٰ قرار دیا گیا ہے۔

قولہ ای العمل الموجب لھما (یعنی ایسے کام کی جس سے یہ دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہوں) ھٰذا قد بینا فی قولہ یدعون الی النار۔

قولہ بارادتہ تعیین احد المعانی فقد مرتحقیقہ

قولہ فتجب اجابتہ (لہٰذا اسکی تعمیل حکم ضروری ہے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اول: وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ کا حاصل معنٰی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو ذات پاک جنت جیسے اعلیٰ مقام کی طرف دعوت دے رہی ہے تو عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فی الفور اس کے حکم کی تعمیل کردی جائے۔

قولہ بتزویج اولیائہ (مسلمانوں سے شادی کرکے) بتزویج کی

با۔ تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے وجوب اجابت کی صورت بیان کی ہے یعنی توحید پرست مرد اور توحید پرست عورت ہی دراصل رشتہ ازدواجیت میں منسلک ہونے کے قابل ہیں نہ کہ مشرک کیونکہ مشرک ذات باری تعالےٰ کا مجرم اور باغی ہے جبکہ موحد اس کا دوست ہے نیز بتزویج اولیائہ اس کا تعلق لا تنکحوا المشرکین ثانی حکم سے ہے اور اگر تزویج کے بجائے تزوج کہا جائے تو اول حکم لا تنکحوا المشرکات سے اس کا تعلق ہو جاتے گا۔

قولہ یتعظون (وعظ حاصل کریں) یتذکرون کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

بیان فوائد

مسلمان اور کافر باہم نکاح نہیں کرسکتے

ازدواجی تعلقات باہم میل ملاپ اور یگانگت کو چاہتے ہیں ان کے بغیر مقصد اصلی پورا نہیں ہوتا، کافر کے ساتھ اگر مسلمان کے ایسے تعلقات قائم کئے جائیں تو اس کا نتیجہ لازماً یہ ہوگا کہ مسلمان کفر کی طرف ڈھلک جاتے یا اس کی نفرت دل سے نکل جاتے یا کم ہو جاتے۔ اور ان دونوں صورتوں میں کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے جس کا انجام جہنم ہے، اسی لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ جہنم کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور اللہ تعالےٰ جنت و مغفرت کی طرف بلانا چاہتے ہیں اور اسی کے مطابق احکام دے رہے ہیں۔

اختلافِ دین کی صورت میں نکاح ناجائز ہونے کی حکمت

عورت اور مرد کے درمیان تعلق محض ایک شہوانی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی و اخلاقی قلبی تعلق ہے لہٰذا مومن اور مشرک کے درمیان اگر یہ قلبی تعلق ہو جاتے تو جہاں اس کا امکان ہے کہ مومن کے اثر سے مشرک اور اس کے

خاندان اور آئندہ نسل پر اسلامی عقائد اور اعمال کا نقش قائم ہوگا۔ وہیں اس بات کا بھی امکان ہے کہ مشرک کے اثر سے مؤمن بلکہ اس کا خاندان اور نسل تک متاثر ہو جاتے اور امکان غالب یہ ہے کہ ایسے ازدواج سے ایسی نسل تیار ہوگی کہ جو شخص صحیح مؤمن ہو گا اور وہ اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کے لئے کبھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ اس کے گھرانہ میں مشرکانہ رسم و رواج اور طور و طریقے رائج ہوں۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ اى الحيض اومكانه ماذا يفعل بالنساء فيه قُلْ هُوَ اَذًى قذرًا ومحله فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ اتركوا وطيهن فِي الْمَحِيْضِ اى وقته اومكانه وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ بالجماع حَتّٰى يَطْهُرْنَ بسكون الطاء وتشديدها والهاء وفيه ادغام التاء فى الاصل فى الطاء اى يغتسلن بعد انقطاعه فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ للجماع مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ بتجنبه فى الحيض وهو القبل ولا تعدوه الى غيره اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يثيب ويكرم التَّوَّابِيْنَ من الذنوب وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ من الاقذار نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اى محل زرعكم للولد فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اى محله وهو القبل اَنّٰى كيف شِئْتُمْ

من قيام وقعود واضطجاع واقبال وادبار نزل ردًا لقول اليهود من اتى امرأته فى قبلها من جهة دبرها جاء الولد احول وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ العمل الصالح كالتسمية عند الجماع وَاتَّقُوا اللَّهَ فى امره ونهيه وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ بالبعث فيجازيكم باعمالكم وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ الذين اتقوه بالجنة

ترجمہ اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں (مَحِیض بمعنی حیض مصدر یا ظرف بمعنی محیض عورتوں کے ساتھ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے) آپ فرمادیں کہ وہ گندی چیز ہے (گندگی ہے یا گندگی کی جگہ ہے) تو علیحدہ رہا کرو عورتوں سے (اُن سے ہمبستری چھوڑ دو) بحالت حیض (یعنی وقت حیض اور یا ظرف بمعنے مکانِ حیض) اور ان کے نزدیک نہ جاؤ (بارادہ جماع) جب تک کہ وہ پاک وصاف نہ ہو جائیں (یطھرن سکون طاء اور تشدید طاء اور ھا کے ساتھ ہے) دراصل تاتے تفعّل کو طاء سے بدل کر طاء میں ادغام کر دیا ہے یعنی جب تک حیض بند ہونے کے بعد غسل نہ کرلیں) پھر وہ عورتیں جب اچھی طرح پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جاؤ (ہمبستری کے لئے) جس موقع سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے (بحالتِ حیض نیچے رہنے کا یعنی سامنے کی شرمگاہ دوسری طرف رُخ نہ کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں (ثواب دیں گے اور عزت افزائی کریں گے۔) توبہ کرنے والوں سے (گناہوں کی) اور محبت کرتے ہیں پاک صاف رہنے والوں کے ساتھ (گندگیوں سے) تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیت ہیں (یعنی اولاد کی پیدائش گاہ) اس لئے اپنے کھیت میں آؤ (یعنی محل حرث میں مراد سامنے کی شرمگاہ ہے) جس

طرف سے (اَنّٰی بمعنٰے کیف ہے) تم چاہو (بحالت قیام بیٹھنے لیٹنے کے سامنے کی جانب ہوکر یا اُلٹی طرف ہوکر یہود کے اس خیال کی تردید کے لئے کہ جو شخص اپنی بیوی سے اُلٹی جانب سے ہوکر ہمبستری کرے تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے یہ آیت نازل ہوئی) اور آئندہ کے لئے بھی اپنے واسطے کچھ کرتے رہو (نیک کام مثلاً صحبت کے وقت بسم اللہ پڑھنا) اور اللہ تعالٰے سے ڈرتے رہو (کرنے نہ کرنے سے متعلق حکم میں) اور یہ یقین رکھو کہ بلاشبہ اللہ تعالٰے کی جناب میں پیش ہونے والے ہو (روز قیامت کہ وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزا دیں گے) اور ان مسلمانوں کو بشارت سُنادیں (جو اللہ تعالٰے سے ڈرنے والے ہیں) جنت کی

بیان شانِ نزول امام مسلم و ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہود اپنی عورتوں سے بزمانہ حیض بالکل یکسوئی اختیار کرلیتے تھے ان کے ساتھ کھانا پینا مجامعت سب کچھ ترک کردیتے تھے۔ نصاریٰ کا حال روایات سے یہود کے برخلاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ علٰی حالہٖ کرتے رہتے تھے، حالتِ حیض اور غیر حیض میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے گویا ایک قوم افراط اور دوسری قوم تفریط میں مُبتلا تھی ثابت بن الدحداحؓ اور دوسرے صحابہ کرام رضنے آنحضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم سے اس صُورت حال کا ذکر کرکے حکم دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے ارشاد فرمایا اصنعوا کل شیٔ الا النکاح ای الوطی۔

بیان ربط سابقہ حکموں کیطرح اس آیت میں بھی انیسواں[19] حکم حائضہ سے متعلق ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ ای الحیض علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ محیض بمعنے حیض ہے یعنی مصدر میمی ہے جیسے مجیئ جیئ کے معنی میں

اور مبیت بیت کے معنی میں ہے، حدثی معنی ہوں گے یعنی سیلان خون یا بیماری

قولہ او مکانہ ان میں اَوْ تنویعیہ ہے، اشارہ فرمایا کہ حیض اسم مکان ہے مزید وضاحت آگے ای وقتہ اَوْ مکانہ میں آرہی ہے

قولہ ماذا یفعل بالنّساء فیہ تعیین سوال ہے یا صورت سوال ہے۔

قولہ قذرًا (گندگی ہے) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اَذی کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللّفظ بلفظ آخر لیکن یہ تفسیر مصدری معنی کی صورت میں ہے قولہ او محلہ (یا گندگی کی جگہ ہے) اس کی دو غرضیں ہیں اوّل یہ بھی اذٰی کی تفسیر ہے لیکن ظرفِ مکان کی صورت میں دوم حذف مضاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی محل وہ موضع اذٰی ہے۔

قولہ اُترکُوا وطیھن (اُن سے ہمبستری چھوڑ دو) تعیین اعتزال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اعتزال فی الجماع ہے نہ کہ مخالطت کے اندر اعتزال مراد، یعنی اسناد اعتزال الی النسا۔ مبالغہ کے لئے ہے کقولہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ اسند الفعل اِلی الذّاتِ للمبالغة

قولہ ای وقتہ او مکانہ یعنی وقت حیض اور یا ظرف بمعنی مکانِ حیض، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمادیا کہ محیض ظرفِ زمان بھی ہے اور ظرف مکان بھی یعنی علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تین معنٰی بیان کئے ہیں (۱) مصدر (۲) ظرف زمان (۳) ظرفِ مکان ۔ اس صورت میں تقدیر مضاف کی ضرورت نہیں ہے نہ سوال میں نہ جواب میں بلکہ حقیقتًا مسئول عنہ اتیان النّساء فی المحیض ہوگا۔

قولہ بالجماع (بارادۃ جماع) بالجماع کی بامتصویر یہ ہے، علامہ سیوطیؒ نے عدمِ قربان کی صورت بیان کی ہے۔

یقُولُ المُرَتِّب فاعتزلُوا اور وَلَا تقربُوا یہ دونوں لفظ کنایہ ہیں ترک جماع سے اور ذات کی طرف اسناد مبالغہ کے لئے ہے اور مطلقًا اعتزال اور عدم قربان کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ لفظ اَذٰی سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ مطلق اعتزال نہیں

ہے کیونکہ تمام بدن محل اذی نہیں

قولہ بسکون الطآء وتشدید ھا والھاء بیان قراءت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بسکون الطاء سے قراءت اوّل امام حفص رحمۃ اللہ کی ہے اور وتشدیدھا والھاء سے قرأت ثانی ہے، امام حمزہ، کسائی کی یعنی طاء اور ہا، دونوں مشدد ہوں۔

قولہ وفیہ ادغام التاء فی الاصل فی الطاء (دراصل تاء تفعل کو طاء سے بدل کر طاء میں ادغام کردیا ہے) بیان تحقیق لفظی ہے۔ قد مرّ تحقیقہ

قولہ أی یغتسلن بعد انقطاعہ (یعنی جب تک حیض بند ہونے کے بعد غسل نہ کرلیں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ چونکہ شافعی المسلک ہیں اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوتے یطھّرن کا معنی کیا ہے اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مستدل ہے کہ وہ بغیر غسل جماع جائز نہیں فرماتے، چنانچہ حمزہ اور کسائی (رحمہما اللہ) کی قراءت بالتشدید بصیغہ مبالغہ بھی اس کی مؤید ہے کہ طہارتِ کاملہ کی ضرورت ہے اور فاء بھی اس پر دال ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف اور تشدید کی دو قراءتیں حکم میں دو آیتوں کے برابر ہیں، چنانچہ ہم نے صیغہ مبالغہ کو ما دون العشرۃ پر محمول کیا ہے اور تخفیف
والی قراءت کو دس روز پورے ہونے پر محمول کیا ہے۔ رہا مسئلہ فاء کا تو فاء صرف ارتباط کے لئے ہے بغیر معنیٔ تاخیر کے۔

ثانیاً عند الاحناف ہم اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ طہارت صرف غسل ہی سے ہوتی ہے بلکہ کبھی طہارت بالایام بھی ہوتی ہے کیونکہ مقصود بندش حیض کا اطمینان ہے اور وہ بھی بلاشبہ پورے دس روز میں ہوجاتا ہے۔

ثالثاً بعض حضرات کا لفظ طہارت سے غسل سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ طہارت کا اطلاق خلاف طمث یعنی بندش حیض پر کیا جاتا ہے مثلاً امرأۃ طاھر اور نساء طواھر بولتے ہیں اور مراد منقطع الدم لیتے ہیں۔

قولہ للجماع (ہمبستری کے لئے) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اتیان مطلق نہیں بلکہ مقید بالجماع ہے۔

قولہ بتجنبہ فی الحیض (بحالت حیض بچے رہنے کا) اس کی بار تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللہ سے جو امور سمجھا جارہا ہے، اس کی تعیین فرماتی ہے یعنی بیان تعیین مامور بہ ہے

قولہ وھو القبل (یعنی سامنے کی شرم گاہ) تعیین مکان ہے جو حیث سے سمجھا جارہا ہے من حیث اَمَرَکُمُ اللہ اصل میں عبارت تھی ای فی المکان الذی امرکم اللہ بتجنبہ فی زمن الحیض اس لئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مکان کی تعیین کی ہے کہ اس سے مُراد سامنے کی شرمگاہ ہے۔

قولہ لاتعدوہ الی غیرہٖ (یعنی لا تجاوزوا الی الدّبر۔ غیرہ کا ضمیر دبر کی طرف ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ جملہ نکال کر بتجنّبہ فی الحیض وھو القبل کا مفہوم مخالف بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قُبل جو محل حرث ہے۔ زمانہ حیض میں اس کے لئے اتیان ممنوع ہے کیونکہ وہ اب محل قذر بن چکا ہے تو اتیان فی الدبر تو بطریق اَولیٰ ممنوع ہوگا کیونکہ وہ ہمہ وقت محل قذر ہے کسی وقت بھی محل حرث نہیں بن سکتا

قولہ یثیبُ ویکرمہ (ثواب دیں گے اور عزت افزائی کریں گے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال ان نسبۃ المُحبّۃ لا یکاد ان یصح کیونکہ محبت میلان قلب کا نام ہے وھو فی حقہ تعالیٰ محال کما مرّ غیر مرّۃ۔

جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ذکر محبت کا ہے اور مُراد ثواب و عزت ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یثیب ویکرم، یحب کے لئے تفسیر باللازم ہے

قولہ مِنَ الذنوب اس کی دو غرضیں ہیں:۔
اوّلؔ تَوّابین کا صلہ بیان کیا ہے۔ دوؔم ما منہ التواب کا ذکر ہے۔

قولہ من الاقذارِ (گندگیوں سے) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل متطهرین کا صلہ بیان کیا ہے۔
دوم اشارہ فرمایا کہ توابین کے اندر طہارت معنوی مراد ہے اور متطہرین
کے اندر طہارتِ حسی مراد ہے۔

قولہ ای محل زرعکم (یعنی اولاد کی پیدائش گاہ) دفعیہ سوال
مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ قرآن مقدس کی آیت مبارک نِسَاءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ
ظاہری اسلوب کے خلاف ہے کیونکہ زراعت سے مراد سلسلۂ اولاد
ہے اور عورت بمنزلے زمین کے ہے جبکہ قرآن مقدس نے اولاد کے بجائے عورت
کو زرعہ یعنی کھیتی قرار دیا ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حذف مضاف
ہے کہ عورت خود زرعہ (کھیتی) نہیں بلکہ محل زرعہ یعنی زمین ہے لیکن
علامہ زمخشری رح کی رائے یہ ہے کہ یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔

قولہ للولد تعیین زرعہ ہے۔

قولہ ای محلہ حذف مضاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے قدم تحقیقہ انفا

قولہ وهو القبل تعیین محل زرعہ ہے۔

قولہ کیف لفظ انّی تین طرح استعمال ہوتا ہے۔
(۱) کبھی کیف کے معنی میں آتا ہے جیسے اَنّٰی یُحْیِیْ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا
(۲) اور کبھی اَیْنَ کے معنی میں آتا ہے جیسے اَنّٰی لَکِ ہٰذَا۔
(۳) اور کبھی بمعنی مَتٰی آتا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے کیف کا کلمہ نکال کر اشارہ
فرمایا کہ انّی بمعنے کیف ہے نہ کہ اَیْنَ اور مَتٰی کے معنی میں یعنی تعیین احد المعانی ہے

قولہ من قیام وقعود واضطجاع واقبال وادبار (بحالت قیام
بیٹھنے لیٹنے، سامنے کی جانب ہو کر یا اُلٹی طرف ہو کر) بیان کیفیت جماع ہے یا
کیفیت مباحہ کا بیان ہے کہ بطرف اربعہ مذکورہ جماع کرنا مباح ہے۔

قولہ وَنَزَلَ رَدًّا لقولِ الیھود یہ آیت ماضیہ کے شانِ نزول کا بیان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود کا خیال تھا کہ اگر وطی مِن جانبِ الدُّبرِ فی القبل کی جاتے تو بچہ احول پیدا ہوتا ہے اس پر یہ آیت نِسَآءُکُم حَرثٌ لَّکُم نازل ہوئی۔

قولہ مَن اَتیٰ یہ مقولہ ہے قول کا ۔ اَحوَل پتلیوں کا پھر جانا جس کو بھینگا یا کانا کہتے ہیں۔

قولہ العملُ الصالِحُ (نیک کام) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے قدّموا کا مفعول بہٖ مقدر کیا ہے یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہ کالتسمیۃ عند الجماع (مثلاً صحبت کے وقت بسم اللہ پڑھنا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اعمال صالحہ کی تعیین کی ہے۔

قولہ فی امرہٖ ونہیہ (کرنے نہ کرنے سے متعلق حکم میں) محل تقویٰ بیان فرمایا ہے۔

قولہ بالبعث (قیامت کے روز) اس کی بابت تصویر یہ ہے، ملاقات کی صورت بیان کی ہے کیونکہ دنیا میں ملاقات اللہ تبارک وتعالیٰ سے ناممکن ہے۔

قولہ فیجازیکم اعمالکم (تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دیں گے) بیان مرادی معنیٰ ہے یعنی ذکر ملاقات کا ہے اور ارادہ جزاءِ اعمال کا ہے۔

قولہ الذین اتقوہ (جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں) اس کی دو غرضیں ہیں اوّل، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حقیقی مومن ہی متقی ہوتا ہے غیر مومن متقی نہیں ہو سکتا۔ دوئم دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال ماقبل میں تو مومنین کا ذکر نہیں بلکہ متقدمین تقویٰ اور علم کا ذکر ہے لہٰذا مناسب مقام یہ تھا کہ یوں فرماتے۔ وَبَشِّرِ المتقدمین۔

جواب تو یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ان تینوں صفات کا جامع مومن ہی ہو سکتا ہے اس لئے ایمان کا تذکرہ فرمایا۔

قولـہ بالجنۃ مبشربہ کا ذکر ہے۔

بیان فوائد

شیعی معاشرت فقہاء حضرات نے لفظ انّٰی کو اس کے مختلف معانی کے پیش نظر اصطلاحًا الفاظ مشکلہ میں شمار کیا ہے سیاق وسباق پر نظر کرتے ہوئے اہلسنّت تو انّٰی کو کیفَ کے معنی میں لیتے ہیں۔ یعنی بیوی سے ہمبستری میں کسی خاص حالت کی پابندی نہیں ہے۔ جیسے یہود کا اعتقاد ہو گیا تھا کہ پشت کی جانب سے ہمبستری کرنے کے سبب بچہ کانا اور بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ان الفاظ میں اس قسم کے خیالات کی اصلاح وتردید مقصود ہے برخلاف شیعہ حضرات اور روافض کے وہ انّٰی کو اینَ کے معنی میں لے کر مقام اور محل کی تعمیم سمجھ رہے ہیں۔ یعنی میاں بیوی سے ہمبستری کی طرح لواطت بھی کر سکتا ہے۔ حالانکہ حرث اور طہارۃ کے الفاظ ان معنی کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ وہ حرث کی بجائے فرث اور گندگی کی جگہ ہے اور طہارت ونظافت کی بجائے اذی اور ناپاکی کی حالت ہے اس لئے بیوی سے لواطت کی شرعًا کوئی گنجائش نہیں ہے جبکہ اس کی نہی پر واضح حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم موجود ہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ ای الحلف بہ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ای نصبًا لھا بان تکثروا الحلف بہ اَنْ لَا تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ فتکرہ الْيَمِيْنُ علی ذالک ویسن فیہ الحنث ویکفر بخلافھا علی فعل البر ونحوہ فھی طاعۃ المعنی لا تمتنعوا من فعل ما ذکر من البر ونحوہ اذا حلفتم علیہ بل ائتوا وکفروا

لان سبب نزولها الامتناع من ذالك وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لاقوالكم
عَلِيْمٌ بِاَحْوَالِكُمْ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ الكائن فِيْٓ
اَيْمَانِكُمْ وهو ما يسبق اليه اللسان من غير قصد الحلف
نحو لا واللّٰه وبلى واللّٰه فلا اثم فيه ولا كفارة وَلٰكِنْ
يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ اى قصدته من
الايمان اذا حنثتم وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ لما كان من اللغو حَلِيْمٌ
بتاخير العقوبة عن مستحقها لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ
نِّسَآئِهِمْ اى يحلفون ان لا يجامعوهن تَرَبُّصُ
انتظار اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْا رجعوا فيها او بعدها
عن اليمين الى الوطى فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لهم ما اتوه
من ضرر المرأة بالحلف رَحِيْمٌ بهم وَاِنْ عَزَمُوا
الطَّلَاقَ اى عليه بان لم يفيئوا فليوقعوه فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
لقولهم عَلِيْمٌ بعزمهم المعنى ليس لهم بعد تربص
ما ذكر الا الفيئة او الطلاق

ترجمہ اور اللہ کے نام کو مت بناؤ (یعنی اللہ کی قسم کو) حجاب اپنی قسموں کے ذریعے (یعنی قسموں کو آڑ نہ بناؤ کہ اللہ تعالٰے کے نام کی کثرت

قسمیں کھاؤ) کہ تم نیکی اور تقویٰ اور اصلاحی کام نہ کر سکو (ان باتوں پر قسمیں کھانا مکروہ ہے اور کھالی جائیں تو قسموں کو توڑ کر کفارہ ادا کر دینا مسنون ہے اور ان کاموں کے خلاف نیک جانب کو اختیار کرے کہ یہ طاعت ہے، حاصل یہ ہے کہ ان قسموں کی وجہ سے ان نیک کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالو، بلکہ ان کو کرکے کفارہ ادا کر لیا کرو۔ اس آیت کا سبب نزول ان کاموں سے رکاوٹ ڈالنا تھا) اور اللہ تعالیٰ (تمہارے اقوال) سب کچھ سنتے ہیں (اور تمہارے احوال) سب کچھ جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم پر دار و گیر نہیں فرمائیں گے۔ بے کار باتوں پر جو تمہاری قسموں میں (ہونے والی) ہیں (یمینِ لغو کہتے ہیں بلا ارادہ زبان پر قسموں کا جاری ہونا جیسے لا واللہ اور بلیٰ واللہ ان میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ کفارہ لازم ہے) البتہ دار و گیر فرمائیں گے اس پر جس میں تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہے (یعنی ارادے سے قسم کھا کر توڑ دیں) اور اللہ معاف فرمانے والے ہیں (لغو یمین کی برائی کو) بردبار ہیں (کہ مستحق کی سزا کو مؤخر کر رکھا ہے) جو لوگ قسمیں کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے (یعنی صحبت نہ کرنے پر حلف کر لیتے ہیں) ان کے لئے چار مہینے کی مہلت (انتظار ہے) چنانچہ اگر یہ لوگ رجوع کر لیں (مدت کے اندر یا بعد حلف سے رجوع کر کے ارادہ وطی کریں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والے ہیں (جو کچھ انہوں نے قسم کھا کر بیوی کو نقصان پہنچایا ہے) ان پر رحم فرماتے ہیں اور اگر بالکل ہی چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے (یعنی رجوع نہیں کرنا چاہتے تو ان کو طلاق واقع کر دینی چاہیئے) بلاشبہ اللہ جل شانہٗ (انکی بات) سننے والے (ان کے ارادوں سے) واقف ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اس انتظار کے بعد ان کے لئے بجز رجوع یا طلاق کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

بیانِ شانِ نزول

علامہ ابن جریر کی روایت ہے کہ آیت وَلَا تَجْعَلُوا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واقعہ افک میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں حضرت مسطح رضہ کے الزام کی وجہ سے ناراض ہوکر ان کے ساتھ حسب سابق نیک سلوک نہ کرنے کی قسم کھالی تھی لیکن روح المعانی میں یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کسی بات پر رنجیدہ ہوکر قسم کھالی تھی کہ وہ اپنے بہنوئی بشیر بن نعمان رضہ سے بات چیت نہیں کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بیان ربط آیت ولا تجعلوا میں بیسواں حکم قسموں کو نیک کاموں سے رکنے کا ذریعہ بنانے کے متعلق ہے اور آیت لا یؤاخذ میں جھوٹی قسموں کے احکامات فرماتے جارہے ہیں۔ اس اکیسویں حکم کے بعد بائیسواں حکم آیت اَلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ میں ایلاء سے متعلق ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہ اَیِ الحلف بہٖ (یعنی اللہ تعالےٰ کی قسم کو) یہ کلمہ دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال اللہ جل شانہ فرماتے ہیں وَلَا تَجْعَلُوا اللہَ عُرْضَۃً کہ اللہ تعالیٰ کو ڈھال نہ بناؤ۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کو تو کوئی بھی ڈھال نہیں بناتا۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ حذف مضاف کرتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ ذکر تو اللہ تعالےٰ کا ہے لیکن مراد اس سے اسکی حلف ہے کہ خدا کے نام کی حلف کو ڈھال نہ بناؤ۔

قولہ اَی نصبًا لَھَا بسکون الصاد وفتحہا مثل عَلَمَ کے بمعنی آڑ یا مانع علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے عَرَضَۃً کا ترجمہ کیا ہے اور عَرَضَۃٌ بروزن فعلۃ بمعنی مفعول باب نَصَرَ یا ضَرَبَ سے مثل غرفۃ و قبضۃ کے ہے

قولہ بان تکثروا الحَلَفَ بہٖ (کہ اللہ کے نام کی بکثرت قسمیں کھاؤ) یان کی با تصویریہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے عُرضۃ لِاَیْمَانِکُمْ کی صورت بیان کی ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمۃ القوی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ کو یہاں لفظ اذا استعمال کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ دوسری تفسیر کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ لا تبرّوا وتتّقوا یہ محلوف علیہ ہیں کیونکہ وہ لوگ لا تبرّوا ولا تتقوا پر حلفیں اُٹھاتے تھے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لا مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ محلوف علیہ منفی ہے، مثبت نہیں، لیکن اکثر مفسرین حضرات لا مقدر نہیں مانتے اور لام کی تقدیر کرتے ہیں ای لأن تبرّوا اور یہ لا تجعلو فعل کا صلہ ہوگا یا لفظ عرضۃ کا صلہ بن جائے أی لا تجعلوا اللہ حاجزاً لاجل حلفکم بہ عن البر والتقوی والصلاح

فتکرہ الیمین علی ذلک (ان باتوں پر قسمیں کھانا مکروہ ہے) علامہ سیوطیؒ نے لام مقدر کرنے والوں کی وجہ بیان فرمائی ہے یعنی بیان لوجہ تقدیر اللام فی أن تبرّوا وتتقوا اور علی ذالک سے مذکورہ چیزیں مراد ہیں۔ یعنی مذکورہ چیزوں پر قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ اس صورت میں عرضۃ سے مراد مایعرض اور آیمان سے مراد امور محلوفہ اور أن تبرّوا عطف بیان ہے۔

قولہ یسن فیہ الحنث ویکفر بخلافھا علی فعل البر ونحوہ اور سنت طریقہ ہے اس میں حانث ہونا اور کفارہ دینا اور ان کاموں کے خلاف نیک جانب کو اختیار کریں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے اذا حلفت علی یمین فرائیت غیرھا خیراً منھا فکفر عن یمینك فأت الذی ھو خیر۔

قولہ فھی طاعۃ (تو یہ طاعت ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے فعل البر کی تعیین فرمائی ہے یعنی بیان تعیین بر۔

قولہ المعنی لاتمتنعوا من فعل ما ذکر من البر ونحوہ اذا حلفتم علیہ بل ائتوہ وکفروا (حاصل یہ ہے کہ ان قسموں کی وجہ سے ان نیک کاموں میں رکاوٹ نہ ڈالو بلکہ ان کو کر کے کفارہ ادا کر لیا کرو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے حاصل معنی بیان فرمایا ہے۔

قولــہ لان سبب نزولها الامتناع من ذٰلك (اس آیت کا سبب نزول ان کاموں سے رُکاوٹ ڈالنا تھا) بیان قرینہ ہے یعنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ المعنیٰ سے میں نے جو بیان کیا ہے یہ باعتبار شانِ نزول کے ہے کہ آیت کے نزول کا سبب بھی یہی بات بنی تھی۔

قولــہ لاقوالكم اس کی دو غرضیں ہیں
اولؔ: محل سماع دوؔم صلہ ہے سَمِیْعٌ کا۔

قولــہ باحوالكم اوؔل محل علم دوؔم صلہ علیم کا۔

قولــہ الكائن (ہونے والی) علامہ سیوطی رہ نے فی ایمانکم کا متعلق مقدر کیا ہے یعنی بیان ہے فی اَیمانکم کے متعلق کا۔

قولــہ وهو مايسبق اليه اللسان من غير قصد الحلف (قسم لغو اس کو کہتے ہیں جو بلاارادہ زبان پر قسموں کا جاری ہوجانا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے وَ هو مايسبق سے لغو کی تفسیر بیان فرمائی ہے اور من غير قصد سے يسبق کی تاکید ذکر کر رہے ہیں۔

لیکن یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی یمین لغو کی یہ تفسیر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے ذکر فرمائی ہے یعنی شافعی مسلک کی تائید کی ہے لیکن امام اعظم رح کے نزدیک یمین لغو کے معنیٰ یہ ہیں کہ زمانہ ماضی پر کسی بات کو صحیح سمجھتے ہوتے قسم کھالینا جبکہ فی الواقع وہ خبر غلط ہو یا بلاارادہ جھوٹی قسم زبان سے نکل گئی، اور درِّ مختار میں زمانہ حال کا بھی اضافہ ہے یعنی آئندہ بات پر بلاارادہ قسم نکل گئی ہو اس پر نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ یعنی ساقطُ الاعتبار ہے۔

قولــہ نحو لا والله وبلٰى والله (جیسے لاوَاللہ اور بلیٰ وَاللہ) بیان جزی الفاظ یمین لغو یا بیان محاورہ ہے

قولــہ فلا اثم فيه ولا كفارة (ان میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ کفارہ لازم ہے) بیان تفصیل مواخذہ ہے یعنی یمینِ لغو پر نہ دنیوی مواخذہ ہے اور نہ اُخروی مواخذہ ہے

قولہ ای قصدتہ (یعنی ارادہ سے) یہ کَسَبَتْ کی تفسیر ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

کَسَبَتْ دراصل کسبتہٗ تھا۔ قانون ہے کہ جب صلہ میں عائد ہو اور ہو بھی مفعول تو اس کا حذف ضروری ہے۔ اسی لئے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے قصدتہ میں ضمیر عائد نکالا ہے۔ باقی یمین غموس اور یمین منعقدہ دونوں ہی میں ارادہ ہوتا ہے لیکن یمین منعقدہ میں شوافع اور احناف دونوں کے نزدیک کفارہ اور گناہ لازم ہوتے ہیں البتہ یمینِ غموس میں شوافع کے نزدیک کفارہ ہے اور احناف کے نزدیک صرف گناہ ہے کفارہ نہیں ہے۔ یمینِ منعقدہ کی حقیقت یہ ہے کہ آئندہ کام پر قصداً قسم کھاتے اور یمین غموس زمانہ ماضی پر جھوٹی قسم کھانا۔

قولہ من الایمان یہ بماکسبت کے ما کا بیان ہے۔

قولہ اِذَاحنثتم (توڑدیں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ قرآن مقدس سے بظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسم پر مطلقاً مؤاخذہ وکفارہ ہے حالانکہ قسم سے حانث ہونے کے بعد کفارہ ہے نہ کہ پہلے، خلاصہ یہ ہے کہ ان الیمین لیست موجبۃً للمؤاخذۃ بنفسہا فماوجہ الحکم بمؤاخذۃ الایمانِ مُطلقاً۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ جملہ اقتضاءُ النص کے طور پر نکالا، تاآنکہ آیت کا مطلب صحیح ہو جاتے۔ اَب مَطلب یہ ہوگا کہ قسمیں اُٹھانے کے بعد حانث ہو جاؤ تو پھر مؤاخذہ ہے جو بشکل کفارہ ہے۔

قولہ لما کانَ منَ اللّغو (یمینِ لغو کی بُرائی کو) محل مغفرت بیان فرمایا ہے۔

قولہ بتاخیر العُقوبۃ عن مُستحقہا (کہ مستحق کی سزا کو موخر کر رکھا ہے) بتاخیر کی باء تصویر یہ ہے، حلم کی صُورت بیان کی ہے۔

قولہ یحلِفُوْنَ (حلف اُٹھاتے ہیں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ایلاء

کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظٍ آخر۔

ماقبل میں حلف کا بیان تھا چونکہ ایلاء میں بھی حلف ہوتی ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا۔ ایلاء۔ لغتاً یمین کو کہتے ہیں اور شریعت میں چار مہینے یا اس سے زائد بیوی سے ترک صحبت پر قسم کھانے کو کہتے ہیں اور قسم بھی خدا یا اس کے نام یا صفت کی معتبر ہوگی۔

قولہ ان لاّ یجامعوھنّ (یعنی جماع نہ کرنے پر) محلوف علیہ کا بیان ہے

قولہ انتظار تتربص کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ رجعوا (رجوع کرلیں) فاؤکی تفسیر بیان کی ہے یعنی تغییر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ فیھا او بعدھا (مدت کے اندر یا بعد) علامہ سیوطی رح نے زمانِ فئی یا زمانِ رجوع کا بیان ذکر فرمایا ہے۔

قولہ عن الیمین الی الوطی (حلف سے رجوع کرکے ارادہ وطی کرلیں) رجوع کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں:۔

(۱) ما منہ الرّجوع (۲) ما الیہ الرّجوع

علامہ سیوطی رحمہُ اللہ نے عن الیمین سے ما منہُ الرُّجوع کو ذکر کیا ہے اور الی الوطی سے ما الیہِ الرّجوع کو ذکر کیا ہے۔ یہ امام شافعی رحمہُ اللہ کے نزدیک ہے امام اعظم کے نزدیک رجوع صرف مدت کے اندر ہوسکتا ہے اور مدّت گزرنے کے بعد خود بخود طلاق ہو جاتے گی طلاق دینے کی ضرورت نہیں رہے گی

سوال فان فاءُوا کی فا تعقیبیہ ہے جو دلالت کرتی ہے کہ رجوع مدت کے بعد ہونا چاہیئے۔

جواب فا، تعقیب ذکری کے لئے ہے جو جملوں پر تفصیل بعد الاجمال کے لئے آتی ہے ای فان رجعوا فی المدۃ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت فان فاءُوا فیھن بھی اسی کی مؤید ہے۔

قولہ لھم اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل: محل مغفرت ہے۔ دوم غفور کا صلہ بیان کیا ہے۔

قولہ ما اتوہ (جو کچھ انھوں نے) مغفور لھم کا بیان ہے
قولہ من ضرر المرأۃ بالحلف (قسم کھا کر نقصان پہنچایا ہے) ما اتوہ کے ما کا بیان ہے۔
قولہ بھم رحیم کا صلہ بیان کیا ہے۔
قولہ ای علیہ اس کی دو غرضیں ہیں :
اوّل علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ عبارت میں حذف والایصال ہے اصل عبارت تھی وَاِنْ عَزَمُوا عَلَى الطلاق
دوّم اشارہ فرمایا کہ عزم تعدی علی کے ساتھ ہے کما فی قولہ تعالیٰ: لیتفیوء ظلالہٗ عَنِ الیَمِیْنِ
قولہ بان لم یفیئوا (یعنی رجوع نہیں کرنا چاہیئے) بان کی با تصویریہ ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے عَزَمُوْا کی صورت بیان کی ہے۔
قولہ فلیوقعوہ (تو طلاق واقع کردینی چاہئے) وَاِنْ عَزَمُوْا کی جزا مقدر کی ہے لیکن یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہے کیونکہ احناف کے نزدیک تو خود بخود طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
قولہ لقولھم (اُن کی بات) یعنی قول طلاق کو اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے محل سماع بیان کیا ہے۔
قولہ بعزمھم (ان کے ارادوں سے) اس کی دو غرضیں ہیں :
اوّل: محل علم بیان کیا ہے دوّم صلہ علیم کا بیان ہے۔
قولہ المعنی لیس لھم بعد تربص ما ذکر الا الفیئۃ او الطلاق حاصل یہ ہے کہ اس انتظار کے بعد ان کے لئے بجز رُجُوع یا طلاق کے کوئی چارہ نہیں ہے)
اس کی دو غرضیں ہیں :
اوّل: آیت کا حاصل معنی بیان فرمایا ہے۔ دوّم : انما بین المعنی بھذا لان عند الشافعی الایلاء لا یکونُ طلاقًا بنفسہٖ۔

بیان فوائد

اِیلاء کیسے کہتے ہیں

میاں بیوی کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوشگوار نہیں رہا کرتے کبھی جذبہ محبت تو کبھی شکر رنجی اور بے لطفی پیدا ہو جاتی ہے مگر اللہ تعالےٰ کو ایسا بگاڑ پسند نہیں کہ بیوی نہ اِدھر کی رہے اور نہ اُدھر کی، درمیان میں لٹک کر رہ جاتے یعنی قانوناً تو وہ میاں بیوی ہی رہیں مگر عملاً ایک دوسرے سے الگ تھلگ کہ گویا وہ میاں بیوی نہیں ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بے مدت ایلاء کر کے یا اس میں توسیع کر کے عورتوں کو بہت تنگ کیا جاتا تھا اس لئے شریعت مقدسہ نے اس کے حدود مقرر کر دیتے ہیں۔

اِیلاء کے اقسام واحکام

ایلاء کی چار صورتیں ہیں:۔

① چار مہینے سے کم کے لئے خواہ آدھا دن ہی سہی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لینا۔

② چار مہینے تک قریب نہ جانے کی قسم کھانا۔

③ چار مہینے سے زیادہ مدت کی تعیین کر کے بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھانا

④ بلا تعیین مدت بیوی کو چھوڑے رکھنے کی قسم کھانا۔

پہلی صورت میں لغوی ایلاء ہے شرعی ایلاء نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں نہ بیوی ہاتھ سے جائیگی اور نہ کفارہ دینا پڑیگا البتہ قسم توڑے گا تو اس کا کفارہ دینا پڑے گا۔ باقی تینوں صورتوں میں شرعی ایلاء ہو جائیگا یعنی دو خرابیوں میں سے ایک خرابی گوارہ کرنی پڑیگی، اگر قسم پوری کرلی تو بیوی ہاتھ سے جائے گی اور بیوی بچانے کے لیے قسم توڑتا ہے تو قسم کا کفارہ دینا پڑیگا بیوی کی علیحدگی کی صورت میں دونوں اگر رضامند ہوں تو بغیر حلالہ کئے پھر دونوں نکاح کر سکتے ہیں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ ای لینتظرنَ بِاَنْفُسِہِنَّ عن النکاح ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ تمضی من حین الطلاق جمع

قرء بفتح القاف وهو الطهر او الحيض قولان وهذا فى
المدخول بهن اما غيرهن فلا عدة لهن لقوله تعالىٰ:
فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا وفى غير الآيسة
والصغيرة فعدتهن ثلاثة اشهر والحوامل فعدتهن
ان يضعن حملهن كما فى سورة الطلاق والاماء فعدتهن
قران بالسنة وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ
فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ من الولد او الحيض اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ ازواجهن اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ
اى بمراجعتهن ولو ابين فِىْ ذٰلِكَ اى فى زمن
التربص اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا بينهما لا اضرار المرأة
وهو تحريض على قصده لا شرط لجواز الرجعة وَ
هذا فى الطلاق الرجعى واحق لا تفضيل فيه اذ
لا حق لغيرهم فى نكاحهن فى العدة وَلَهُنَّ
على الازواج مِثْلُ الَّذِىْ لهم عَلَيْهِنَّ من
الحقوق بِالْمَعْرُوْفِ شرعًا من حُسن العشرة وترك
الضرار ونحو ذٰلك وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ فضيلة

فی الحق من وجوب طاعتھن لھم لما ساقوہ من

المھر والانفاق وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ فی ملکہٖ حَکِیْمٌ فیما دبرہٖ لخلقہٖ ع ۱۲

ترجمہ اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رکھیں (یعنی انتظار کریں) اپنے آپ (نکاح سے) تین طہر تک (جو طلاق کے وقت سے شروع ہو قُرُوْءٍ جمع ہے قَرْءٌ کی فتحہ کے ساتھ مُراد اس سے طہر ہے یا حیض، دو قول ہیں، یہ حکم مدخولہ کے بارے میں ہے اور غیر مدخولہ کی کوئی عدّت نہیں ہے آیت فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا کی وجہ سے۔ نیز آئسہ اور صغیرہ نہ ہوں کہ ان کی عدّت تین تین مہینے ہے نیز حاملہ نہ ہوں کہ ان کی عدّت وضع حمل ہے۔ آیت طلاق فعدتھن اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ کی وجہ سے نیز باندیاں نہ ہوں حدیث کی رُو سے اُن کی عدّت دو حیض ہیں) اور ان عورتوں کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ اللہ تعالٰے نے جو کچھ اُن کے رحم میں پیدا کیا اس کو پوشیدہ رکھیں (یعنی بچہ یا حیض) اگر وہ عورتیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر (خاوند) اُن کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں (اگرچہ عورتیں رضامند نہ ہوں تب بھی رجوع کر سکتے ہیں) اس عدّت کے اندر (زمانۂ انتظار میں) بشرطیکہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں (آپس میں نہ یہ کہ عورت کے ضرر پہنچانے کی نیّت سے لوٹانا ہو یہ جملہ اصلاحی ترغیب کے لئے ہے جوازِ رجعت کی شرط نہیں ہے اور یہ حکم رجوع طلاق رجعی میں ہے اور احق میں تفضیل مقصود نہیں ہے کیونکہ زمانہ عدّت میں خاوند کے علاوہ دوسروں کو رجوع کا حق نہیں ہے) اور اُن عورتوں کے حقوق بھی (شوہروں پر) مثل ان حقوق کے ہیں جو مَردوں کے عورتوں پر ہیں دستور (شرعی) کے مُطابق (کہ خوش معاملگی ہونی چاہیئے نقصان پہنچانے کی نیّت نہ ہونی چاہیئے وغیرہ) اور مَردوں کا درجہ عورتوں کے مقابلے میں کچھ بڑھا ہوا ہے (حق بزرگی کے لحاظ سے کہ عورتوں پر مَردوں کی اطاعت مہر وغیرہ اِخراجات کی وجہ سے واجب ہے) اور اللہ تعالٰے زبردست ہے (اپنے ملک میں) اور حکیم بھی ہیں (مخلوق کی تدبیر میں)

بیان شانِ نزول | اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کو طلاق ہوئی اور مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہیں تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت کے لئے وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ نازل فرمائی۔

بیان ربط | آیت میں تیئسواں[۲۳] حکم اور چوبیسواں[۲۴] حکم مُطلقہ کی عدت کے بارے میں ہے۔

بیانِ اغراض جلالین

قولہ ای لینتظرن اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل یتربصن کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔ دوّم علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ خبر امر کے معنی میں ہے، مبالغتًا امتثال حکم کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

قولہ عَنِ النِّکاح (نکاح سے) تربص کا صلہ نکالا ہے۔

قولہ تمضی من حِین الطلاق (جو طلاق کے وقت سے شروع ہو) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ثلٰثۃ قروء سے کامل تین قُرُوْء مراد ہیں یعنی غایت مغیا میں داخل ہے۔ نیز ثلٰثۃ منصوب بر بنا مفعولیت ہے بتقدیر مضاف ای یتربصن مضی ثلٰثہ قروء یا منصوب بنا بر ظرفیت ہے ای یتربصن مدۃ ثلٰثۃ قُرُوْء۔

قولہ جمع قرء بفتح القاف تحقیق لفظی بیان فرما رہے ہیں اس میں دونوں اعراب (ضمہ وفتحہ) جائز ہیں۔ امّا الضم اگر ضمہ کیساتھ پڑھیں تو اس کی جمع اقراء ہوگی کقفل واقفال اگر فتحہ پڑھو تو پھر قُرُوْء سے جمع ہوگی یعنی جمع کثرت ہے، قلّت کے موقع پر استعمال کر لیا گیا ہے، چنانچہ جمع قلّت وکثرت توسعًا ایک دوسرے کے موقع پر استعمال ہوتی ہے اور اقراء جمع قلت کیلئے قلیل الاستعمال اور قروء کے لئے کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے اوّل کو ترک اور ثانی کو اختیار کر لیا گیا ہے۔

قولہ وھو الطھر والحیض قولان (مُراد اس سے طُہر ہے یا حیض دو قول ہیں) لفظ قُرُوْءٌ مشترک المعنٰی ہے، طُہر اور حیض دونوں کے معنیٰ میں آتا ہے، اول قول امام مالکؒ اور امام شافعی رحمہ کا ہے اور ثانی قول امام اعظم رحمہ اور امام احمد رحمہ کا ہے دلائل طرفین کے پاس ہیں مطول کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں باقی اس جملے کی غرض بیان مذہب ہے۔

قولہ وھٰذا فی المدخول بھن (یہ حکم مدخولہ کے بارے میں ہے۔) ھٰذا سے مُراد حکم ثلثہ قُرُوْءٍ ہے۔

قولہ اما غیرھن (اور غیر مدخولہ کی کوئی عدت نہیں ہے) غیرھن سے مُراد غیر مدخولہ عورت ہے۔

قولہ فلاعدۃ لھن بیان حکم ہے۔

قولہ لقولہ تعالٰی بیان دلیل ہے۔

قولہ وفی غیرالآئِسۃ والصغیرۃ فعدتھن ثلثۃ اشھر (نیز آئسہ اور صغیرہ نہ ہوں کہ اُن کی عدت تین تین مہینے ہے) صغیرہ سے مُراد کمسن اور آئسہ سے مُراد وہ عورت ہے جس کا خون بڑھاپے کی وجہ سے بند ہوجاتے ان کی عدت بھی تین مہینے ہے کمافی سُورۃ الطلاق: وَاللّٰئِی یئسن من المحیض من نسائکم فعدتھُنّ ثلاثۃ اشھر

قولہ والحوامل (یعنی حاملہ نہ ہوں) یعنی حاملہ مُطلقہ کی عدت آیت وَاُولاتُ الاحمَالِ اَجلھن ان یضعن حملھن کی رو سے ولادت ہے۔

قولہ فعدتھن بیان دلیل ہے۔

قولہ کمافی سُورۃ الطلاق بیان قرینہ ہے۔

یقول ابوالاسعاد صانہُ اللہُ عنِ الشرّ والفساد۔ وھٰذا فی المدخول سے لگاکر کمافی سورۃ الطلاق تک علامہ سیوطی رحمہُ اللہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں تین قسم پر ہیں ۱۔ صغیرہ جو کمسن ہو ۲۔ آئسہ بڑھاپے کی وجہ سے جس کا حیض بند ہو جاتے ۳۔ غیر مدخولہ اس کی بھی عدت نہیں ہے کیونکہ عدت تو اس

یے ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ حمل ہو۔ غیر مدخول کے ساتھ جب جماع ہی نہیں ہوا تو حمل کیسے ہوگا۔ جب حمل نہیں ہے تو عدت کیسے بیٹھے گی۔ حالانکہ قرآن مقدس کے اندر زحکم ہے والمطلقت یتربصن الخ اس میں یہ تینوں داخل ہیں، اس لئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ والمطلقت سے یہ مراد ہیں۔
ا صغیرہ ۲۔ آئسہ ۳۔ غیر مدخولہ ۴۔ حاملہ ان کے علاوہ باقی مطلقات مراد ہیں۔

قولــه والاماء فعدتھن قرآن بالسنۃ (نیز باندیاں نہ ہوں کہ حدیث کی رو سے ان کی عدت دو حیض ہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ باندی اگرچہ مدخول بہا ہو تو اس کی عدت بھی دو قروء ہیں۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ وہ بھی اس سے خاص ہے اس کا مخصص حدیث پاک ہے۔

قولــه بالسنۃ بیان قرینہ ہے ابو داؤد کی روایت ہے طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان۔ ابو داؤد شریف ص۳۰۵ کتاب الطلاق باب فی سنۃ طلاق العبد

یقول ابوالاسعاد چنانچہ حدیث مذکور لفظ قروء حیض کے معنی لینے میں حنفیہ کا مستدل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے باندی کی عدت صراحۃً حیضتان فرمائی معلوم ہوا کہ آزاد عورت مدخولہ کی عدت ثلثۃ قروء سے مراد بھی تین حیض ہیں گویا حدیث پاک نے مشترک لفظ کے ایک معنی کی تعیین فرما دی۔ علامہ سیوطی کے لئے لفظی روایت چونکہ خلاف مسلک تھی اس لئے شاید روایت بالمعنے کر دی۔

قولــه من الولد او الحیض (یعنی بچہ یا حیض) ما خلق اللہ کے ما کا بیان ہے کیونکہ رحم عورت محل ولد یا محل حیض ہے، اس لئے اگر حاملہ ہے تو حمل کو اور حائضہ ہے تو حیض کو ظاہر کرے۔

قولــه ازواجھن (خاوند) بعولتھن کی تفسیر بیان کی ہے یعنے تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔ نیز بعول جمع بعل اس کی تاء زائد ہے اور بعولتھن کی ضمیر

مؤنث مطلقہ رجعی کی طرف راجع ہے جس کا قرینہ آئندہ جملہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ہے گویا ضمیر مطلقہ کے بعض فرد کی طرف راجع ہے۔

قولہ ای بمراجعتھن (رجوع کرنے کا حق) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے برد ھن کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ ولو ابین (اگرچہ عورتیں رضامند نہ ہوں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ رجوع مرد کا حق ہے عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

قولہ لا ضرار المَرأۃ (نہ یہ کہ عورت کے ضرر پہنچانے کی نیت سے لوٹانا ہو) بیان مقابل ہے یعنی اصلاح کا مدمقابل نکالا ہے کہ عورتوں کی خیر خواہی مقصود ہو نقصان دینے کی نیت نہ ہو، کیونکہ عرب میں یہ عادت تھی کہ بعد از طلاق جب تکمیل عدت قریب ہوتی تو محض ایذاء دینے کے لئے رجوع کر لیتے۔

قولہ وھو تحریض علی قصدہ لا شرط بجواز الرجعۃ (یہ جملہ اصلاحی ترغیب کے لئے ہے جوازِ رجعت کی شرط نہیں ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا کی قید سے یہ بات سمجھی جارہی ہے کہ رجوع کے اندر اصلاح کی نیت شرط رجوع ہے۔ حالانکہ شرعی مسئلہ اس کے برعکس ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی مطلقہ بیوی سے عدت کے اندر رجوع کرنا چاہتا ہے بارادہ نقصان کہ اصلاح کی نیت نہیں تب بھی رجوع درست ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ اِنْ اَرَادُوْا اولی قید احترازی نہیں بلکہ تحریضی ہے کہ خاوند کو اس بات پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے کہ طلاق جیسی غلیظ حالت سے رجوع جیسی اچھی حالت کی طرف پھرنے سے مقصود پھر بھی اصلاحِ زوجہ ہو نہ کہ ضررِ زوجہ

قولہ وھذا فی الطلاق الرجعی (اور یہ حکم رجوع طلاق رجعی میں ہے) ھذا کا مشار الیہ جواز الرجعۃ ہے اور اس کی غرض بیان محل رجوع ہے

قولہ واحق لا تفضیل فیہ اذ لا حق لغیرھم فی نکاحھن

فی العِدَّۃ (اور احق میں تفضیل مقصود نہیں ہے کیونکہ زمانۂ عدت میں خاوند کے علاوہ دوسروں کو رجوع کا حق ہے ہی نہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اسم تفضیل میں ایک مفضل اور دوسرا مفضل علیہ ہوتا ہے اب لفظ احق اسم تفضیل سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ شوہر کو بھی رجوع کرنے کا حق ہے اور شوہر کے علاوہ بیوی وغیرہ کو بھی حق ہے لیکن زیادہ حق شوہر کا ہے حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ رجوع کا حق شرعاً شوہر کا ہے۔

جوابِ اوّل احق میں اسمِ تفضیل کا مفہوم نہیں ہے کہ ایک مفضل اور دوسرا مفضل علیہ ہو بلکہ یہ لفظ الشتاء أبرد من الصیف کی طرح ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ گرمی بھی ٹھنڈی ہوتی ہے مگر سردی سے کم ٹھنڈی ہوتی ہے بلکہ موسم سرما کا ٹھنڈا ہونا بطور مبالغہ بیان کیا جاتا ہے، یہاں بھی اسی طرح ہے کہ حق رجوع صرف شوہر کو ہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

جواب دوم یہ ہے کہ اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھم احق بالرجعۃ منھنَّ بالاباءِ اس صورت میں اسم تفضیل اپنے حقیقی معنٰی میں رہے گا۔

قولہ ای فی زمن التربص (زمانہ انتظار میں) بیان مشار الیہ ہے

قولہ بینھما (آپس میں) محل اصلاح بیان فرمایا ہے۔

قولہ علی الازواج (شوہروں پر) اس کی دو غرضیں ہیں،

اوّل بیان مرجع ہے دوم بیان من علیہ الحق ہے۔

قولہ لھن زوجین کے حقوق کی دو جانبیں ہوتی ہیں۔ اوّل مالہُ الحق دوم ماعلیہ الحق۔

قرآن مقدس کے اندر ماعلیہ الحق تو مذکور ہے یعنی علیھن اور مالہ الحق کا ذکر نہیں تھا۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لھن کا کلمہ نکال کر مالہ الحق کو بیان کیا ہے۔

قولہ من الحقوق اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل: بیان مرجع
دوّم: علامہ سیوطی نے اشارہ فرمایا کہ مثل سے مماثلت فی الوجوب جنس الحق
مراد ہے لا فی جنس الفعل فلا یجب علیہ اذا غسلت ثیابہ او خبزت لہ
ان یفعل ذالک لکن یقابلہ مما یلیق بالرجال۔

قولہ شرعاً (شرعی) تمیز معروف ہے اور معروف مقابل منکر ہے
ہر نیکی شرعاً معروف ہے کیونکہ ہم اس نیکی کو پہچان کر کرتے ہیں اور ہر برائی منکر ہے
کیونکہ برائی مطلقاً بری ہوتی ہے۔

قولہ من حسن العشرة وترک الضرار ونحو ذالک (کہ خوش
معاملگی ہونی چاہیئے نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہونی چاہیئے وغیرہ) بیان معروف ہے۔

قولہ فضیلۃ (حق بزرگی کے لحاظ سے) اس کی دو غرضیں ہیں:
اوّل درجہ کی تفسیر بیان کی ہے۔ یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔
دوّم علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فضیلۃ کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ درجہ سے مراد
درجہ حسّی نہیں بلکہ معنوی درجہ (بمعنے فضیلت) مراد ہے۔

قولہ فی الحق (حقوق ہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ
مردوں کو ہر وقت فضیلت ہے عورتوں پر، حالانکہ کتنی عورتیں ایسی ہیں جن
کو مردوں پر فوقیت وفضیلت حاصل رہی ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ:
وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فی الحق کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ
فضیلت فی الحقوق مراد ہے اعمال اور ایمان والی فضیلت
مراد نہیں ہے۔

قولہ من وجوب طاعتهن لهم (مردوں کی اطاعت مہر
وغیرہ اخراجات کی وجہ سے واجب ہے) بیانِ حق ہے کہ مردوں کو ان حقوق کی وجہ سے عورتوں
پر فضیلت ہے۔

قولہ لماساقوہ علت فضیلت یا درجہ ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ غرض انواج میں میاں بیوی شریک ہیں لیکن مرد حضرات یختصون بفضیلة سیاق المھر والنفقة فلھم زیادۃ فی الحق

قولہ من المھر والانفاق لِمَا کے مَا کا بیان ہے۔

قولہ فی ملکه محل عزیز یا صلہ عزیز بیان کیاہے۔

قولہ فیما دبرہ لخلقه (مخلوق کی تدبیر میں) محل حکم یا صلہ حکم ہے۔

بیان فوائد

وحدتِ نظم کا تقاضا جس گھر اور معاشرہ یا ملک میں دو برابر کی طاقتیں ہوں گی وہاں کبھی بھی وحدتِ نظم قائم نہیں ہو سکتی، ہمیشہ اس کا نظم انتشار کا شکار رہے گا اور دوعملی قائم ہو کر شیرازہ بکھرتا رہے گا۔ آج یورپ و امریکہ میں طلاق کی بھرمار ہے، ہر گھر کا معاشرہ ناسور بنا ہوا ہے یہ سب کچھ عورت کی حد سے زیادہ آزادی کی بدولت ہو رہا ہے۔ مَرد کی طرح عورت کے ہاتھ میں طلاق کا ایسا ہتھیار آگیا ہے جس کو وہ ہر وقت استعمال کرتی رہتی ہے، اسلام کے عائلی نظام اعتدال کی صحیح معنے میں قدر و منزلت ان ملکوں میں رہ کر ہوتی ہے۔ باہم فتنہ فساد قتل و غارت کی آزادانہ تحقیقات اگر کی جائیں تو اکثر واقعات میں عورت کی بے لگام آزادی سبب نکلے گی مگر بڑے بڑے دانشوروں کی آنکھوں پر ایسی پٹی بندھ گئی ہے کہ وہ نفسانی خواہشات کے اس خول سے نکلنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے۔

فرائض کی ادائیگی ہی حقوق کی ادائیگی ہے ان آیات میں مرد و عورت کے واجبی حقوق کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر فریق اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے بجائے اپنے فرائض کی ادائیگی میں لگا رہے کیونکہ مَرد کے فرائض ہی عورت کے حقوق ہیں اور عورت

کے فرائض ہی مرد کے حقوق ہیں لہٰذا ہر ایک کے فرائض ادا ہونے کا نام ہی دوسرے کے حقوق کی ادائیگی ہے، آجکل سارے جھگڑے کی بنیاد یہی یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کی مانگ تو کرتا ہے لیکن اپنے فرائض سے غافل ہے اگر سب اپنے فرائض کی بجاآوری میں لگ جائیں تو حقوق کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے اور حقوق کی جنگ ختم ہو جاتی ہے۔

مرد کی مردانگی زور زبردستی میں نہیں تحمل و برداشت میں ہونی چاہیئے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کا مطلب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے جو فوقیت بخشی ہے اس سے وہ زبردستی کام نہ لے بلکہ اس کو تحمل سے کام لینے میں خرچ کرے، عورتوں کی طرف سے مردوں کے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہو، ان کی مردانگی کا تقاضا انتقامی کارروائی کرنا نہیں بلکہ عفو و تسامح درگزر سے کام لینے میں اُن کی مردانگی ہے وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یہ جملہ اس موقعہ پر نہایت بامعنٰی اور پُرمغز ہے۔

کسی مردِ درویش نے کیا خوب کہا ہے ؎

نہ مرداست آں بنزدیک خردمند کہ باپیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آنکس است از روئے تحقیق کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

یقول ابوالاسعاد صانہ اللہ عن الشر والفساد: خلاصہ اشعار یہ کہ عقل مندوں کے نزدیک پہلوان وہ نہیں ہے جو مست ہاتھیوں سے کشتی لڑتا پھرے بلکہ حقیقتًا بہادری تو یہ ہے کہ انسان اپنے غصہ پر غالب آجائے اور بے قابو نہ ہو۔

اَلطَّلَاقُ ای التطلیق الذی یراجع بعدہٗ مَرَّتَانِ ای اثنتان فَاِمْسَاكٌ ای فعلیکم امساکھن بعدہٗ بان تراجعوھن بِمَعْرُوْفٍ من غیر ضرار اَوْتَسْرِيْحٌ ارسال لھن بِاِحْسَانٍ ولَايَحِلُّ لَكُمْ ایھا الازواج اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ من المھور شَيْئًا اذا

طلقتموهن إِلَّآ أَنْ يَّخَافَا اي الزوجان أَنْ لَّا يُقِيْمَا
حُدُوْدَ اللهِ اى لا ياتيا بما حدّه لهما من الحقوق
وفى قراءة يخافا بالبناء للمفعول فان لا يقيما بدل
اشتمال من الضمير فيه وقرئ بالفوقانية في
الفعلين فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ نفسها من المال ليطلّقها اى لاحرج
على الزوج فى اخذه ولا الزوجة فى بذله تِلْكَ الاحكام
المذكورة حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ
اللهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَإِنْ طَلَّقَهَا الزوج بعد
الثنتين فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ بعد الطلقة الثالثة
حَتّٰى تَنْكِحَ تتزوّج زَوْجًا غَيْرَهٗ ويطأها كما فى
الحديث رواه الشيخان فَإِنْ طَلَّقَهَا الزوج الثانى فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اى الزوجة والزوج الاوّل أَنْ يَّتَرَاجَعَا
الى النكاح بعد انقضاء العدّة إِنْ ظَنَّا أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ
اللهِ وَتِلْكَ المذكورات حُدُوْدُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ يتدبرون وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ

فاربن انقضاءِ عدتهن فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِاَنۡ تراجعوهن
بِمَعۡرُوۡفٍ من غير ضرار اَوۡسَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اتركوهن
حتّٰى تنقضى عدتهن وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ بالرجعة ضِرَارًا
مفعول له لِتَعۡتَدُوۡا عليهن بالالجاءِ الى الافتداء
او التطليق وتطويل الحبس وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ
ظَلَمَ نَفۡسَهٗ بتعريضها الى عذاب الله تعالىٰ وَلَا تَتَّخِذُوۡا
اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا مهزوا بها بمخالفتها وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ
عَلَيۡكُمۡ بالاسلام وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ القرآن
وَالۡحِكۡمَةِ ما فيه من الاحكام يَعِظُكُمۡ بِهٖ بان تشكروها
بالعمل به وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ
عَلِيۡمٌ لا يخفى عليه شئ ع ۱۴

ترجمہ طلاق (یعنی وہ طلاق کہ جس کے بعد رجعت کی گنجائش ہے) دو (دفعہ دی) ہیں) پھر خواہ روک لیتا ہے (یعنی پھر تم اس کے بعد رجعت کر کے روک لو) قاعدہ کے موافق (بغیر نقصان کے) اور یا چھوڑ دینا ہے خوش اسلوبی کے ساتھ (اُن کو آزاد کر کے) اور تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں ہے (اے شوہرو) کہ وصول کرلو اس مال سے جو تم نے دیا تھا (یعنی مہر) کچھ بھی (جب کہ تم نے ان کو طلاق دے دی ہے) الّا یہ کہ دونوں (خاوند بیوی) کو یہ احتمال ہو کہ دونوں قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی

حدود کو (یعنی جن حقوق کی ان کے لئے ضابطہ بندی ہو چکی ہے وہ اُن کو باقی نہیں رکھ سکیں گے اور ایک قراءت میں یُخَافَا مجہول صیغہ کے ساتھ ہے اس صورت میں اَلَّا یُقِیْمَا یُخَافَا کی ضمیر تثنیہ سے بدلُ الاشتمال ہو جائے گا۔ اور ایک قراءت میں یہ دونوں لفظ یَخَافَا اور تَقِیْمَا پڑھے گئے ہیں) اگر تم لوگوں کو یہ اندیشہ ہو کہ شوہر و بیوی خدائی ضابطوں کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں کو گناہ نہیں ہوگا کہ عورت کچھ دے کر چھڑا لے (اپنی جان مال کے بدلے میں طلاق دے کر یعنی شوہر پر اس کے قبول کرنے میں اور بیوی پر اس کے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) یہ (مذکورہ احکام) اللہ تعالیٰ کے حدود ہیں سو اُن کو نہ پھلانگنا جو خدائی ضابطوں سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہوتے ہیں، پھر اگر طلاق دے دے (دو طلاقوں کے بعد شوہر) بیوی کو تو وہ بیوی حلال نہیں رہے گی، اس شوہر کے لئے بعد (تیسری طلاق کے) حتّٰی کہ نکاح (شادی) کرلے وہ عورت پہلے خاوند کے علاوہ دوسرے (اور وہ دوسرا شوہر اس عورت سے ہمبستر ہو جاتے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے) پھر اگر طلاق دے دے (دوسرا شوہر بھی) تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے (یعنی عورت اور شوہر اول پر) کہ بدستور پھر مل جائیں (عدت کے بعد دونوں نکاح کرلیں) بشرطیکہ دونوں کو گمان غالب ہو کہ وہ خدائی ضابطوں کو برقرار رکھ سکیں گے اور یہ (مذکورہ احکام) اللہ کے حدود ہیں ان کو بیان فرماتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے جو اصحاب دانش ہیں (غور کرتے ہیں) اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی پھر وہ اپنی عدت گزرنے کے قریب ہو جائیں (یعنی ان کی عدت قریب الختم ہو) تو تم روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) قاعدے کے مطابق (نقصان نہ پہنچا کر) یا ان کو رہائی دے دو، قاعدہ کے مطابق (ان کو چھوڑ دو کہ اُن کی عدت گزر جاتے) اور ان کو روکنا نہیں چاہیئے (رجعت کر کے) نقصان پہنچانے کی غرض سے (ضراراً مفعول لہٗ ہے) اس ارادہ سے کہ ظلم کیا کرو گے (ان عورتوں پر فدیہ دینے پر مجبور کر کے یا طلاق دینے اور زیادہ روکنے پر مجبور کر کے) اور جو شخص ایسا کرے گا، سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا (خود کو اللہ تعالیٰ کے عذاب پر پیش کر کے) اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو

مذاق مت بناؤ (ان کی مخالفت کر کے کھلونا نہ بناؤ) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر انعام کی ہیں ان کو یاد کرو اور اس کتاب کو جو تم پر نازل کی گئی (قرآن) اور حکمت کو (قرآنی احکام) درآنحالیکہ اس کی نصیحت تم کو کی جاتی ہے) یہ شکر یہ تمہارے عمل میں ہونا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

بیانِ شانِ نزول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کو طلاق دیتے رہتے تھے اور عدت میں رجوع کر لیا کرتے تھے، چاہے سو مرتبہ سے زیادہ طلاقوں کی نوبت آجائے جس سے حد درجہ عورتوں کی مشکلات بڑھی ہوئی تھیں، چنانچہ ایک عورت نے آکر آپ سے شکایت کی اس پر الطلاق مرتان آیت نازل ہوئی۔

بیانِ ربط

خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ آیت الطلاق میں طلاق رجعی کا بیان پچیسویں[۲۵] حکم کی صورت میں اور آیت لایحل لکم میں، چھبیسواں[۲۶] حکم دربارہ خلع اور آیت فان طلقھا میں، ستائیسواں[۲۷] حکم حلالہ کا ہے اس کے بعد واذا طلقتم میں بطور تتمہ اٹھائیسواں[۲۸] حکم تلعب بالاحکام کی ممانعت کا بیان کیا جارہا ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ ای التطلیق (یعنی وہ طلاق) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ طلاق بمعنے تطلیق اشارہ فرمایا کہ الطلاق اسم مصدر ہے لیکن ولمراد منہ المصدر

قولہ الذی یراجع بعدہ (جس کے بعد رجوع ہو سکے) دفعیہ سوال مقدر

سوال یہ ہے کہ طلاق تو تین بار ہوتی ہے۔ صرف دو کو کیوں ذکر فرمایا۔

جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمات نکال کر اشارہ فرمایا کہ الطلاق کی الف لام عہدی ہے، اس سے مراد وہ طلاق ہے کہ جس کے بعد رجعت کی گنجائش ہو اور اس میں بائنہ بھی داخل ہے کیونکہ بغیر حلالہ کے اس میں رجوع ہو سکتا ہے

قولہ اَیْ اثْنَتَانِ (دو عدد ہیں) اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّل مَرَّتَانِ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

دُوم اشارہ فرمایا کہ انّ المُراد بالمرّتان المعنیٰ الحقیقی وھُو التثنیۃ لا المعنیٰ المجازی وھو التکریر کما قیل لانۂ لاحاجۃ الی المَجاز۔

قولہ ای فعلیکم اشارہ فرمایا کہ انّ الامساک مبتدا محذوف الخبر اصل عبارت تھی فعلیکم امساکٌ

قولہ امساکھن قرآن مقدس کے اندر مُطلق امساک کا ذکر تھا لیکن کس کا امساک ہو، یہ نہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے حذف مضاف نکال کر اشارہ فرمایا کہ عورتوں کا امساک مُراد ہے۔

قولہ بعدہٗ اِمساک دو قسم ہے (۱) قبلی (۲) بَعدی

اَب یہاں پر کون سا امساک مُراد ہے تو علامہ سیُوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ امساک بعدی مُراد ہے جو فَاِمْسَاکٌ کی فا سے نکالا ہے کیونکہ امساک قبلی کا تو یہاں تذکرہ بھی نہیں اور نہ وہ مقصود ہے۔

قولہ بأن تراجعُوھنّ۔ بان کی با تصویریہ ہے، علامہ سیوطی رح نے امساک کی صُورت بیان کی ہے کہ امساک سے مراد رُجوع کرنا ہے نہ کہ کسی مکان میں بند کرنا مُراد ہے۔

قولہ مِن غیر ضرارٍ (بغیر نقصان کے) بیان مقابل معروف ہے کما مرّ تحقیقہ

قولہ اِرسَال (چھوڑ دینا ہے) تَسْرِیحٌ کی تفسیر ہے یعنی تفیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ لَھُنّ ارسال کا صلہ بیان کیا ہے۔

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ جمیلہ اور ان کے خاوند ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے درمیان تعلقات خوشگوار نہیں تھے اور وہ ان سے علیحدہ ہونا چاہتی تھیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم مہر کا باغ واپس کرسکتی ہو انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ اسی طرح آپؐ نے ان کے شوہر سے بُلاکر دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ نازل ہوئی جس کا حاصل خلع ہے۔

قولہ اَیُّهَا الْاَزْوَاجُ (اے شوہرو) اس کی دو غرضیں ہیں:

اوّل بیان تعیین مخاطبین کہ خطاب شوہروں کو ہے۔

دُوم اشارہ فرمایا کہ خطاب ازواج کو ہے دُون الحکام کما فیما بعد ھٰذا قیل انّ الخطاب للحکام لانہ اسناد الاخذ والایتاء الیھم الاجاز او ھو خلافُ الظاھر۔

قولہ من المهور مِمَّا کے مَا کا بیان ہے کہ اس سے مُراد مُہر ہیں

قولہ اذا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ (جب تم نے ان کو طلاق دے دی ہے) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ جُملہ اقتضاء النّص کے طور پر نکالا ہے تا آنکہ آیت کا مَطلب دُرست ہو جاتے کیونکہ نکاح کی حالت میں تو کوئی شخص بھی مہر واپس نہیں لے سکتا اگر حق المہر کی واپسی کا امکان ہے تو بصُورت طلاق بشکل خلع ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ اخذ مطلق نہیں بلکہ اخذ عند الطلاق ہے۔

قولہ ای الزوجان بیان مرجع ہے۔

قولہ ای لا یاتیا بما حدّدہ لهما (یعنی جن حقوق کی ان کے لئے ضابطہ بندی ہو چکی ہے وہ ان کو باقی نہیں رکھ سکیں گے) اس دو غرضیں ہیں۔

اوّل: تعیینِ اضافت ہے کہ حدود کی اضافت لفظ اللہ کی طرف اضافت الی الفاعل ہے

دُوم: اشارہ فرمایا کہ اَنْ یقیما بمعنی الاتیان لا بمعنی اللغوی الذی ھو الانتقال من المقصود الی الاستواء

قولہ من الحقوق بما حدّدہ کے ما کا بیان ہے۔

قولــه وفی قراءة بالبناء للمفعول (اور ایک قرارت میں یخافا مجہول صیغہ کے ساتھ ہے) بیان قرارت ہے خلاصہ یہ ہے کہ دو قراتیں ہیں ۱ معروف یخافا بنا للفاعل (۲) مجہول یُخافا بنا للمفعول

قولــه فان لایقیما بدل اشتمال من الضمیر فیه بیان ترکیب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یُخافا مجہول کا صیغہ ہو تو ان لایقیما یخافا کی ضمیر تثنیہ سے بدل الاشتمال بنے گا۔

قولــه وقرئ بالفوقانیة فی الفعلین (اور ایک قرارت میں یہ دونوں لفظ تخافا اور تقیما پڑھے گئے ہیں) بیان قرارت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دو قراتیں ہیں (۱) یخافا - یقیما (۲) تخافا - تقیما۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے قُرِئ کا لفظ نکال کر اس قرارت کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولــه نفسها (اپنی جان) افتدات کا مفعول بہ نکالا ہے یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولــه من المال (مال کے بدلہ میں) فیما افتدات کے ما کا بیان ہے۔

قولــه لیطلقها علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے فیما افتدات کی علت بیان کی ہے کہ فدیہ دینے کا مقصد طلاق ہے جو بشکل خلع ہوگی۔

قولــه ای لاحرج علی الزوج فی اخذہ ولا الزوجة فی بذلہ (یعنی شوہر اس کے قبول کرنے میں اور بیوی پر اس کے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے) علامہ سیوطی رح نے فلاجناح علیھما کا حاصل معنی بیان کیا ہے یعنی بیان حاصل معنٰی ہے۔

قولــه الاحکام المذکورة (مذکورہ احکام) بیان مشار الیہ ہے۔

قولــه الزوج (شوہر) بیان مرجع ہے۔

قولــه بعد الثنتین (دو طلاقوں کے بعد) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اقتضاء النص کے طور پر یہ کلمہ نکالا ہے تاکہ آیت کا مطلب واضح ہوجائے اور یہ ثنتین والی قید فان کے فا سے نکالی ہے۔

قولـــہ بعد الطلقۃ الثالثۃ (بعد تیسری طلاق کے) علامہ سیوطی رح نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ بعد مبنی علے الضم بحذف المضاف ہے کیونکہ کلمہ بعد کا مبنی علے الضم اس وقت ہوتا ہے، جب مضاف الیہ محذوف منوی ہو۔

قولـــہ تتزوج (شادی) علامہ سیوطی رح نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں تنکح عقد کے معنی میں نہیں بلکہ وطی کے معنے میں ہے چنانچہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہا۔ مقام ہذا پر نکاح بمعنے صحبت کے لیتے ہیں یعنی حلالہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت سے نکاح کے بعد ہمبستر ہو چکا ہو، صرف دوسرا نکاح کافی نہیں ہے۔ علامہ سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں اور وہ تنکح کے معنی متعارف نکاح لیتے ہیں لیکن ان کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مزید تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

قولـــہ یطأھا (وطی کرے) بیان ثبوت وطی ہے کہ نکاح وطی کے معنی میں ہے۔

ثانیًا فیہ رد علی من اقتصر علی العقد کابن المسیب لانہٗ یخالف الحدیث المشھور

قولـــہ کما فی الحدیث بیان قرینہ ہے کہ حلالہ کے لئے صرف نکاح ثانی کافی نہیں بلکہ وطی شرط ہے۔ چنانچہ تمیمۃ یا عائشہ بنت عبدالرحمن بن عتیک القرظی جو امرأۃ رفاعۃ القرظی کہلاتی ہیں، ان کی روایت میں ہے کہ وہ اپنے چچازاد بھائی رفاعہ بن وہب بن عتیک القرظی سے منسوب ہوئیں اور ان کو وہاں سے طلاق مل گئی۔ پھر حضرت عبدالرحمن بن الزبیر رض سے ان کی شادی ہوئی تو اُن سے علیحدگی کی درخواست کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا انما معہ مثل ھدبۃ الثوب یہ کنایہ تھا ان کے عنین ہونے کی طرف چنانچہ سُن کر آپ صلے اللہ علیہ وسلم مسکراتے اور ان کے دوبارہ رفاعہ سے ملنے کے ارادہ پر فرمایا کہ لاحتّٰی یذوق عسیلتک و تذوقی عسیلتہ رواہ الشیخان یہ حدیث مشہور ہے، اس لئے آیت پر زیادتی بالاتفاق جائز ہے علامہ

نیشاپوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تَنْكِحَ کے معنی یہاں وطی کے ہیں اور نکاح لفظ زوجاً سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اس لئے زیادتی علی الکتاب ماننے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی البتہ تَنْكِحَ کی اسناد عورت کی طرف تمکین زوج کی طرف مشیر ہے۔

قولہ ای الزوج الثانی (دوسرا شوہر بھی) بیان مرجع ہے۔

قولہ اَیِ الزَّوْجَۃ والزوج الاَوَّل (یعنی عورت اور شوہر اوّل) بیان مرجع ہے

قولہ اِلَی النِّکَاحِ (عدت کے بعد نکاح کرلیں) اس کی دو غرضیں ہیں:۔
اوّل صلہ ہے اَنْ یَّتَرَاجَعَا کا۔
دوم ما الیہ الرجوع کا بیان ہے۔

قولہ بعد انقضاءِ العِدَّۃ قرآن مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد رجوع ہے حالانکہ رجوع تکمیل عدت کے بعد ہے تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ اقتضاءُ النص کے طور پر نکالا۔ تاآنکہ مطلب درست ہوجاتے، اب مطلب یہ ہوگا کہ عورت کو شوہرِ ثانی طلاق دے اور عورت تکمیلِ عدت کرلے، بعدہٗ خاوندِ اوّل رجوع کرسکتا ہے خلاصہ یہ نکلا کہ رجوع مطلق نہیں بلکہ تکمیلِ عدت کے ساتھ مقید ہے۔

قولہ المذکورات بیان مشار الیہ ہے۔

قولہ یتدبرون (غور کرتے ہیں) اس کی دو غرضیں ہیں۔
اوّل اشارہ فرمایا کہ ذکرِ علم کا مراد تدبر ہے کیونکہ تدبر سبب بنتا ہے علم کا
دوم، علم سے تدبر مراد لینے کا مقصد یہ ہے کہ لیخرج عنه غیر المکلفین کالمجانین والصبیان

قولہ قاربن انقضاءِ عدتھن (یعنی ان کی عدت قریب الختم ہوجائے) بیضاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بلوغ کے معنی دخول و قرب دونوں کے آتے ہیں، یہاں دوسرے معنی (قرب) مراد ہیں، ورنہ عدت گزرنے کے بعد ظاہر ہے کہ امساک کی ضرورت نہیں ہے اس لئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دیتے ہوئے بلوغ بمعنی قرب کے کیا ہے یعنی بلوغ کا مجازی معنی ہے، قرینہ فامسکوھن ہے۔

قولہ بان تراجعوھن (رجوع کرکے) بان کی باء تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اِمساک کی صورت بیان کی ہے، دوئم اشارہ فرمایا کہ امساک لغوی مراد نہیں (یعنی مکان میں بند کرنا) بلکہ شرعی امساک مراد ہے یعنی رجوع کرنا۔

قولہ مِن غیر ضرار (نقصان نہ پہنچاکر) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے معروف کا مقابل بیان کیا ہے۔

قولہ اترکوھن (ان کو چھوڑ دو) سرحوھن کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظِ آخر۔

قولہ حتّٰی تنقضی عدتھن (کہ اُن کی عدت گزر جائے) معروف کا حاصل معنٰی بیان کیا ہے کیونکہ معروف طریقہ بھی یہی ہے کہ عورت عدت پوری کر لے۔

قولہ بالرّجعۃ (رجعت کرکے) امساک شرعی کی طرف اشارہ کیا ہے یا عدم امساک کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ مفعول لہ بیان ترکیب ہے۔

قولہ علیھن (ان عورتوں پر) لِتَعْتَدُوْا کا صلہ نکالا ہے۔ لتعتدوا کی لام عاقبت کی ہے اور لام کا تعلق ضرار کے ساتھ ہے کیونکہ مقصد ضرر کی تقیید ہے یعنی جو امساک بارادہ ضرر ہو وہ ممنوع ہے اور جو بارادہ اصلاح ہو وہ مطلوب و مقصود ہے۔

قولہ بالالجاء الی الافتداء اَوِ التطلیق وتطویل الحبس (فدیہ پر مجبور کرکے یا طلاق دینے اور زیادہ روکنے پر مجبور کرکے) بالالجاء کی باء تصویر یہ ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے تعدّی کی صورت بیان کی ہے۔ فدیہ، طلاق، طویل حبس یہ ضرر کی مختلف صورتیں ہیں جو اس زمانہ میں مروج تھیں۔

قولہ بتعریضھا الی عذابِ اللہِ تعالٰی (خود کو اللہ تعالٰی کے عذاب پر پیش کرکے) اس کی دو غرضیں ہیں؛

اوّل بتعریضھا کی باء تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ظلم کی صورت

بیان کی ہے۔ دُوم : دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال کہ اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتے ہیں کہ فقد ظلم نفسہ حالانکہ اپنے نفس پر تو کوئی ظلم نہیں کرتا۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا ہے کہ ظلم سے مراد حقیقی ظلم نہیں بلکہ معنوی ظلم ہے۔ یعنی ذکر ظلم نفسہ کا ہے لیکن مُراد اپنے آپ کو ضرر اور زیادتی میں ملوث کرنا ہے۔ اسی کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے بتعریضہا سے بیان کررہے ہیں۔

قولہ مھزوابھا (مذاق نہ بناؤ) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ مصدر بمعنےٰ مفعول ہے اور ھزو غیر یقینی اور غیر پختہ ارادہ کو کہتے ہیں جو شخص کسی کام کا پختگی سے ارادہ نہ رکھتا ہو، اس کو کہا جاتا ہے انما انت ھازی یہاں اس حالت سے روک کر اس کی ضد کا حکم دینا ہے کہ احکام الٰہی کو یقین اور پختگی کے ساتھ تھامنا چاہیئے۔

قولہ بمخالفتھا (اُن کی مخالفت کرکے) اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّلؔ بمخالفتھا کی با تصویر یہ ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ھزو کی صورت بیان کی ہے۔ دُوم : دفعیہ سوال مُقدر ہے۔

سوال یہ ہے وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا والے قول کے مخاطب مومنین ہیں ولیس من شأنھم الھزو بآیاتِ اللہ

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ھزو سے مُراد مخالفت احکام اور ترکِ عمل ہے یعنی ذکر تو ھزو کا اور مُراد مخالفت احکام و ترک عمل ہے

قولہ بالاسلام (اسلام کی) بالاسلام کی با تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رح نے نعمت کی صُورت بیان کی ہے۔

سوال علامہ سیوطی رح نے نعمت کو اسلام کے ساتھ کیوں خاص کیا ہے ؟

جواب انما خصّ الاسلام بقرینۃ ما عطف علیہ وھو قولہ وما

انزل اور ما نزل اسلام ہی ہے

قولہ القرآن اشارہ فرمایا الکتاب کی الف لام عہد کی ہے اور کتاب سے مُراد صرف قرآن پاک ہے۔

قولہ ما فیہ من الاحکام جمہور کے نزدیک حکمت سے مُراد سنت ہے لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ احکام دینی مُراد لے رہے ہیں یعنی بیان تعیین حکمت ہے

قولہ بان تشکرُوھا (کہ شکر کرو) یعظکم انزل کے ضمیر سے حال ہے اور بان کی با تصویریہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ذکر نعمت کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ بالعمل بہ (عمل کرے) اس کی با تصویریہ ہے۔ شکر کی صورت بیان کی ہے۔

بقول شیخ جاجروی رَحِمَہُ القَوِی ذکرِ نعمت دو قسم ہے۔

اوّل ذکرِ نعمت لِسانی کہ منعم کا ذِکر زبان سے کرے جو بشکل شکر ہو جس کو بان تشکروھا سے بیان کیا ہے۔

دوّم ذکر نعمت قلبی کہ منعم کی محبت دل میں پیدا ہو جاتے۔ حتیٰ کہ اس کے تمامی احکامات کی تکمیل کرے اور اس کی مخالفت سے اپنے آپ کو بچائے، اس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے بالعمل سے بیان کیا ہے۔

قولہ لا یخفی علیہ شیٔ (کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے آیت کا حاصل معنٰے بیان کیا ہے۔ ثانیًا فلاسفہ کی تردید کر دی، فلاسفہ کے نزدیک ذات باری تعالےٰ کا علم کلیات پر محیط ہے نہ کہ جزئیات پر

بیان فوائد

آیت لا تتخذوا الخ میں حقیقتًا احکام الہٰیہ کے ساتھ	دین کے ساتھ استخفاف و استہزاء کا انجام

استہزاء مراد نہیں ہے کیونکہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ فسادِ عقیدہ کے ساتھ تب تو ظاہر ہی ہے لیکن صحتِ عقیدہ کے ساتھ بھی اگر ہو تب بھی کفر ہے کیونکہ دینِ متین کی تحقیر جو بنیادِ کفر ہے، دونوں صورتوں میں حاصل ہے بلکہ احکامِ الٰہیہ پر بے پرواہی کے ساتھ عمل نہ کرنا مراد ہے۔ مجازاً اسی کو استہزاء فرمایا گیا ہے اور بعض نے تفسیر کی ہے کہ طلاق وغیرہ الفاظ اگر کسی نے براہِ ہزل بھی کہہ دیئے تو اس مذاق سے بھی طلاق کے احکام واقعی ثابت ہو جائیں گے۔ ثلاث جدّهن جدٌّ وهزلهن جدّ الطلاق والعتاق والنكاح پھر ان کو احکامِ واقعی نہ سمجھنا اور عورت سے بدستور برتاؤ رکھنا باعثِ گناہ ہوگا۔

ہزل اور خطا کا فرق ہزل اور خطا میں یہ فرق ہے کہ ھزل میں لفظ کا ارادہ تو ہوتا ہے لیکن اس کے اثر اور معنے کا ارادہ نہیں ہوتا اور خطا میں لفظ ہی کا ارادہ نہیں ہوتا، کہنا چاہتا تھا کچھ اور مگر بے ساختہ نکل گیا طلاق کا لفظ، تو شریعت نے بعض احکام میں ھزل کا بھی اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ ارادۃً سے الفاظ نکل گئے تو انہی پر احکام جاری ہو جائیں گے خواہ تاثیر کی نیت ہو یا نہ ہو، البتہ طلاق خطاءً واقع نہیں ہوگی، کیونکہ الفاظ ارادتاً نہیں نکلے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ انقضت عدتهن فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ خطاب للأولياء اى لا تَمْنَعُوْهُنَّ من اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ المطلقين لهن لان سبب نُزُوْلِهَا ان اخت مَعْقَلَ بْنِ يَسَار طلقها زوجها فاراد ان يّراجعها فمنعها معقل كما رواه الحاكم اِذَا تَرَاضَوْا اى الازواج والنساء بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ

شرعا ذٰلِكَ النَّهي عن العضل يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ لانه المنتفع به ذٰلِكُمْ اى ترك العضل اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ لكم ولهم لما يخشى على الزوجين من الرِّيبَةِ بسبب العلاقة بينهما وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مافيه من المصلحة وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ذلك فاتبعوا امره

ترجمہ جب طلاق دے دو تم اپنی بیویوں کو، پھر وہ عورتیں اپنی عدّت پوری کرچکیں (انکی عدّت ختم ہوجاتے) تو تم ان کو مت روکو (یہ خطاب عورتوں کے اولیاء سے ہے یعنی اولیاء کو روکنے کا حق نہیں ہے) نکاح کرنے سے ان شوہروں کے ساتھ (جنھوں نے ان کو طلاق دی تھی چنانچہ سببِ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی، اس کے بعد شوہر نے رجعت کرنی چاہی تو معقل نے بہن کو روک دیا۔ رواہ الحاکم) جبکہ رضامندی ہو جاتے (شوہروں اور بیویوں کی) باہمی حسبِ دستور (شرعی) اس (ممانعت کی رکاوٹ سے) نصیحت کی جاتی ہے۔ اس شخص کو جو تم میں سے ایمان لاتے اللہ تعالےٰ پر اور قیامت کے روز پر (کیونکہ دراصل نفع حاصل کرنے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں) یہ (رکاوٹ دُور کردینا) تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے۔ (تمہارے اور اُن کے لئے سابقہ علاقہ کی وجہ سے اُن میں شبہ کا اندیشہ ہوسکنے کے باعث) اور اللہ تعالیٰ واقف ہیں (اس حکم کی مصلحت سے) اور تم نہیں جانتے ہو (یہ مصلحت اسلئے تعمیلِ حکم کرو)

بیانِ شانِ نزول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے معقل بن یسار کی روایت پیش کی ہے کہ اُنھوں نے اپنی بہن کی

شادی ایک شخص سے کی، انھوں نے اُن کو طلاق دے دی اور عدت گزرنے تک رجوع نہیں کیا حتی کہ پھر دوبارہ شادی کی طرف ایک دوسرے کا میلان ہوا تو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ مانع ہوتے۔ اس پر آیت نازل ہوئی تو حضرت معقل رضی اللہ عنہ کہنے لگے سمعاً لربی وطاعۃً اور اپنے بہنوئی کو بلا کر کہا اُزوجك وأُكرِمُكَ یعنی میں نے اپنی بہن سے نکاح کر کے تمہارا اکرام کیا مگر تم نے اس کی قدر نہ کی، بہر حال انھوں نے قسم کا کفارہ ادا کر کے دوبارہ ان کا نکاح کر دیا۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ انقضت عدتھن (اُن کی عدت ختم ہو جاتے) علامہ سیوطی رح نے اشارہ فرمایا کہ بُلوغ بمعنٰی انتہاء کے ہے۔ قرب کے معنیٰ میں نہیں ہے۔

ثانیاً اشارہ فرمایا کہ ان ھذا البلوغ یخالف البلوغ الاول فان الاول بمعنی القرب وھذا البلوغ فانہ یکون بمعنی تمام الاجلِ

قولہ خطاب للاولیاء تعیینِ مخاطبین ہے۔

یقول ابوالاسعاد یہاں تمام مفسرین کے نزدیک مخاطب اولیاء ہیں امام شافعیؒ اولیاء کی طرف نسبتِ عضل سے استدلال کرتے ہیں کہ عورتوں کا نکاح اجازتِ اولیاء پر موقوف ہونا چاہیئے لیکن حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ عضل شرعی ہو بلکہ حسّی عضل ظلماً بھی ہو سکتا ہے یا دھوکہ دہی کے طریقے پر اس لئے استدلال صحیح نہیں ہے، برخلاف اس کے تنکحن کی اسناد عورت کی طرف اس کے استقلال پر دلالت کرتی ہے۔

قولہ ای لا تمنعوھن (یعنی اولیاء کو روکنے کا حق نہیں ہے) عضل کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر۔

قولہ المطلقین (جنھوں نے اُن کو طلاق دی تھی) علامہ سیوطی رح

نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ازداج کی اضافت عہد کی ہے اس سے مُراد زوج قدیم ہے
قولہ لان سبب نُزُولها دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ پہلے زوج کی تخصیص کیوں ہے؟

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ یہ تخصیص باعتبارِ شانِ نزول کے ہے جس کی تفصیل بیان شانِ نزول میں گزرچکی ہے۔

ثانیاً یہ دلیل ہے کہ خطاب للاولیاء دُونَ الازواج

قولہ ای الازواج والنساءِ (شوہروں اور بیویوں کی) بیان مرجع ہے۔

قولہ شرعاً (شرعی) معروف کی تمیز بیان کی ہے، یعنی معروف اسلامی مُراد ہے، ملکی اور قومی معروف مُراد نہیں ہے۔

قولہ النھی عن العضل (ممانعت کی رکاوٹ سے) بیان مشار الیہ

قولہ لانہ المنتفع بہ (کیونکہ اصل نفع حاصل کرنے والے مؤمن ہی ہوتے ہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ قانون تو ہر ایک کے لئے ہے لیکن مومنین کی تخصیص کیوں کی ہے؟

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تخصیص باعتبار انتفاع کے ہے کیونکہ مؤمن کے دل میں شکر کا مادہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ذاتِ باری تعالٰے کے احکامات کما حقہٗ فائدہ مؤمن ہی اُٹھاتا ہے، اس لئے تخصیص بھی اس کی فرمادی یعنی مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ میں نفی عماعداء کی نہیں بلکہ انتفاع کی نفی ہے لیکن علامہ محمد نعیم صاحب دیوبندی مدظلہٗ نے ایک اور امکانی جواب کی طرف اشارہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں "اور ممکن ہے کہ کفار کے مُکلف بالفروع نہ ہونے کی طرف بھی اشارہ ہو" (کمالین جلد اوّل ج۱ ص۲۵۵)

قولہ ای ترك العضل (یہ رکاوٹ دُور کر دینا) بیان مشار الیہ ہے

قولہ لکُم (تمہارے) حاصل عطف نکالا ہے کیونکہ اطھر کا عطف

اَذْکیٰ پر ہے اصل عبارت یوں ہے اَذْکیٰ لکم و اَطْھَرُ لکم یعنی بیان حاصل عطف ہے۔

قولہ ولھم (اور اُن کے لئے) یہ کلمہ نکال کر علامہ سیوطی رحؒ نے اشارہ فرمایا کہ لکم والاخطاب حصر کے لئے نہیں بلکہ عام ہے یعنی اولیاء و ازواج دونوں مُراد ہیں۔

قولہ لِمَا یخشی عَلَی الزّوجین من الریبۃ بسبب العَلاقۃ بینھما۔ (ان میں شبہ کا اندیشہ ہو سکنے کے باعث کہ ان کے لئے سابقہ علاقہ کی وجہ سے) اس کی دو غرضیں ہیں۔

اوّل بعض حضرات کے نزدیک لِمَا یخشی الخ علت ہے فلا تعضلوھن اَن یَنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ تکمیل عدت کے بعد اگر زوج قدیم کی طرف نکاح کرنے کی خواہش رکھتیں ہیں تو تم رکاوٹ نہ بنو، کیونکہ سابقہ تعلق تو پہلے ہی سے قائم رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سابقہ تعلق کو بناء بنا کر کچھ لوگ غلط الزام لگا دیں یا خود قدیم زوجین کا زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ پیدا ہو جاتے۔

دوم لیکن کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ اَذْکیٰ و اَطْھَرُ کی علت ہے کہ ظاہری و باطنی صفائی اسی میں ہے کہ نکاح کرنے سے ان کو نہ روکو کیونکہ روکنے میں سابقہ تعلق کی وجہ سے الزام لگ سکتا ہے یا زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

یقولُ المُرتبِ لفظ الریبۃ ہو تو معنے تہمت اگر الزینۃ تو بمعنی زنا دونوں احتمال ہیں۔

قولہ مَا فِیْہِ مِنَ المَصْلِحَۃ (اس حکم کی مصلحت سے) اشارہ فرمایا کہ مفعول یعلم محذوف یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہ ذالک (یہ مصلحت) تعلمون کا مفعول نکالا ہے، یعنے بیان ترکیب ہے۔

قولہ فاتبعوا امرہ (اس لئے تعمیل حکم کرو) فاتبعوہ کی فا فصیحہ ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے آیت کا حاصل معنٰی بیان کیا ہے۔

بیانِ فوائد

تقاضائے دُور اندیشی

احکامِ الٰہیہ کی تعمیل اوّل تو عام طور پر باعثِ طہارتِ قلوب ہوتی ہے لیکن مرد و عورت کے میلان کے مصالح کو دیکھ کر دُور اندیشی نکاح سے نہ روکنے ہی میں ہے ورنہ فتنہ و فساد کا باعث ہوگا۔ رہا بے قاعدہ نکاح سو وہ درحقیقت نکاح ہی نہیں ہوا تو روکنا اس میں داخل نہیں ہے۔

بُرائی کا ذریعہ بھی بُرا ہے

آیت ولاتمسکوھُنَّ ضرارًا سے معلوم ہوا ہے کہ جو چیز مفضی الی المذموم ہو وہ بھی مذموم ہوتی ہے اور یہ ایک بہت بڑی اصل ہے اسی طرح آیت فلاتعضُلُوھُنّ سے معلوم ہوا کہ امرِ مباح سے منع کرنے میں تشدد نہیں کرنا چاہیئے بالخصوص جبکہ اس مباح میں کوئی مفسدہ نہ ہو اور اخص خصوص جبکہ اسکے ترک میں کوئی مفسدہ نہ ہو۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اى ليرضعن اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ عامين كَامِلَيْنِ صفة مؤكدة ذالك لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ولا زيادة عليه وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَه اى الاب رِزْقُهُنَّ اطعام الوالدات وَكِسْوَتُهُنَّ على الارضاع اذا كن مطلقت بِالْمَعْرُوْفِ بقدر طاقته لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا طاقتها لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا بسببه بان تكره على ارضاعه اذا امتنعت وَلَا يضار مَوْلُوْدٌ لَّه بِوَلَدِهٖ اى بسببه

بان یتکلف فوق طاقتہ واضافۃ الولد الی کل منھما فی الموضعین للاستعطا ف وَعَلَى الْوَارِثِ ای وارث الاب وھو الصبی ای علی ولیہ فی مالہ مِثْلُ ذٰلِكَ الذی علی الاب للوالدۃ من الرزق والکسوۃ فان اَرَادَا ای الوالدان فِصَالًا فطاما لہ قبل الحولین صادرًا عَنْ تَرَاضٍ اتفاق مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ بینھما لیظھر مصلحۃ الصبی فیہ فَلَا جُنَاحَ عليهما فی ذالک وَاِنْ اَرَدْتُّمْ خطاب للاٰباء اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مراضع غیر الوالدات فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فیہ اِذَا سَلَّمْتُمْ الیھن مَّآ اٰتَيْتُمْ ای اردتم ایتاءہ لھن من الاجرۃ بِالْمَعْرُوْفِ بالجمیل کطیب النفس وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ لا یخفی علیہ شیء منہ

ترجمہ اور مائیں دودھ پلائیں گی (ان کو دودھ پلانا چاہیے) اپنے بچوں کو دو سال پورے (کاملین صفت مؤکدہ ہے) اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اس کے ذمہ ہے ان کا (دونوں کا) کھانا اور اُن کا کپڑا دودھ پلانے کی وجہ

سے بشرطیکہ مائیں مطلقہ ہوگئی ہوں) ضابطہ کے مطابق (باپ کی طاقت کے مطابق) کسی کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت (طاقت) کے مطابق کسی ماں کو تکلیف نہیں دینی چاہیئے، اس کے بچہ کی وجہ سے (بچہ کے سبب دودھ پلانے پر مجبور کرکے جبکہ وہ نہیں پلانا چاہتی) اور نہ (نقصان پہنچانا چاہیئے) باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے (بچہ کے سبب باپ کی طاقت سے زیادہ بار ڈال کر اور دونوں جگہ بچہ کی اضافت ماں کیطرف شفقت مائل کرنے کے لئے ہے) اور وارث کے ذمہ ہے (یعنی باپ کے وارث پر ہے، مراد بچہ ہے یعنی بچہ کے ولی پر اس کے مال میں ہے) مثل مذکورہ طریقہ کے (بچہ کی والدہ کا کھانا کپڑا جو بچہ کے باپ کے ذمہ تھا) اگر دونوں (والدین) دودھ چھڑانا چاہیں (دو سال سے پہلے دودھ چھڑانا چاہیں اور یہ بات طے رضامندی (اتفاق) باہمی اور دونوں کے مشورہ سے ہوجاتے (کہ جس میں بچہ کی مصلحت کھلی ہوئی ہو) تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے (اس بارے میں) اگر تم لوگ (باپ کو خطاب ہے) دودھ پلوانا چاہو اپنے بچوں کو (والدہ کے علاوہ کسی دوسری انّا کا) تب بھی تم پر کوئی گناہ (اس میں) نہیں ہے بشرطیکہ حوالے کردو (ان دودھ پلانے والیوں کے) جو کچھ ان کو دینا چاہتے ہو (یعنے جو کچھ اجرت ان کو دینی ٹھہری ہو) دستور کے مطابق (خوش اسلوبی مثلاً خوش دلی سے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس سے بے خبر نہ رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے رہتے ہیں (کوئی بات اُن سے پوشیدہ نہیں رہتی ہے)۔

بیان ربط سابقہ حکموں کے بیان کی طرح یہاں بھی تیسواں[۳۰] حکم رضاعت بیان کیا جارہا ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہ ای لئیر ضعن (ان کو دودھ پلانا چاہیئے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ وَالْوَالِدَاتُ مبتدا۔ اور یُرضعن مضارع خبر ہے معنے

ہوگا۔ وَالِدَاتُ دودھ پلاتی ہیں کیونکہ خبر والا معنیٰ کریں گے۔ حالانکہ کَثِیْرٌ مِّنَ الْوَالِدَاتِ لَا یُرْضِعْنَ

جواب تو علامہ سیوطی رحہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یُرْضِعْنَ لفظاً خبر معنًا انشاء ہے معنیٰ ہوگا کہ ان کو دودھ پلانا چاہیئے۔

یَقُوْلُ اَبُوْالْاِسْعَادِ یہ خبر بمعنٰی امر ہے۔ امر بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں مستحب چنانچہ ماں کے علاوہ کوئی آنا موجود ہو (۲) اور باپ کو آنا رکھنے کی طاقت ہو (۳) اور بچہ آنا کا دودھ قبول کرلے تو ان تین شرطوں کے ساتھ آنا رکھنے کا حکم استحبابی ہوگا، ورنہ ماں کے لئے دودھ پلانا واجب ہے۔

قولہ عامین حولین کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

ثانیًا اشارہ فرمایا کہ اِنَّ الْحَوْلَ بِمَعْنَی الْاِصْطِلَاحِی لَا بِمَعْنَی اللُّغْوِی وھو النقل

قولہ صفۃ مؤکدۃ (کاملین صفت مؤکدہ ہے حولین کی) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل بیان ترکیب ہے۔ یقول ابوالاسعاد، صفت مؤکدہ بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حَوْلَیْن کہنے میں چونکہ مجاز کا احتمال تھا کہ بعض دفعہ بطور تسامح حَوْلَیْن کہہ دیا جاتا ہے یعنی اکثریت پر کل کا حکم لگا دیتے ہیں جیسے اقمت عند فلان حولین ولم یستکملھما میں توسع ہے تو اسلئے بطور تاکید حولین کے ساتھ کاملین کا لفظ لایا گیا۔ تاکہ مجاز کا احتمال نہ ہے۔ صاحبین اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک شیرخواری کی مدت دو سال ہے اور امام اعظم رحہ کے نزدیک ڈھائی سال ہے

دوّم دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ حولین اسمائے اعداد میں سے ہے اور اسم العدد اپنے مدلول میں خاص ہوتے ہیں لا یحتمل الزیادۃ والنقصان فلا حاجۃ الی قولہ کاملین۔

جواب ان الخصوص لا ینافی التسامح لانّ التسامح ان تجعل الشئ من ابعاض الاٰحاد منزلًا منزلۃ الواحدۃ ومعنی الخصوص انّہٗ لایطلق العشرۃ مثلًا علی التسعۃ او احد عشر مثلًا

قولہ ذالک اشارۃ الی انّ قولہ لمن اراد خبر مبتداء محذوف یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہ ولا زیادۃ علیہ (اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے) بیان مفہوم مخالف ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ چونکہ شافعیُ المسلک ہیں اس لئے اپنے مسلک کی تائید کرتے ہوئے مفہوم مخالف بیان کیا ہے۔

قولہ ای الاب (یعنی باپ) اس کی دو غرضیں ہیں :۔

اوّل تعیین ہے مولود لہ کی کہ مولود لہٗ سے مُراد والد ہے۔

دوم اشارہ فرمایا کہ انّ اللام فی المولود بمعنی الذی فمعناہ الذی یولد لہ یعنی الوالد فان الولد یولد لہ وینسب الیہ۔

قولہ اطعام (کھانا) اس کی دو غرضیں ہیں :۔

اوّل رزقھن کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

دوم دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ تمام انسانوں کے رازق اللہ جلّ شانہٗ ہیں اور وہی رزق عطا فرماتے ہیں جب کہ مقام ہٰذا پر رزق کی نسبت باپ کی طرف ہے۔

جواب یہ ہے کہ رزق کی نسبت باپ کی طرف مجازاً ہے۔ مُراد اس سے نان نفقہ ہے یعنی رزق عُرفی مُراد ہے۔

قولہ الوالدات رزقھن کا مرجع بیان کیا ہے

قولہ علی الارضاع (دودھ پلانے کی وجہ سے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ عام رزق وکسوۃ مُراد نہیں بلکہ دودھ پلانے کی وجہ سے رزق وکسوہ مُراد ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کو بیان سبب رزق کہتے ہیں۔

قولہ اذا کن مطلقات (بشرطیکہ مائیں مطلقہ ہوگئیں ہوں) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اقتضاء النص کے طور پر یہ عبارت نکالی ہے تاآنکہ مطلب واضح ہو جائے کیونکہ عام عورت کا یہ حکم نہیں ہے یعنی مرضعہ اگر بیوی یا معتدہ ہو تو اُجرت واجب نہیں ہے بلکہ امام صاحب کے نزدیک بحیثیت دودھ کے اُجرت جائز نہیں ہوگی، البتہ بیوی ہونے کی جہت سے نان نفقہ ہوگا۔

قولہ بقدر طاقتہ (باپ کی طاقت کے مطابق) تعیین معروف ہے اور لا یکلّف اس کا قرینہ ہے۔

قولہ طاقتہا (طاقت) وسعہا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظٍ آخر۔

قولہ بسببہ (بچہ کے سبب) اشارۃٌ اِلیٰ ان الباء للسببیۃ ولیست صلۃ تضارّ کما قیل

قولہ بان تکرہ علی ارضاعہ اذا امتنعت (دودھ پلانے پر مجبور کرکے جبکہ وہ نہیں پلانا چاہتی) بِاَن کی با تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے تضارّ کی صورت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف میں ڈالنا جائز نہیں ہے مثلاً ماں دودھ پلانے سے معذور ہو اور باپ اس پر یہ سمجھ کر زبردستی کرے کہ آخر اس کا بھی تو بچہ ہے، یہ مجبور ہوگی اور پلائے گی۔

قولہ یضارّ (نقصان پہنچانا چاہے) بیان حاصل عطف ہے۔

قولہ بسببہ فدمّرالآن

قولہ بان یکلّف فوق طاقتہ (باپ کی طاقت سے زیادہ بار ڈال کر) بِاَن کی با تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مَولُودٌ لَہٗ یعنی باپ کے یضارّ کی صورت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ باپ کو اسکے بچے کی وجہ سے تکلیف میں ڈالنا جائز نہیں کہ باپ مفلس ہے اور ماں کو کوئی معذوری بھی نہیں لیکن دودھ پلانے سے اس لئے انکار کرے کہ اس کا بھی تو بچہ ہے۔ جھک کر کسی سے پلو لے گا۔

قولــہ و اضافة الولد الى كلّ منهما في الموضعين للاستعطاف اور دونوں جگہ بچہ کی اضافت ماں کیطرف اور باپ شفقت مائل کرنے کے لئے ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ دونوں مقام پر وعلى المولود لہ اور لا تضارّ والدة بولدها میں بچہ کی طرف اضافت نسبت کیوں ہے؟

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا، دونوں مقام پر نسبت کرنے کا مقصد شفقت و محبت ہے۔

قولــہ اى وارث الاب (یعنے باپ کے وارث پر ہے) علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ الوارث کی الف لام عوض مضاف الیہ محذوف کے ہے اور اس کا عطف علی المولود پر ہے اى على وارثِ الأب مراد اس سے بچہ ہے۔

قولــہ وهو الصبى تعيين وارث ہے یعنی بچہ مراد ہے کیونکہ باپ کا وارث بچہ ہوتا ہے۔

قولــہ اى على وليه فى ماله (یعنی بچہ کے ولی پر اس کے مال میں ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ بچہ تو غیر بالغ ہے اس پر اجرت کیسے واجب ہوگی؟

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ بچے کے ولی مراد ہیں جو اس کے امور کے متولی ہیں۔ وہ نفقہ ادا کریں، خلاصہ یہ ہے کہ اگر باپ مر جاتے تو دودھ پلانے والی کی اجرت باپ کے ولی یعنے بچہ پر ہوگی جس تفصیل سے باپ پر تھی، اگر بچہ کے پاس مال ہے امام شافعی رحمۃ اللہ اور امام مالکؒ کا قول یہی ہے۔ ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بچہ مال دار نہیں ہے تو پھر ماں پر ہے اور بعض نے بچہ کا وارث بلحاظ میراث رشتہ دار مرد و عورت کو قرار دیا ہے خواہ بچہ ان کا وارث نہ ہوتا ہو لیکن بچہ کے مال کی میراث ان کو پہنچتی ہو اور حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد ذی رحم محرم قرابت دار ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس کی مؤید ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک فقیر ذی رحم پر بھی بقدر حق میراث نفقہ بچہ کا واجب ہوگا۔

قولہ الذی علی الأب (جو بچہ کے باپ کے ذمہ تھا) بیان مشار الیہ ہے۔

قولہ للوالدۃ (بچہ کی والدہ) بیان من لہ الحق

قولہ من الرزق والکسوۃ (کھانا کپڑا) بیان تعیین موصول الذی ہے کہ اس سے مراد کھانا اور کپڑا وغیرہ ہے۔

قولہ ای الوالدان (والدین) بیان مرجع ہے۔

قولہ فطاماً لہ (دودھ چھڑانا چاہیں) فصالاً کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ قبل الحولین (دو سال سے پہلے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تراضٍ اور تشاورٍ کا تعلق قبل الحولین ہے نہ کہ بعد میں کیونکہ رضا و اتفاق والدین مدت رضاعت کی تکمیل سے پہلے ہونا چاہیئے۔ بعد میں تو اتفاق و مشورہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

قولہ صادراً (ہو جاتے) علامہ سیوطی رحہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ صادراً صفت ہے فصالاً کی۔

ثانیاً متعلق ہے عن تراضٍ کا یعنی بیان صفت بھی ہے اور بیان متعلق عن تراضٍ بھی ہے۔

قولہ اتفاق (اتفاق) تراضٍ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر لیکن صحیح یہ ہے کہ اتفاق تراضٍ کے لئے تفسیر باللازم ہے کیونکہ باہمی رضامندی کے لئے اتفاق لازم ہے۔

قولہ بینہما تشاورٍ کا صلہ نکالا ہے۔

قولہ لیظہر مصلحۃ الصبی فیہ (کہ جس میں بچہ کی مصلحت کھلی ہوئی ہو) تشاور کی علت بیان کی ہے کہ مشورہ کے اندر بچہ کے مصالح کی رعایت ہو

جانبین میں سے کسی کی ذاتی غرض مقصود نہ ہو۔

قولہ فی ذالك محل جُناح بیان کیا ہے اور اس کا مشارالیہ فصال ہے۔

قولہ خطاب للآباء (باپ کو خطاب ہے) تعیین مخاطبین ہے یعنی ای الآباء والامّہات جمیعًا۔

قولہ مراضع غیر الوالدات (والدہ کے علاوہ کسی دوسری دودھ پلانے والی کا) بیان حاصل معنٰی ہے اَنْ تسترضعوا اَولادکم کا باقی ترکیب کے لحاظ سے دو قول ہیں

اوّل: بحذف مفعولُ الاوّل ای المراضع اَولادکم یعنی مراضع مفعول اوّل اور اولادکم مفعول ثانی مقدّم ہے کیونکہ فعل جب متعدّی بیک مفعول ہو۔ اور سین تاء طلب یا نسبت کا اس میں اضافہ کردیا جائے تو متعدّی بدو مفعول ہوجائے گا اور علامہ زمخشری رح کی رائے یہی ہے دوم لیکن جمہور حرفِ جر کے ذریعے مفعولِ ثانی کی طرف متعدّی مانتے ہیں۔ ای لاولادکم۔

قولہ فیہ بیان محل جناح ہے۔

قولہ الیھن (ان دودھ پلانے والیوں کے)

سَلَّمتم کا صلہ نکالا ہے یعنی بیان صلہ ہے اور سلمتم والاحکم صحت اجارہ کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ اکلیت کا بیان ہے کیونکہ پیشگی دنیا باعث خوشنودی ہوتا ہے۔

قولہ ای اَرَدتم ایتاءَہٗ لھن (ارادہ کرچکے ہو ان کے لئے دینے کا) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال بظاہر قرآن مقدس کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تے چکے ہو وہ سونپ دو، دینے کے بعد پھر سونپ دینا کیسے صحیح ہے یعنی سَلَّمتُم کے بعد ما اٰتیتُم کیسے صحیح ہے۔

جواب علامہ سیوطی نے فرمایا کہ اٰتیتُم بمعنٰی اَرَدتُم مجازی معنٰی کے اندر ہے۔

قولــه مِنَ الأُجْرَةِ (اُجرت سے) یہ مَا اٰتَیْتُمْ کے مَا کا بیان ہے

قولــه بالجمیل (خوش اُسلوبی) بالمعرُوفِ سَلَّمتم کے متعلق ہے اس کی با تصویر یہ ہے، مَعروف کی صُورت بیان کی ہے۔

قولــه کطیب النّفس (مثلاً خوش دلی سے) اس کی دو غرضیں ہیں
اوّل جمیل کی تفسیر بیان کی ہے
دوّم بیان مثال جمیل ؎ مزدُور خوش دل کنند کار بیش

قولــه لایخفیٰ علیه شیٔ بیان حاصل معنٰے ہے۔ قدامر تحقیقهٗ

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ یموتون مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ یترکون اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ ای لیتربصن بِاَنْفُسِهِنَّ بعد هم عن النّکاح اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا من اللّیالی وهٰذا فی غیر الحوامل اما الحوامل فعدّتهن ان یضعن حملهنّ بایة الطّلاق والامة علی لنّصف من ذٰلک بالسنة فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ انقضت مدة تربصهنّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ ایها الأولیاء فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْ اَنْفُسِهِنَّ من التزیّن والتعرّض للخطّاب بِالْمَعْرُوْفِ شرعًا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ عالم بباطنه کظاهره وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ لوحتم بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ

النِّسَآءِ المتوفى عنهن ازواجهن فى العدّة كقول الانسان
مثلًا انّكِ لجميلة ومن يجد مثلك ورب راغب
فيك اَوْ اَكْنَنْتُمْ اضمرتم فِىٓ اَنْفُسِكُمْ من قصد
نكاحهنّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ بالخطبة ولا
تصبرون عنهنّ فاباح لكم التعريض وَلٰكِنْ لَّا
تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اى نكاحًا اِلَّآ لكن اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا
مَّعْرُوْفًا اى ما عرف شرعًا مِّن التَّعْرِيض فلكم ذالك
وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ اى على عقده حَتّٰى
يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اى المكتوب من العدّة اَجَلَهٗ
بان ينتهى وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ من
العزم وغيره فَاحْذَرُوْهُ ان يعاقبكم اذا عزمتم وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لمن يحذره حَلِيْمٌ ع بتاخير العقوبة
عن مستحقها

ع ١٤

ترجمہ

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں (مر جاتے ہیں) تم سے اور چھوڑ جاتے ہیں اپنی بیویوں کو تو وہ انتظار کریں گی (یعنی ان کو رکنا چاہیئے) خود کو (شوہروں کے بعد نکاح کرنے سے) چار مہینے دس دن (مع راتوں کے یہ عدت غیر

حاملہ کی ہے لیکن حاملہ کی وضع حمل ہوگی۔ آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ کی وجہ سے اور باندی کی مدّت اس سے نصف ہوگی، یہ سنّت سے ثابت ہے۔ پھر جب اپنی میعاد ختم کرلیں (اُن کے انتظار کی مُدّت ختم ہو جائے) تو تم کو بھی کچھ گناہ نہ ہوگا (مُراد عورت کے ورثاء ہیں) ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی کرلیں (آرائش یا شادی کی بات چیت) قاعدہ کے مطابق (شرعی طریقے پر) اور اللہ تعالےٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہیں (ظاہر اور باطن کے جاننے والے ہیں) اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر کوئی بات اشارتًا (کنایۃً) کہو، ان عورتوں سے پیغامِ نکاح کے بارے میں (جن کے شوہر وں کا انتقال ہوچکا ہے در آنحالیکہ یہ اشارہ عدّت کے اندر ہی ہو مثلاً) کوئی شخص کہنے لگے ا۔

(۱) اِنَّكِ جَمِيلَةٌ تو بڑی خوب صُورت ہے)

(۲) من يجد مثلك (تجھ جیسی عورت کس کو دستیاب ہوسکتی ہے)

(۳) وَرُبَّ راغب فيكِ (اور تیرے خواہاں بہت ہیں)

یا پوشیدہ (چھپا ہوا ارادہ رکھو) اپنے دل میں (ان نکاح کے بارے میں) اللہ تعالےٰ اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے (پیغام کے ذریعے اور تم صبر نہیں کرسکو گے اس لئے تم کو تعریض کی اجازت دے دی) لیکن اُن سے نکاح کا وعدہ بھی نہ کرو (سِرًّا سے مُراد نکاح ہے) اِلّا یہ کہ کوئی بات قاعدہ کے موافق کہو (یعنی تعریض وغیرہ کی جو شرعی اجازت دی گئی ہے وہ تم کو بھی حاصل ہے) اور تم نکاح کی وابستگی کا ارادہ بھی نہ کرو (یعنی عقدِ نکاح ہوجانے کا) یہاں تک کہ عدّت مقررہ (مفروضہ عدّت) اپنے اختتام کو پہنچ جاتے (یعنی ختم ہوجاتے) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالےٰ کو تمہاری دلی باتوں (عزم وغیرہ) کا پتہ ہے اس لئے اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو (کہ تمہارے عزم پر وہ تم کو سزا نہ دیدیں) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالےٰ (اپنے سے ڈرنے والے کی) مغفرت فرمانے والے ہیں، بردبار ہیں (کہ باوجود استحقاق کے تاخیر عذاب فرمادیتے ہیں۔)

بیان ربط ان دو آیات میں اکتیسواں[۳۱] حکم زوج کی عدّتِ وفات کا اور بتیسواں[۳۲] حکم عدّت کی حالت میں پیغامِ نکاح سے متعلق ہے۔

بیان اغراضِ جلالین

قولہ یَمُوْتُوْنَ (مر جاتے ہیں) علامہ سیوطی رحہ نے یتوفون کا حاصل معنی بیان کیا ہے قرینہ کے اعتبار سے قرینہ آگے لفظ وَیَذَرُوْنَ ہے کیونکہ توفی کا حقیقی معنی موت نہیں ہے بلکہ اخذ الشیٔ وافیًا کسی شے کا پورا پورا لینا۔ کما فی قولہ تعالیٰ: کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

ثانیًا یُتَوَفَّوْنَ مجہول ہے اور یموتون معلوم ہے۔ مجہول کی تفسیر معلوم سے کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ یتوفون مجہول لفظ کی تفسیر مجہول ہی صیغہ تقبض ارواحھم کے ساتھ ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔

قولہ یترکون یذرون کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ ای لیتربصن اشارہ فرمایا کہ انّ الاخبار بمعنی الامر قد مر تحقیقہ فی تفسیر قولہ تعالیٰ وَالمطلقٰت یتربصن الخ

قولہ بعد ھم بیان زمانِ تربص

قولہ عن النکاح اس کی دو غرضیں ہیں:

اوّل: بیان صلہ تربص ہے۔ دوّم مامنہُ التربص کا بیان ہے۔

قولہ منَ اللیالی (مع راتوں کے) اس کی دو غرضیں ہیں:

اوّل اشارہ فرمایا کہ عدد کے اندر رات بھی داخل ہے چنانچہ اسلامی تاریخ رات سے شروع ہوتی ہے، دن رات کے تابع ہوتا ہے۔

دوّم علامہ سیوطی رحمہُ اللہ نے مِنَ اللیالی سے عدد کی تانیث کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن صاحبِ رُوحُ المعانی علامہ آلوسی رحہ کی رائے یہ ہے کہ تذکیر و تانیث کا قاعدہ معدود کے ذکر کے وقت ہوتا ہے اور اگر معدود محذوف ہو تو مطلقًا دونوں طریقے جائز ہیں۔

قولہ وھٰذا فی غیر الحوامل (یہ عدّت غیر حاملہ کی ہے) دفعیہ سوال مقدر۔

سوال یہ ہے کہ اربعة اشھرٍ وعشرًا کے اندر عموم ہے اور انّ عمومُ اللفظ

يقتضى تساوي الحامل وغيرها.

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہ حکم حاملہ عورتوں کا نہیں۔ حاملہ عورتوں کا حکم وضع حمل ہے یعنی ان کی عدت وضع حمل تک ہے۔ جیسے کہ سورۃ الطلاق پ۲۸ میں آیت مبارک ہے۔ واولاتُ الاحمالِ اجلهن اَنْ يَضعن حملهن ۱۲

قولہ والامة على النصف من ذالك (اور باندی کی مدت اس سے نصف ہوگی) بالجر اس کا عطف حوامل پر ہے کہ جس طرح اربعة اشهر وعشرا سے حاملہ مستثنیٰ ہے، اسی طرح باندی بھی مستثنیٰ ہے اور اس کی مدتِ عدت دو مہینے پانچ روز اور یہی حکم نابالغ زوج کی بیوی اور نابالغہ بیوی کا ہوگا، مزید تفصیل آیت والمطلقات يتربصن بانفسهنّ ثلاثة قروءٍ میں گزر چکی ہے۔

قولہ بالسنة (یہ سنّت سے ثابت ہے) بیان قرینہ ہے اور سنت سے مراد حدیث پاک ہے جو کہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے۔ طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتانِ

قولہ انقضت مدة تربصهن (اُن کے انتظار کی مدت ختم ہو جائے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ بلوغ بمعنے انتہاء ہے یعنی تعیین احدُ المعانی ہے قد مرّ تحقیقه نیز مدات تربص کا لفظ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اضافت عہدی ہے، انتظار کی مدت مُراد ہے۔

قولہ ايها الاولياء (مُراد عورت کے ورثا ہیں) تعیین مخاطبین ہے کہ خطاب اولیاء کو ہے ازواج کو نہیں لانقطاع ولايتهم بانقضاءِ العدّةِ۔

قولہ من التزين والتعرّضِ للخطاب (آرائش یا شادی کی بات پیغام نکاح دینے والوں کے لئے) یہ فیما کے مَا کا بیان ہے۔

قولہ شرعًا (شرعی طریقے پر) اشارہ فرمایا کہ معروف شرعی ہے جو مقابل منکر ہے نہ کہ ملکی وعرفی۔

قولہ عالمٌ بباطنہ کظاھرہٖ (ظاہر و باطن کے جاننے والے ہیں) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل آیت کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔ دوّم باطن کی قید دفع تکرار کے لئے لگائی ہے بعد قولہ ان اللہ بما تعملون بصیر یعنی ای بباطن ما تعملون اور بصیر ظاہر کے ساتھ ہے۔

قولہ لوّحتم (کنایۃً) عرضتم کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر بعض حضرات کے نزدیک عرّضتم کا لغوی معنیٰ بیان کیا ہے

اور تعریض اہلِ بیان کے نزدیک یہ کہلاتی ہے کہ لفظ حقیقی یا مجازی یا کنائی کے ذکر سے فی الجملہ ایک چیز مقصود ہو لیکن اس کی دلالت غیر مذکور چیز پر بھی ہو جائے تعریض اور کنایہ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے۔

قولہ المتوفی عنھُنّ ازواجھنّ (جن کے شوہروں کا انتقال ہو چکا ہے) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ النساء کی الف لام عہد کی ہے۔ اس سے خاص وہ عورتیں مُراد ہیں جن کے خاوند فوت ہو چکے ہیں۔

قولہ فی العدّۃ (اور یہ اشارہ عدّت کے اندر ہو) بیان زمانہ تعریض ہے کہ اشارۃً وکنایۃً پیغام نکاح عدّت کے اندر بھیج سکتے ہو لاَن بعد العدّۃ التزوج ایضاً جائز

قولہ کقول الانسان (مثلاً کوئی شخص کہنے لگے) بیان مثال تعریض یا بیان جزی تعریض ہے۔

قولہ اضمرتم (چھپا ہوا ارادہ رکھو) اکننتُمْ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ من قصد نکاحھنّ (ان کے نکاح کے بارے میں) بیان اکننتم ہے کہ دوبارہ ان سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے اور اس کو چھپا کے رکھا ہو کسی مصلحت کے تحت تو یہ بھی جائز ہے۔

قولہ بالخطبۃ (پیغام کے ذریعے) اس کی بات تصویر یہ ہے علامہ سیوطی رح

نے ذکر کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ ولا تصبرن عنھن (اور تم صبر نہیں کرسکو گے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل بیانِ نتیجہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کو علم تھا کہ تم پیغام نکاح والے مسئلہ میں صبر نہیں کرسکو گے۔ دوّم بعض حضرات کے نزدیک بیان نتیجہ ولا تصبرون نہیں بلکہ فَاَبَاحَ سے شروع ہے اور ولا تصبرون اور تذکرون یہ دونوں محل علم ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم بے صبری میں اگر پیغام نکاح بھیج دو گے، اس لئے اس پر مواخذہ کا حکم نہیں لگایا، بلکہ اس کو مباح کردیا۔

قولہ فاباحَ التعریض (اس لئے تم کو تعریض کی اجازت دیدی) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل، بیان نتیجہ ہے یعنی عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ سَتَذْکُرُوْنَھُنَّ کا نتیجہ ہے۔ دوّم عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ سَتَذْکُرُوْنَھُنَّ کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے یعنی ذکر علم مُراد اباحت تعریض ہے۔

قولہ ای نکاحًا (سِرًّا سے مُراد نکاح ہے) اس کی غرض میں تین قول ہیں۔ اوّل بیان مفعول ثانی ہے یعنی سِرًّا الا تواعدوھن کا مفعول اوّل ہے اور نکاحًا مفعول ثانی ہے گویا یہ بیانِ ترکیب ہے۔

دوّم علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے نکاحًا کا کلمہ نکال کر اشارہ فرمادیا کہ یہ مجاز علی المجاز ہے اس لئے کہ سِرًّا جہرًا کے مقابلے میں آتا ہے اور مُراد وطی ہے کیونکہ وہ سِرًّا ہوتی ہے اور پھر اس کو عقد نکاح کے معنیٰ میں لیا گیا ہے اس لئے یہ مجاز علی المجاز ہوگا۔

سوّم جس کو علامہ صاحبؒ رُوح نے اختیار کیا ہے کہ نکاحًا کا کلمہ نکال کر علامہ سیوطیؒ نے اشارہ کیا ہے۔ الی ضعف مَن فسّر بالجماع لانّ الجماع انما یتحقق بعد النکاح فما معنٰی وعدہٗ قبل النکاح یعنی قول ثانی کی تردید کررہے ہیں جس میں سِرًّا سے مُراد وطی ہے لیکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے نکاح (وطی) والے قول کو ترجیح دی ہے۔

قولہ لکن علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لکن کے معنیٰ میں لے کر اشارہ فرمایا، کہ الّا سے استثنیٰ منقطع ہے متصل نہیں کیونکہ مستثنیٰ منہ تصریح ہے اور قول معروف

یعنی مستثنیٰ تعریض ہے لہٰذا جنس بدل گئی تو اصل یوں بنے گی الا ای تواعدا وھن سرًّا مواعدۃ الا معروفۃ

قولہ ای ماعرف شرعًا اشارہ فرمایا کہ عرف شرعی مراد ہے نہ کہ عرف عرفی وملکی۔

قولہ من التعریض ماعرف کے ما کا بیان ہے۔

قولہ فلکم ذالک علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لکن کی خبر مقدر کی ہے کیونکہ لکن سے استثناء منقطع ہے اور مستثنیٰ منقطع کے بعد خبر مقدر کرنی ہوتی ہے اور اس پر فاء کا ہونا بھی ضروری ہے اسلئے علامہ سیوطی رح نے یہ جملہ مقدر کیا ہے۔

قولہ ای علی عقدہ (یعنی عقد نکاح ہو جانے کا) علامہ سیوطی رح نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ عقدۃ منصوب بنزع الخافض ہے اور عقدۃ النساء میں اضافت بیانیہ ہے۔

قولہ المکتوب اشارہ فرمایا کہ ان الکتاب بمعنی المفعول و ھوالمکتوب کیونکہ عدت پر کتاب کا حمل درست نہیں ہے۔

قولہ من العدۃ (عدت معینہ) بیان مکتوب ہے اور عدت کو مکتوب کہنا بایں معنے ہے کہ عدت کے لکھنے کا حکم ہے تاآنکہ بعد میں زوجین کے درمیان مقدار عدت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔

قولہ بان ینتھی (یعنے ختم ہو جاتے) بان کی با تصویر یہ ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اجل کی صورت بیان کی ہے یعنی اشارہ فرمایا کہ بلوغ الاجل بمعنے انقضاء العدۃ ہے لا بمعنی الوصول الی العدۃ کیونکہ قبل از انقضاء عدت لایجوز العزم علی عقدۃ النکاح۔

قولہ من العزم وغیرہ (عزم وغیرہ کا) مافی انفسکم کے ما کا بیان ہے۔

قولہ ان یعاقبکم (سزا نہ دیں) حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اصل عبارت تھی۔ ای احذروا اللہ ای عقابہ اذا عزمتم علی عقد النکاح فی

العداۃ کیونکہ عدت کے اندر عقد کرنا معصیت ہے اور معصیت پر عزم کرنا خود معصیت ہے۔

قولہ اِذَا عزمتم (جبکہ تم عزم کرو) محل حذف ہے یعنی بیان محل حذف ہے۔

قولہ لمن یحذرہ (اپنے سے ڈرنے والے کی) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل محل مغفرت دوم غفور کا صلہ بیان کیا ہے۔

قولہ بتاخیر العقوبۃ (باوجود استحقاق کے تاخیر عذاب فرما دیتے ہیں) بتاخیر کی با تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے حلیم کی خوبی بیان کی ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ وفی قراءۃ تماسوھُنّ ای تجامعوھُنّ اَوْ لم تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً مهرًا وما مَصْدَرِيَّة ظرفیۃ ای لاتبعۃ علیکم فی الطلاق زمن عدم المسیس والفرض باثم ولامھر فطلقوھنّ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ای اُعطوھنّ مایتمتعن بہ عَلَى الْمُوْسِعِ الغنی منکم قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ الضیق الرزق قَدَرُهٗ یفید انہ لانظر الی قدر الزوجۃ مَتَاعًا تمتیعًا بِالْمَعْرُوْفِ شرعًا صفتہ متاعًا حَقًّا صفۃ ثانیۃ او مصدر مؤکد عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ المطیعین وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ

قبل ان تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ
مَا فَرَضْتُمْ يجب لهنّ ويرجع لكم النصف الاّ لكن
اَنْ يَّعْفُوْنَ اى الزّوجات فيتركنه اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ
بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وهوالزّوج فيترك لها الكلّ وعن
ابن عبّاس رضی الولی اذا كانت محجورة فلاحرج فى ذٰلك
وَاَنْ تَعْفُوْا مبتدأ خبره اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا
الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اى أن يتفضّل بعضكم على بعضٍ
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ فيجازيكم به حَافِظُوْا
عَلَى الصَّلَوٰتِ الخمس باداۓها فى اوقاتها وَالصَّلٰوةِ
الْوُسْطٰى هى العصر كما فى الحديث رواه الشّيخان
اوالصّبح اوالظهر اوغيرها اقوال وافردها بالذكر
لفضلها وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ فى الصّلٰوة قٰنِتِيْنَ قيل
مطيعين لقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم كل قنوت
فى القراٰن فهو طاعة رواه احمد وغيره وقيل
ساكتين لحديث زيد بن ارقم كنّا نتكلّم فى
الصّلٰوة حتى نزلت فامرنا بالسكوت ونهينا عن

الکلام رواہ الشیخان فَاِنْ خِفْتُمْ من عدو او سیل
او سبع فَرِجَالًا جمع راجل ای مشاۃً صلوا اَوْرُکْبَانًا
جمع راکب ای کیف امکن مستقبلی القبلہ وغیرھا
ویؤمی بالرّکوع والسجود فَاِذَا اَمِنْتُمْ من الخوف
فَاذْکُرُوا اللّٰہَ ای صلوا کَمَا عَلَّمَکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا
تَعْلَمُوْنَ قبل تعلیمہ مِنْ فرائضھا وحقوقھا والکاف
بمعنی مثل وما موصولہ او مصدریّۃ۔

ترجمہ تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اگر بیویوں کو اسی حالت میں طلاق دے دو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے (اور ایک قرأۃ میں تماسوھن بمعنٰے تجامِعُوْھُنَّ ہے) اور نہ اُن کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے (اور ما مصدریّہ ظرفیہ ہے یعنی تم پر نہ چھونے اور کچھ نہ مقرر کرنے کے سلسلے میں کوئی بار گناہ یا مہر کا نہیں رکھا جاتا۔ طلاق دینے کی صورت میں چنانچہ تم ان کو طلاق دے سکتے ہو) اور اُن کو ایک جوڑا دے دو (جس سے وہ کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھا سکیں) صاحبِ وُسعت (تم میں سے مال دار) پر اس کی حیثیت کے موافق اور تنگدست (غریب) کے ذمّے اس کی حیثیت کے مطابق (معلوم ہوا کہ اس میں بیوی کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہے) جوڑا دینا (فائدہ پہنچانا) قاعدہ کے موافق (شرعًا بالمعرُوف صفت ہے متاعًا کی) واجب ہے (حقًا صفت ثانیہ یا مفعول مُطلق تاکید کے لئے ہے) خوش معاملہ لوگوں پر (جو فرمانبردار ہیں) اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دینے لگو، ہاتھ لگانے سے پہلے اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے ہو تو جس قدر مہر تم نے مقرر کیا ہو، اس سے نصف (اُن کو دینا ضروری ہے اور

نصف تم واپس لے سکتے ہو) اِلَّا یہ کہ (لیکن اگر) وہ عورتیں معاف کر دیں (بیویاں کل مہر چھوڑ دیں) یا وہ شخص رعایت کر دے جس کے قبضہ میں معاملہ نکاح ہے (یعنی شوہر کہ وہ پورا مہر بیوی کو دے دے یا بقول ابنِ عباس رضہ مراد ولی ہے جب کہ عورت مجبورہ (باکرہ) ہو، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے اور تمہارا معاف کر دینا (مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے) تقوی سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کیا کرو (یعنے ایک دوسرے پر احسان کرو) بلاشبہ اللہ تعالے تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں (ان پر تم کو جزاء دیں گے) محافظت کیا کرو تمام نمازوں کی (پانچوں نمازیں اپنے اوقات میں ادا کیا کرو) اور درمیانی نماز کی (مراد عصر کی نماز ہے جیسا کہ شیخین کی روایت میں ہے یا صبح یا ظہر وغیرہ کی نمازیں مراد ہیں علی اختلافِ الاقوال اس کو علیحدہ ذکر کرنا اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے) اور کھڑے ہوا کرو (نماز میں) اللہ کے سامنے عاجز بن کر (بعض کے نزدیک قانتین کے معنے فرمانبردار کے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن پاک میں جہاں قنوت ہے۔ وہ بمعنے طاعت ہے، امام احمد وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور بعض نے اس کے معنی خاموش رہنے والے کے بیان کئے ہیں۔ چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں ہم کو خاموشی کی تعلیم دی گئی اور گفتگو سے منع کیا گیا۔ (رواہ الشیخان) پھر اگر تم کو اندیشہ ہو (دشمن یا سیلاب یا درندہ کا) تو تم کھڑے کھڑے رجالاً جمع راجل یعنے پیدل نماز پڑھو) یا سواری پر چڑھے چڑھے (رکباناً جمع راکب کی یعنی جس طرح بھی ممکن ہو خواہ قبلہ کی طرف منہ ہو سکے یا نہ ہو سکے یا رکوع سجدہ کا صرف اشارہ ہی ممکن ہو) پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے (خوف نہ رہے) تو اللہ جل شانہٗ کا ذکر اس طرح کیا کرو (نماز پڑھو) جیسے تم کو سکھلایا ہے جس کو تم جانتے نہیں تھے (نماز کے فرائض وحقوق کی تعلیم سے پہلے اور کاف بمعنی مثل ہے اور ما موصولہ یا مصدریہ ہے۔)

بیانِ شانِ نزول

ایک انصاری صحابی نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ اور بغیر صحبت کئے اس کو طلاق دے دی، عورت نے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا معاملہ پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا امتعها ولو بقلنسوتك یعنی اس عورت کو کچھ نہ کچھ دے دو چاہے محض اپنی ٹوپی ہی دو اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

بیان ربط آیت لاجناح میں طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر واجب اور غیر واجب کا تنتیسواں حکم مذکور ہے اور آیت حافظوا میں چونتیسواں حکم نماز کی محافظت کا ہے۔

بیان اغراضِ جلالین

قولہ وفی قراءۃ تماسوھن بیان قراءت ہے۔

قولہ ای تجامعوھن (یعنی تجامعوھن ہے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل تمسوھن کا مرادی معنے بیان کیا ہے۔ دوم اشارہ فرمایا کہ ان المس قراءۃ المشھورۃ بمعنی الجماع لانّ التماس المذکورۃ فی ھذہ القراءۃ بمعنی الجماع اتفاقاً

قولہ لم علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے آو کے بعد لم مقدر مان کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تمسوھن عطف کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی بیان حاصل عطف ہے

قولہ مھرًا تعیین فریضہ یا تفسیر فریضہ ہے۔

قولہ وما مصدریہ ظرفیہ ما کی تعیین کی ہے کہ ما مصدریہ ظرفیہ ہے، موصوفہ اور موصولہ شرطیہ نہیں ۔ای فی مدۃ عدم المسیس

قولہ لاتبعتہ علیکم فی الطلاق زمن عدم المسیس والفرض باثم ولا مھر (یعنی تم پر نہ چھونے اور کچھ نہ مقرر کرنے کے سلسلے میں کوئی بارِ گناہ یا مہر کا نہیں رکھا جاتا طلاق دینے کی صورت میں) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل لاجناح علیکم الخ آیت کا حاصل معنے بیان کیا ہے اور لاتبعتہ بمعنے لاحق وقیل لا وزر کے معنی میں ہے یعنی شوہر پر ایسی صورت میں طلاق دینے سے نہ مہر واجب ہوگا اور نہ کوئی بدعت وغیرہ کا گناہ ہوگا۔ دوم اشارہ فرمایا کہ جناح بمعنی اثم

نہیں بلکہ بمعنے جتنی و تاوان ہے ۔

قولہ فطلقوھن (چنانچہ تم ان کو طلاق دے سکتے ہو) متعوھن کا معطوف علیہ مقدر کیا ہے ۔

قولہ ای أعطوھن ما یتمتعن (جوڑا دے دو جس سے وہ کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا سکیں) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے متعوھن کا حاصل معنے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رہ کے نزدیک اُس کا تخمینہ حاکم کی رائے پر ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک جہاں تک قمیص دوپٹہ چادر تین کپڑوں کا تعلق ہے وہ شرعًا متعین ہیں۔ اس میں کسی کی رائے کو دخل نہیں ہے البتہ ان کی قیمت اور کیفیت کی تعیین میں بے شک شوہر کی استطاعت و قدرت کا لحاظ کیا جائے گا۔ بعض آئمہ شوہر کے بجائے اس میں عورت کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہیں جیسا کرخی رح کی رائے ہے لیکن آیت اسکی مؤید نہیں ہے ۔

قولہ الغنی منکم (تم میں سے مالدار) علامہ سیوطی رح نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ موسع سے مُراد وُسعت مالی ہے نہ کہ ذاتی یعنے ان الموسع من السعۃ بمعنی الغناءِ لا من الوسع بمعنی الطاقۃ

قولہ الضیق الرزق (تنگ روزی والا) مقتر کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ یفید انہ لا نظر الی قدر الزوجۃ (معلوم ہوا کہ اس میں بیوی کی حیثیت کا اعتبار نہیں ہے) بیان تردید ہے یعنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ ان علماء کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ جن کے نزدیک متاع میں مرد کے بجائے عورت کا اعتبار ہے کما قالہُ الکرخی رحمہ اللہ ۔

قولہ تمتیعًا (فائدہ پہنچانا) مَتَاعًا اسمِ مصدر اور تمتیعًا مصدر ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مَتَاعًا کی تفسیر تمتیعًا سے کرکے اشارہ فرمایا کہ اسم مصدر کے معنے میں ہے یا اس کے قائم مقام ہے ۔

قولہ شرعًا قد مرّ تحقیقۃ مرارًا

قولہ صفة متاعًا (بالمعروف صفت ہے متاعًا کی) بالمعروفِ جار مجرور مل کر صفت ہے متاعًا کی یعنے بیان ترکیب ہے۔

قولہ صفة ثانیة او مصدرٌ مؤکّد: صفت ثانیہ ہے مَتَاعًا کی دوسری صورت میں مَصدر مؤکد یا مفعول مطلق ہے تو عامل مقدر ماننا پڑے گا۔ اصل عبارت تھی۔ اَیْ حقّ ذالك حقًا

قولہ المُطیعین (جو فرمانبردار ہیں) محسنین کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظٍ آخر یعنی انّ المُراد بالمُحسنین الّذین یفعلون طاعة الله بالرضاءِ

یقول شیخ جاجردی رَحمۃُ القوی مُحسنین کی تفسیر مطیعین سے کرنا درست نہیں کیونکہ مطلّقہ قبل از وطی کا نفقہ تو فاسق پر بھی واجب ہے اس میں مطیعین کی تخصیص نہیں لہٰذا بہتر تھا کہ علامہ سیوطیؒ المسلمین کا کلمہ نکالتے تاکہ فاسق غیر فاسق والا اعتراض ہی نہ ہوتا۔

قولہ یجب لَھُنّ (ان کو دینا ضروری ہے) خبر محذوف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ فَنِصفُ مَا فَرَضتُمْ مبتدا، محذوفُ الخبر ہے یعنی بیان ترکیب ہے

قولہٗ ویرجع لکمُ النّصف (اور نصف تم واپس لے سکتے ہو) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ رُجوع سے مُراد یہ ہے کہ جب مہر اُن کو سونپ دو، اگر مہر اُن کو نہیں سونپی تو پھر رجوع استحقاق ہوگا جو نصف ہے۔ یعنی رجوع استحقاق مُراد ہے۔

قولہ لکن استثنا منقطع کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قولہ ای الزّوجَاتِ (بیویاں) بیان مرجع ہے۔

قولہ فیترکنه (کل مہر چھوڑ دیں) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل علامہ سیُوطی رح نے یَعفُونَ کی تفسیر باللّازم بیان کی ہے کیونکہ عفو کے لئے ترک لازم ہے۔ دوئم اَنْ یَعفُون کا حاصل معنی بیان کیا ہے۔

قولہ وھوالزّوج (یعنی شوہر) تعیین موصول ہے کہ اَلّذِی سے مُراد زوج ہے

قولہ فیترك لَھَا (کہ وہ پورا مہر بیوی کو دیدے) فلامز غرضه ف

قولہ فیترکنہ۔

قولہ وعن ابن عباسٍ الولیُّ اذا کانت محجورۃ فلاحرج فی ذالک (یا بقول ابن عباس رضہ مُراد ولی ہے جبکہ عورت مجورہ (باکرہ) ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعیین موصول (یعنی الذی بیدہ عقدۃ النکاح) کے اختلاف کی وضاحت فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن المسیب اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے اس کی تفسیر زوج کے ساتھ کی ہے، طبرانی کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الذی بیدہٖ عقدۃ النکاح الزوج بھی اس کی مؤید ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدرحؒ کی رائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا قولِ جدید بھی یہی ہے کیونکہ بقاءِ نکاح اور طلاق شوہر کے اختیار میں ہوتی ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ اس سے مُراد ولی زوجہ ہے، امام مالکؒ کا خیال اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اس صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ اگر عورت ثیبہ ہے تو خود شوہر کو اپنا حصہ معاف کرسکتی ہے اور باکرہ ہے تو اس کے ولی کو حق معافی ہوگا۔ اسی کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ اذا کانت محجورۃ الخ سے بیان فرماتے ہیں۔ نیز فلاحرج فی ذالک خبر مقدر ہے لٰکن کی۔

قولہ مبتداء خبر (مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے) اَنْ تعفوا۔ مبتدا اور اَقرب اس کی خبر ہے یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہ ای ان یتفضل بعضکم علی بعضٍ (یعنی ایک دوسرے پر احسان کرو) یہاں نسیان کے حقیقی معنٰی مراد نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری شئی ہے بلکہ ترک احسان مُراد ہے۔ علامہ سیوطی نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الفضل کی الف لام عوض ہے۔ مضاف الیہ محذوف کے اس سے مُراد احسان ہے۔ دوئم اشارہ فرمایا کہ ان الفضل مصدر لیس اسمًا بمعنی الزیادۃ لان النھی انما یتعلق بالافعال لا بالاسماء

قولہ فیجازیکم بہٖ (ان پر تم کو جزاء دیں گے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ

نے اشارہ فرمایا کہ ذکر سے علم کا مُراد جزا ہے۔

قولہ الخمس (پانچوں نمازیں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ الصّلوٰۃ کی الف لام عہد کی ہے اس سے صلوٰۃ خمسہ یعنی صلوٰۃ فرضیہ مُراد ہیں کیونکہ مطلق صلوٰۃ کا لفظ تمامی نمازوں پر بولا جاتا ہے خواہ فرضیہ ہوں یا غیر فرضیہ۔

قولہ بادائھا فی اَوقاتھا (اپنے اوقات میں آدا کرو۔) بأدائھا۔ کی با تصویر یہ ہے، علامہ سیُوطی رحمہُ اللہ نے حفاظت کی صُورت بیان کی ہے۔

قولہ ھی العصر (نمازِ عصر مُراد ہے) صلوٰۃِ وُسطیٰ کی تعیین کی ہے ھذا عند ابی حنیفۃ رح جمہور کا مسلک بھی یہی ہے۔ دلائل حدیث کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

قولہ کما فی الحدِیث بیان قرینہ ہے۔

قولہ اَو الصّبح اوالظھر اَو غیرھَا او تنویعیہ ہے، امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے۔ ثانیاً ارجح الاقوال نقل کرنے کا وعدہ پورا فرمایا ہے۔

قولہ افردھا بالذکر لفضلھَا (اس کو علیحدہ کرنا اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ صلوٰۃِ عصر کی تخصیص کیوں ہے جبکہ حَافِظُوا عَلَی الصّلوٰۃ میں صلوٰۃِ عصر بھی داخل تھی، ان کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

جواب تو علامہ سیُوطی رحمہُ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ صلوٰۃ عصر کی تخصیص اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے کہ اس نماز کو زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ باقی نمازوں پر یعنی وجہ شرف وقت ہے کہ ملائکۃ النھار واللیل کے اجتماع اور ڈیوٹی بدلنے کا یہ وقت ہے۔

لیکن بقول شیخ جاجروی رحمہ القوی میرے نزدیک یہ جواب درست نہیں کیونکہ صلوات خمسہ میں سے صلوٰۃِ فجر کو بھی فضیلت حاصل ہے۔ کما فی

قولہ تعالیٰ: اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا لہٰذا صحیح جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کے اندر آتا ہے ان هٰذہٖ الصّلوٰۃ

کہ صلوٰۃ عصر سابقہ امتوں پر فرض کی گئی مگر انھوں نے قدر نہ کی اور ضائع کر دی، تو اُمّت محمدیہ کو اہتمام کی خاطر حفاظت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ثانیاً: روایت کے الفاظ یوں بھی ہیں۔ قالت ان هٰذہٖ ساعاتٍ لی فیها اشغالٌ کہ یہ وقت مشغولیت کا ہے، آدمی کاروبار میں مشغول ہوتا ہے اور حساب وکتاب میں مصروف ہوتا ہے، اس بنا پر صلوٰۃ عصر سے سستی ہو جاتی ہے، بہرحال یہ دونوں علتیں حدیث سے ثابت ہیں۔

قولہ فی الصّلوٰۃ (نمازمیں) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ قُوْمُوْا سے خاص قیام نماز والا مراد ہے، عام قیام نہیں کیونکہ مطلقاً قیام تو مقصود وعبادت نہیں ہے۔

دوئم اشارہ فرمایا کہ لِلّٰهِ کا تعلق قُوْمُوْا سے ہے جس سے مراد قیام صلوٰۃ ہے لفظ قَانِتِیْن سے متعلق نہیں ہے ورنہ عبارت اس طرح ہونی چاہیئے تھی قُوْمُوْا فی الصّلوٰۃ للّٰہ قانتین کیونکہ عامل اصل میں معمول پر مقدم ہوتا ہے۔

قولہ قیل مُطِیْعِیْن (بعض کے نزدیک قانتین کے معنے فرمانبردار کے ہیں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ معنوی تحقیق فرما رہے ہیں، اور اس میں دو قول نقل کئے ہیں۔ دوئم: علامہ سیوطی رحمہ اللہ ساتھ ساتھ ان لوگوں کی تردید بھی کر رہے ہیں جو کہتے ہیں، ان المُرادبہ القنوتِ فی الصّبح۔ لعدم وُرُودِ الحدیث بہ۔

قولہ من عَدُوٍّ او سَیْلٍ او سَبُعٍ (دشمن یا سیلاب یا درندہ کا) مِنْ عَدُوٍّ کا مِن بیانیہ ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ خوف کا بیان ذکر فرما رہے ہیں کہ خفتم کا تعلق ان تین چیزوں کے ساتھ ہے۔

قولہ جمع راجل (رجالاً جمع راجل) بیان تحقیق لفظی ہے

قولہ ای مشاۃً صلّوا (یعنی پیدل نماز پڑھو) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مشاۃً

سے رِجَالاً کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر۔

یَقولُ شیخ جاجروی رحمۃُ القوی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے رجالاً بمعنے مشاۃ کرکے ایک فقہی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے

حاصل فقہی اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی رح کے نزدیک بحالت مشی اور مسابقت بھی نماز پڑھنی واجب ہے، اس لئے وہ رجالاً کو پیدل چلنے کے معنی میں لے رہے ہیں، جب کہ امام اعظم رح کے نزدیک اس حالت میں نماز کو مؤخر کر دینا چاہیئے بعدہٗ قضا کرلیں، چنانچہ غزوۂ احزاب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی نمازیں ترک فرمادی تھیں۔ اس لئے احناف حضرات کے نزدیک رجالاً بمعنے قائمٌ علی الرّجل (یعنی پاؤں پر کھڑا ہونا مُراد ہے) چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت عبدُ اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رجالاً کا معنی نقل کیا ہے۔ قیامًا علی اقدامهن جو مقابل ضد مشاۃ ہے۔

قولہ صلوا (نماز پڑھو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے عامل مقدر کیا ہے یعنی فرجالاً اور رکبانًا یہ دونوں حال ہیں، عامل ان میں صلوا مقدر ہے حاصل عبارت یوں بنے گی ای فصلوا رجالاً او رکبانًا

قولہ جمع راکب (رکبانا جمع راکب) تحقیق لفظی بیان کر رہے ہیں۔

قولہ ای کیف امکن مستقبلی لقبلۃ وغیرھا ویؤمی بالرکوع والسجود (یعنی جس طرح بھی ممکن ہو خواہ قبلہ کیطرف منہ ہوسکے یا نہ ہوسکے یا رکوع سجدہ کا صرف اشارہ ہی ممکن ہو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے فرجالاً او رکبانًا کا حاصل معنے بیان کیا ہے۔ استقبالِ قبلہ ہو یا نہ ہو۔

یقول ابوالاسعاد اس مسئلہ کی مزید تشریح فضلُ المعبود فی حلّ سنن ابی داؤد باب صلوٰۃ الطّالب میں دیکھی جاسکتی ہے

قولہ من الخوف (خوف نہ رہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے امنتم کا صلہ نکالا ہے یعنی بیانِ صلہ ہے۔

قولہ أی صلوا (نماز پڑھو) علامہ سیوطی رحہ نے اشارہ فرمایا کہ حکم ذکر اللہ کا ہے لیکن مُراد نماز ہے یعنی ذکر عام اور مُراد خاص نماز ہے۔

قولهٗ قبل تعليمه (تعلیم سے پہلے) اس کی دو غرضیں ہیں:

اَوّلؔ دفعیہ سوال مقدّر ہے۔

سوال یہ ہے کہ پہلے فرمایا کہ علّمکُم پھر فرمایا مَالم تکونوا تعلمون

جواب تو علامہ سیوطی رحمہُ اللہ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہ تغایر زمانی ہے کہ تعلیم سے پہلے واقعی مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُوْنَ تھے نہ کہ بعد از تعلیم۔

دوؔم مَالم تکونوا تعلمون کے زمانے کا بیان ہے کہ مالم تکونوا کا تعلق قبل از تعلیم ہے نہ بعد از تعلیم

قولہ مِن فرائضها وحقوقها (فرائض وحقوق) مالم تکونوا کے ما کا بیان ہے۔

قولہ والكاف بمعنى مثل (کاف بمعنی مثل ہے یعنی کما کا کاف مثل کے معنی میں ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر ان لوگوں کی تردید کر رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کما کا کاف زائدہ ہے یعنی بیان تردید ہے اور تشبیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بحالت امن رکوع، سجدہ استقبال قبلہ کی رعایت سے نماز پڑھتے رہے اور اسی طرح سے پڑھو۔

قولہ وما موصولة او مصدرية (اور ما موصولہ یا مصدریہ ہے) تعیین ما ہے ساتھ فیه رد على من قال شرطية وموصوفة

بیان فوائد

معاشرتی احکام کے ساتھ عبادات

طلاق وعدت کے احکام کے درمیان نماز کا ذکر اس مصلحت سے ہے کہ مقصودِ اصلی توجہ الی اللہ ہے، معاشرات ومعاملات میں لگ کر کہیں اس سے

کسی درجہ غفلت نہ ہو جاتے بلکہ خود ان احکام میں بھی ایمان کی جانب جب ہی پڑے گی کہ خدائی احکام سمجھ کر ان کو کیا جاتے نیز حقوق العباد کی ادائیگی باعث تقرب خداوندی ہے ورنہ درگاہِ الٰہی سے دُوری اور توجہ الی الحق سے محرومی کا باعث ہوگا

نماز کی اہمیت

اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی شدید حالت میں بھی جب کہ جانوں کی آپا دھاپی پڑ رہی ہے نماز مؤخر نہیں کی گئی بلکہ کھڑے کھڑے اشاروں سے پڑھنے کا حکم ہے، سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلے میں پست کیا جائے گا البتہ اگر کھڑا رہنا بھی ممکن نہ ہو بلکہ چلنا یا بھاگنا ہو رہا ہو تو عمل کثیر کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک نماز مؤخر کر دی جائے گی۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا فليوصُوا وَصِيَّةً وفى قراءة بالرفع اى عليهم لِاَزْوَاجِهِمْ ويعطوهن مَتَاعًا مايتمتعن به من النفقة والكسوة اِلَى تمام الْحَوْلِ من موتهم الواجب عليهن تربصه غَيْرَ اِخْرَاجٍ حال اى غير مخرجات من مسكنهن فَاِنْ خَرَجْنَ بانفسهن فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ يا اولياءِ الميت فِيْمَا فَعَلْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ شرعا كالتزين وترك الاحداد وقطع النفقة عنها وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ فى ملكه حَكِيْمٌ فى صُنعِهٖ وَالوصية المذكورة منسوخة باٰيةِ الميراث وتربص

الحول بآية اربعة اشهر وعشرًا لسابقة المتاخرة
في النزول والسكنى ثابتة لها عند الشافعي، وَ
لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ يعطينه بِالْمَعْرُوْفِ بقدر الامكان
حَقًّا نصب بفعله المقدر عَلَى الْمُتَّقِيْنَ الله كرره
ليعم الممسوسة ايضًا اذ الاية السابقة في غيرها
كَذٰلِكَ كما بين لكم ما ذكر يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تتدبرون ع ۱۵

ترجمہ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو (ان کے ذمہ لازم ہے کہ) وصیت کر جایا کریں (اور ایک قراءت میں لفظ وصیت رفع کے ساتھ ہے ای علیھم وصیۃٌ) اپنی بیویوں کے لئے (اور ان کو دے جایا کریں) سامان (نفقہ ولباس کہ جس سے وہ نفع اٹھا سکیں) ایک سال (تمام) کے لئے (ان کی وفات کے وقت سے عورتوں پر واجب ہے۔) اس طرح کہ ان کو گھر سے نہ نکالا جائے (غیر اخراج حال ہے یعنے اپنے مکانوں سے نکالی نہ جائیں۔) ہاں اگر (خود) نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے (اے ورثائے میت) اس ضابطے کے مطابق جس کو وہ اپنے لئے تجویز کریں (شرعًا مثلاً آرائش کرنا، سوگ نہ کرنا، نفقہ سے محروم ہوجانا) اور اللہ تعالےٰ زبردست ہیں (اپنے ملک میں) حکمت والے ہیں (اپنی کاری گری میں) اور وصیت مذکورہ آیت میراث کے ذریعے منسوخ ہے اور سال بھر کی عدت منسوخ ہے، اس سے پہلی آیت اربعة اشهر وّعشرًا کے ذریعہ سے جو نزولاً مؤخر ہے اور اس کے لئے قیامگاہ بھی لازم ہے، (امام شافعیؒ کے نزدیک) اور تمام

مطلقہ عورتوں کے لئے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا۔ (کہ جو اس کو دیا جائے گا) دستور کے مطابق (بقدر امکان) مقرر ہوا ہے (حقًّا منصوب ہے فعل مقدر کے ذریعے) ان لوگوں پر جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والے ہیں (اس کو مکرر بیان کیا ہے، تاکہ مؤطوءہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہو جائے کیونکہ پچھلی آیت غیر مؤطوءہ کے باب میں تھی) اسی طرح (جیسے کہ تمہارے لئے پہلے احکام بیان کیے گئے ہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرماتے ہیں اپنے احکام اس توقع کے ساتھ کہ تم سمجھو گے (تدبر کرو گے)

بیانِ ربط اس آیت وَالَّذِينَ الخ میں پینتیسواں ۳۵ حکم بیوہ کے لئے وصیت سکونت سے متعلق ہے اور آیت وللمطلقت الخ میں حکم طلاق کا تتمہ بیان کیا جارہا ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ فليوصوا (وصیت کرجایا کریں) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ وصیت مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا یعنی بیانِ فعل مقدر ہے۔

قولہ وفی قراءة بالرفع (اور ایک قراءت میں لفظ وصیۃٌ رفع کے ساتھ ہے) بیانِ قراءت ہے۔ یعنی وَصِيَّةٌ۔

قولہ ای علیھم وصیۃ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ جب قراءت مرفوع ہو تو یہ خبر مقدر ہوگی اور وَصِيَّةٌ مُبتدا ہوگا یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

قولہ ويعطوهن (اور ان کو دے جایا کرو) اشارہ فرمایا کہ متاعًا منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے یعنی بیانِ فعل مقدر ہے۔

قولہ مایتمتعن بہ (جس سے وہ نفع اٹھا سکیں) متاع کا معنی نفع بھی آتا ہے اور منتفع بہ یعنی وہ چیز جس سے نفع حاصل کیا جاتے کے معنے میں بھی آتا ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ متاعًا مایتمتعن (یعنی وہ چیز

جس سے نفع حاصل کیا جائے کے معنٰی میں ہے نہ کہ متاعًا (نفع) کے معنٰی ہیں۔

قولہ من النفقة والکسوة (نفقہ ولباس) مایتمتعن سے کیا کا بیان ہے۔

قولہ تمام (تمام) اس کی دو غرضیں ہیں:

اوّل بیان مُضاف مقدر ہے اصل عبارت تھی الی تمامِ الحولِ یعنی پورا ایک سال مُراد ہے۔ دوّم اشارہ فرمایا کہ غایت مُغیا میں داخل ہے بقرینۃ علیھن

قولہ من موتھم (اُن کی وفات کے وقت سے) علامہ سیوطی رحمہُ اللہ نے الی کا مقابل نکالا ہے کیونکہ الیٰ بین انتہاء کا ذکر ہے اور موتھم سے ابتداء کا بیان ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء حَول سے ہوگی انتہا مَوت پر ہوگی۔

قولہ والواجب علیھن تربصہ (عورتوں پر واجب ہے انتظار کرنا) علاّمہ سیُوطی رحمہُ اللہ نے حول کی صفت بیان کی ہے اور واجب مجرُور ہے حول کی صفت ہونے کی وجہ سے اور الی الحَول صفت ہے متاع کی اور تربّص سے مُراد تربص الی الحول ہے ای متاعًا منتھیًا الی الحول

لیکن بقول شیخ جاجروی رحمہ القوی علامہ سیوطی رحمہُ اللہ نے جو تربص عن الزوج سنۃ والی عبارت نکالی ہے یہ آیت مذکورہ سے صراحت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آیت مذکورہ دَلّت علی وجوبِ الوصیّۃ بما یتمتعن بہ سنۃ البتہ بطریق التلویح والکنایۃ ثابت ہوسکتا ہے

قولہ حَالٌ (غیر اخراجٍ حال ہے ازواجھم سے) بیان ترکیب ہے

قولہ ای غیر مخرجَات (نہ نکالی جائیں) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل: علاّمہ سیُوطی رحمہُ اللہ نے ای غیرِ مخرجَات من مسکنھن سے غیر اخراج کا حاصل معنی بیان کیا ہے۔ دوّم اشارہ فرمایا کہ اخراج مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی مصدر بمعنٰے اسم مفعول ہے۔

قولہ من مسکنھن (اپنے مکانوں سے) المخرجات کا صلہ نکالا ہے

یعنی بیان صلہ ہے۔

قولہ بانفسھن (خود بخود) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل خرجن کا صلہ نکالا ہے یعنے بیان صلہ ہے

دوّم علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ تاکید کے لئے نکالا ہے کیونکہ کلمہ نفس کا تاکید کے لئے ہوتا ہے اور تاکید بھی معنوی ہے۔

فائدہ فَاِنْ خَرَجْنَ کا کیا مطلب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خرجن کا معنی یہ ہے یعنی رہنے اور نہ رہنے میں، نفقہ لینے اور نہ لینے میں عورتوں کو اختیار ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سُکنیٰ لازم ہوگا۔ موت اور طلاق دونوں کی عدت میں اختیاری امر نہیں ہے اور معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ اگر سال بھر بعد نکلیں تو اب آرائش وغیرہ کی اجازت ہے۔

قولہ یا اولیاء المیّت (اے ورثائے میت) تعیین مخاطب ہے کہ یہ خطاب اولیاء کو کیا جا رہا ہے۔

قولہ شرعًا قد مرّ تقریرہ غیر مرّۃ واحدۃ فافھم وانظر

قولہ کالتزیّن وترك الاحداد وقطع النفقة عنھا (مثلاً آرائش کرنا، سوگ نہ کرنا، نفقہ سے محروم ہو جانا) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے معروف کی مثال ذکر کی ہے یعنی بیان مثال معروف ہے۔ احداد۔ احدتِ المرءۃ بولتے ہیں، خاوند کی وفات کے بعد زیب و زینت چھوڑ دی ہے۔ فی صُنعِہٖ

قولہ فی مُلکہٖ۔ فی صُنعِہٖ۔ یہ عزیز اور حکیم کے محلات بیان کئے ہیں یا صلہ جات بیان کئے گئے ہیں نیز حکیم بول کر اشارہ فرمایا کہ میری غالبیت جابرانہ نہیں ہے بلکہ حکیمانہ ہے۔

قولہ والوصیۃ المذکورۃ منسوخة بآیة المیراث و تربص الحول بآیۃ اربعة اشھر وعشرًا السابقة (اور وصیت مذکورہ آیت میراث کے ذریعے منسوخ ہے اور سال بھر کی عدت منسوخ ہے۔ اس سے پہلی

آیت اَربعۃَ اشھرٍ وَّعشرًا کے ذریعے سے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی میں بظاہر تعارض ہے۔ آیت مذکورہ میں وصیت اور ایک سال کی عدت ہے جبکہ آیت سابقہ (اربعۃ اشھر وعشرًا) میں چار مہینے اور دس دن کا ذکر ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ وصیت اور ایک سال کی عدت والا حکم منسوخ ہے، ناسخ اربعۃ اشھر وّ عشرًا والا حکم ہے۔

قولہ المتاخرۃ فی النزول (جو نزولاً موخر ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ ناسخ وہ ہوتا ہے جو پیچھے ہو اور منسوخ وہ ہوتا ہے جو پہلے ہو، جبکہ مقام ہذا پر تو عکس ہے جس کو تم ناسخ کہہ رہے ہو وہ پہلے ہے اور منسوخ پیچھے ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ آیت وصیت والحول اگرچہ قراءتًا ولفظًا موخر ہے لیکن حکمًا مقدم ہے۔

قولہ والسکنٰی ثابتۃ لھا عند الشافعیؒ (اور اس کے لئے قیام گاہ بھی لازم ہے امام شافعیؒ کے نزدیک) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید کرتے ہوئے یہ عبارت نکالی ہے کیونکہ جب آیت وصیت والحول منسوخ ہوئی تو سکنٰی نفقہ وغیرہ ختم لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے وہ منسوخ نہیں ہوا ہے۔ بخلافنا ای الاحناف۔

قولہ یُعطینہ (کہ جو اُس کو دیا جائے گا) اشارہ فرمایا کہ بالمعروف کا جار مجرور متعلق بالمحذوف لا المذکور۔

قولہ بقدر الامکانِ (بقدرِ امکان) بقدر کی یا تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رح نے معروف کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ نصب بفعله المقدار (حَقًّا منصوب ہے فعل مقدر کے ذریعے

نصب سے بیان اعراب ہے کہ یہ منصوب ہے، مرفوع نہیں ہے۔ اور بفعله المقدر سے بیان وجہ اعراب نصب ہے کہ یہ منصوب کیوں ہے۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ ای حق ذالك حقًا

قوله الله مفعول متقين یعنی بیان ترکیب ہے۔

قوله کرر ة لیعم الممسوسة ایضا اذ الآیة السابقة فی غیرها (اس کو مکرر بیان کیا ہے تاآنکہ مدخولہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہو جائے) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ مطلّقات کے متعہ کا مسئلہ آیت سابقہ لا جُنَاحَ عَلَیکم اِن طَلَّقتُمُ النِّسَآءَ میں بیان ہو چکا ہے، دوبارہ پھر اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، یہ تو تکرار کلام ہے جو فصاحت وبلاغت کے خلاف ہے۔

جواب کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا ہے کہ یہ تکرار نہیں کیونکہ آیت سابقہ (لا جُنَاحَ علیکم ان طلقتمُ النِّسآءَ مطلقہ قبل الجماع یعنی غیر مدخولہ کے متعلق تھی جبکہ آیت مذکورہ (وللمطلّقٰت) دونوں کے لئے ہے جو مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ احناف حضرات کے نزدیک مدخولہ کے لئے مطلقًا مستحب اور غیر مدخولہ غیر مسمّی لها مہر کے لئے متعہ واجب ہے اس لئے تکرار نہیں رہے گا۔

قوله کما بیّن لکم ما ذکر (جیسا کہ تمہارے لئے پہلے احکام بیان کئے گئے ہیں) بیان مشار الیہ ہے۔

قوله تتدبرون (تدبر کروگے) تعقلون کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

اَلَمْ تَرَ استفهام تعجیب وتشویق الی استماع مابعدہٗ

ای لم ینته علمك اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ

أُلُوْفٌ اربعة او ثمانية او عشرة او ثلثون او اربعون او سبعون الفًا حَذَرَ الْمَوْتِ مفعول له وهم قوم من بنى اسرائيل وقع الطاعون ببلادهم ففرّوا فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا فماتوا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ بعد ثمانية ايام او اكثر بدعاء نبيّهم حزقيل بكسر المهملة والقاف وسكون الزاء اى فعاشوا دهرًا عليهم اثر الموت لا يلبسون ثوبا الاعاد كالكفن واستمرّت فى اسباطهم اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ومنه احياء هٰؤلاءِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَشْكُرُوْنَ والقصد من خبر ذكر هٰؤلاءِ تشجيع المُؤمنين على القتال ولذا عطف عليه وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى لاعلاء دينه وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ لاقوالكم عَلِيْمٌ باحوالكم فيجازيكم مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ بانفاق ماله فى سبيل اللّٰه قَرْضًا حَسَنًا بان ينفقه لله تعالٰى عن طيب قلب فَيُضٰعِفَهٗ وفى قراءة فيضعّفه بالتّشديد لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً من عشر الى اكثر من سبع مائة كما سيأتى وَاللّٰهُ يَقْبِضُ

یمسك الرزق عمن یشاء ابتلاء وَيَبۡصُطُ یوسعه لمن یشاء امتحانا وَإِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ فی الاخرة بالبعث فیجازیکم باعمالکم

ترجمہ کیا نہیں دیکھا آپ نے (استفہام تعجب کے لئے اور مابعد کے شوق دلانے کے لئے ہے یعنی آپ کا علم اتنے تک نہیں پہنچا) واقعہ ان لوگوں کا جو اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے حالانکہ وہ لوگ ہزاروں میں تھے (چار یا آٹھ یا دس یا تیس یا چالیس یا ستر ہزار افراد تھے) موت سے بچنے کے لئے (یہ مفعول لہٗ ہے مُراد اُن لوگوں سے بنی اسرائیل کی قوم ہے کہ ان کے شہروں میں وبائی مرض پھیلا۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حکم فرما دیا کہ مَر جاؤ (چنانچہ وہ مَر گئے) پھر اُن کو زندہ کر دیا (آٹھ روز یا اس سے زیادہ مدت کے بعد حضرت حزقیل (حا اور قاف کے کسرہ اور سکونِ زا کے ساتھ) علیہ السلام نبی کی دُعاء سے چنانچہ وہ ایک عرصہ ایسی حالت میں زندہ رہے کہ ان پر اثر موت تھا کہ جب کوئی کپڑا پہنتے تو وہ کفن کی طرح ہو جاتا اور یہ اثر ان کی نسلوں میں باقی رہا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا فضل فرمانے والے ہیں لوگوں پر (منجملہ فضل کے ان لوگوں کا زندہ کرنا تھا) لیکن اکثر لوگ (یعنی کفار) شکرگزاری نہیں کرتے (مقصد ان لوگوں کے تذکرہ سے مسلمانوں کو جہاد پر دلیر کرنا ہے اسی لئے اس پر عطف ہے) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو (اعلائے دین کی خاطر) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (تمہاری باتوں کو) اور خوب جاننے والے ہیں (تمہارے حالات کو اس لئے تم کو بدلہ دیں گے) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کر کے) بہترین طور پر قرض (کہ اللہ کی راہ میں خوش دلی سے صَرف کرے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر (اور ایک قراءت میں فیضعفہ تشدید کے ساتھ آیا ہے) بہت سے حصے کر دیں (دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ سے بھی زائد جیسا کہ آئندہ آیت میں آ رہا ہے) اور اللہ تعالیٰ

ہی کمی کرتے ہیں (جس سے چاہتے ہیں بطور آزمائش رزق روک لیتے ہیں) اور فراغی کر دیتے ہیں (بطور امتحان جس کے لئے چاہیں کشادگی فرما دیتے ہیں) اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (آخرت میں تم کو تمہارے اعمال کی پاداش کے لئے کھڑا کیا جائیگا)

بیان شانِ نزول ان آیات کا شانِ نزول خود علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے کتاب میں بیان کر دیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بیانِ ربط مختلف قسم کے پینتیس (۳۵) احکام ابواب بز بیان کئے گئے ہیں جن میں نماز کی محافظت کا حکم دے کر عبادات کی طرف متوجہ کیا گیا تھا۔ عبادات میں چونکہ دو طرح کی عبادتیں اکمل و انفع واقویٰ ہیں۔ (۱) ایک بذل نفس (۲) دوسرے بذل مال۔ اور یہ دونوں فرد ہیں جہاد کے لئے۔ اس لئے آیت آئندہ میں دور تک انہی کے ترغیبی مضامین آرہے ہیں۔ اس صورت میں پہلے بھی جگہ جگہ ضمناً ان دونوں احکام کا تذکرہ آچکا ہے اور اب اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ الخ اور اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ الخ جہاد بالانفس اور مَنْ ذَا الَّذِیْ الخ میں مالی جہاد کی ترغیب دی جارہی ہے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ استفہام تعجیب (استفہام تعجب کے لئے ہے) تعیین ہے استفہام کی کہ یہ تعجب کے لئے ہے یعنی بڑا عجیب واقعہ ہے جو قابل غور اور قابلِ سماعت ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اہل کتاب میں سے جن کو یہ قصہ معلوم ہے ان کے لئے یہ استفہام بطور تقریر ہے اور جن کو معلوم نہیں، ان کے لئے استفہام بطور تعجب ہے۔

قولہ تشویق الی استماع مابعدہٗ (مابعد کے شوق دلانے کے لئے ہے) بعض حضرات کے نزدیک تشویق بھی استفہام کی ایک قسم ہے یعنی استفہام تشویقی ہے۔ شوق دلانا مقصود ہے ای ھذا الواقعۃ قابل للتسماع لیکن کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ خود تعجب کے اندر شوق پایا جاتا ہے کیونکہ قابلِ تعجب امر کو سننے یا حالات

سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے مخاطب کو شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

قولہ ای لم ینتہ علمک (یعنی آپ کا علم وہاں تک نہیں پہنچا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ترَی متضمن ہے معنی انتہاء کو اس لئے اِلیٰ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے اور ترَی سے مراد رؤیت علمیہ اور قلبیہ ہے نہ کہ رؤیت بصریہ۔

قولہ اربعۃ او ثمانیۃ روایات اُلوف کی تعیین ہے۔

قولہ مفعول لہ خرجوا کا مفعول لہٗ ہے۔ یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

قولہ وھم قوم من بنی اسرائیل بیان تعیین موصول الذین خرجوا ہے یعنی اس سے مراد بنی اسرائیل کی قوم ہے۔

قولہ وقع الطاعون بیان سبب موت ہے۔

قولہ فماتوا (چنانچہ وہ مر گئے) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّل بظاہر آیت کا مطلب واضح نہیں تھا کیونکہ جب حکم ہوا موتوا تو۔ تو یہ مذکور نہیں کہ ان پر موت واقع ہوئی یا نہ ہوئی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اقتضاء النص کے طور پر یہ جملہ نکالا تاکہ مطلب درست ہو جائے، اب عبارت بنے گی۔ فقال لھم اللہ موتوا فماتوا ثم احیاھم الخ

دوئم معطوف علیہ کو مقدر کیا اور غایتِ ظہور کی وجہ سے حذف کیا ہے۔

قولہ بعد ثمانیۃ ایام او اکثر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مدتِ موت کی تعیین فرمائی ہے۔

قولہ بدعا نبیھم (نبی کی دُعا سے) بدعا۔ کی با۔ تصویر ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے احیا۔ کی صورت بیان کی ہے کہ ان کا زندہ ہونا ان کے نبی کی دُعا کے سبب ہوا تھا جو معجزہ نبی ہے۔

قولہ حزقیل تعیین نبی ہے

قولہ قیل بکسر المھملۃ (حا اور قاف کے کسرہ کے ساتھ) تحقیق

لفظی ہے۔

قولہ واستمرّت ای اثر الموت اثرِ موت سے مُراد زردی رنگ ہے۔ لاتبدیلَ الثوب بالکفن چنانچہ بعض قبائل یہود میں اب تک زرد رنگ چلے آرہے ہیں۔

قولہ ومنهُ اَحیاءِ هٰؤلاءِ (اُن لوگوں کا زندہ کرنا تھا) ماقبل میں موت بنی اسرائیل کا تذکرہ تھا، اچانک فضل کا ذکر شروع کر دیا ہے جو بظاہر مناسبت نہیں کھتا تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ربط پیدا کرنے کے لئے یہ جملہ نکالا کہ موت اور فضل کو آپس میں ربط ہے کہ زندہ کرنا بھی اس ذات پاک کا فضل ہے یعنی منجملہ اس فضلوں میں سے ایک فضل تمہارا زندہ کرنا بھی ہے۔

قولہ وهمُ الکفار (یعنی کفار) اشارہ فرمایا کہ النّاس کی الف لام عہد کی ہے، اس سے کافر مُراد ہیں۔

قولہ والقصد من خبر ذکر هٰؤلاء (مقصد ان لوگوں کے تذکرہ سے مسلمانوں کو جہاد پر دلیر کرنا ہے اس لئے اس پر عطف ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ وقاتلوا کا عطف ہے سابقہ قصہ پر جب کہ معطوف (وقَاتِلُوْا) اور معطوف علیہ (وهو قصہ) میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ معطوف خبر اور معطوف علیہ انشاء ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ مقصد اس قصہ سے مسلمانوں کو شوق دلانا ہے کہ موت وحیات تقدیر الٰہی کے تابع ہے۔ جنگ وجہاد میں جانا موت کا سبب نہیں ہے اور بزدلی سے جان چُرانا بچنے کا ذریعہ نہیں لہٰذا میرا پیغمبر جب ہی جہاد کا حکم دے بغیر کسی حیل حجت کے جہاد کے حکم کی تعمیل کرو۔

۲ **قولہ** ای لاَعلاءِ دِینہٖ (دین کی بلندی کے لئے) علت قتال ہے ثانیاً اشارہ فرمایا کہ سبیل سے سبیلِ معنوی مُراد ہے نہ کہ حِسّی

قولــہ لاقوالکم قولــہ باحوالکم صلہ جات و محلات ہیں

قولــہ فیجازیکم (اس لئے تم کو بدلہ دیں گے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل مُرادی معنیٰ بیان فرمایا ہے سَمِیۡعٌ ، عَلِیۡمٌ کا۔ دوّم ، بیان ربط ہے ، فلایرد انہ مافائدۃ ذکر ھذین الوصفین ھٰھنا ۔

قولــہ بانفاق مالہ (مال خرچ کرکے) بانفاق کی تصویر یہ ہے ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے قرض کی صُورت بیان کی ہے ۔ ثانیًا اشارہ فرمایا کہ قرض مجازی معنےٰ (انفاق) میں ہے ۔ لا حقیقی (اُدھار)

قولــہ فی سَبِیلِ اللہ (اللہ کی راہ میں) محل انفاق ہے یعنی مال کے خرچ کرنے کا مقام ومحل را ہے ، خدا ہے نہ کہ خود ذات باری تعالٰے کیونکہ قرض دیا جاتا ہے حاجت منداور محتاج ہستی کو ، جبکہ ذات باری تعالٰے منزہ عن الحاجۃ کما فی قولہ تعالیٰ : وَاللہُ الغنیّ وانتم الفقراءُ لهٰذا قرض عبارۃ عن الانفاق فی سبیلہ ۔

قولــہ بان ینفقہ لِلّٰہِ تعالیٰ عَن طیب قلب (کہ اللہ کی راہ میں خوش دلی سے صرف کرے) اس کی دو غرضیں ہیں ۔ اوّل بان کی باتصویر یہ ہے ۔ علامہ سیُوطیؒ نے قرضِ حسَن کی صُورت بیان کی ہے ۔ دوئم اشارہ فرمایا کہ اَنَّ المُراد من الاقراضِ المعنی الاوّل وھو اعطاء العین

قولــہ عن طیب قلب بیان شرائط قرضِ حسنہ کہ خوشی خوشی انسان اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کرے ، ریا واکراہ نہ ہو۔ کما فی قولہ تعالیٰ : وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَھُمۡ کَارِھُوۡنَ ۔

قولــہ وفی قراءۃ بیان قراءت ہے اور تشدید سے مراد تکثیر ہے ۔

قولــہ من عشر الی سبع مائۃٍ (دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ سے بھی زائد) اَضۡعَافًا کَثِیۡرًا کی تعیین فرمائی ہے ۔

قولــہ کما سیاتی بیان قرینہ ہے اور اس سے مُراد آیت مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ الخ ہے

قولہ یمسك الرزق (بند کر دیتے ہیں رزق کو) یقبض کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر۔ ثانیاً اشارہ فرمایا کہ ان القبض بمعنی الامساک والمنع لا بمعنی الاخذ والقبضة کما یتوهم من الظاهر۔

قولہ عمن یشاء او قولہ لمن یشاء (جس سے چاہتے ہیں، جس کے لئے چاہیں) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ یقبض و یبسط بظاہر منافی ہیں کیونکہ دونوں لفظ مطلق ہیں فیفهم منه یقبض الکل و یبسط الکل جبکہ بظاہر مخلوق کے حالات اس کے خلاف ہیں۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ دو کلمات نکال کر جواب دیا کہ قبض اور بسط کا تعلق کل کے ساتھ نہیں بلکہ میری مرضی کے ساتھ ہے یعنے قبض و بسط کلی نہیں بلکہ جزئی ہے۔

قولہ ابتلاءً قولہ امتحاناً (بطور آزمائش و بطور امتحان) یہ دونوں مفعول فعل یقبض و یبسط کے یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

قولہ یوسعہ یبصطہ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

فائدہ وَاللہ یقبض یہ ماقبل کی دلیل ہے یعنی انفاق کی وجہ سے مال کم نہیں ہوتا قابض و باسط تو حق تعالیٰ ہیں وہ دونوں طریقوں سے بندوں کی آزمائش کرتے ہیں لیکن تنگی کی بہ نسبت فراخی کا امتحان زیادہ پُرخطر ہوتا ہے۔

قولہ فی الآخرۃ محل رجوع بیان کیا ہے

قولہ بالبعث اس کی با تصویر یہ ہے رجوع کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ فیجازیکم بأعمالکم مرادی معنیٰ بیان فرمایا ہے یعنی ذکر رجوع مراد جزائے اعمال ہے، جزاء کی کیفیت یہ ہوگی کہ فیثیب المنفق ویعذب الممسک

بیان فوائد

موت و حیات اللہ کے قبضہ میں ہے آیاتِ مذکورہ کے واقعہ کو بیان

فرماکر یہ واضح کرنا ہے کہ موت وحیات اللہ تعالےٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے اور نہ طاعون سے بھاگنا زندگی کا سبب ہے اور نہ جہاد اور میدانِ جنگ میں جانا موت کا سبب ہے۔ نہ بزدلی بچا سکتی ہے اور نہ بہادری مار سکتی ہے، تقدیر الٰہی کے مقابلے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، موت کا ایک وقت مقرر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

نیز اس دوبارہ زندہ ہونے کے واقعہ سے ان آیات پر شبہ نہیں ہونا چاہیئے جن میں قیامت سے پہلے مرکر دنیا میں دوبارہ آنے کی نفی کی گئی ہے کیونکہ ان آیات کا مقصد عام عادت کی نفی کرنا ہے اور اس آیت میں بطور خرقِ عادت اور خلافِ عادت ایسا ہورہا ہے۔

حضرت خالد رضؓ سیف اللہ کی وفات

عجائب قدرت سے ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضؓ کے سب سے بڑے جنگی جرنیل سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنکی اسلامی عمر ساری جہاد ہی میں گزری کہ وہ کسی جہاد میں شہید نہیں ہوئے، بیمار ہوکر گھر میں وفات پائی، وفات کے قریب اپنے بستر مرگ پر مرنے کا افسوس کرتے ہوئے گھر والوں کو خطاب کرکے فرمایا کہ میں فلاں فلاں عظیم الشان جنگوں اور جہادوں میں شریک ہوا اور میرا کوئی عضو ایسا نہیں ہے جس میں تیر یا نیزے یا چوٹ کے زخم اور نشان نہ ہو، مگر افسوس ہے کہ میں اب بستر پر مررہا ہوں، خدا تعالےٰ بزدلوں کو آرام نہ دے ان کو میری نصیحت پہنچا دو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ الجماعة مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ای الی قصتهم وخبرهم اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ هو شَمْوِیل ابْعَثْ اقم لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ معه فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تنتظم به كلمتنا

ونرجع اليه قَالَ النبي لهم هَلْ عَسَيْتُمْ بالفتح والكسر اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا خبر عسى والاستفهام لتقرير التوقع بها قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا بسبيهم وقتلهم وقد فعل بهم ذٰلك قوم جالوت اى لا مانع لنا منه مع وجود مقتضيه قال تعالى: فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا عنه وجبنوا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وهم الذين عبروا النهر مع طالوت كما سيأتي وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بالظالمين فيجازيهم

ترجمہ: کیا تم کو تحقیق نہیں ہوا واقعہ قوم (جماعت) بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام (کی وفات) کے بعد (یعنی ان کا قصہ اور ان کی خبر تم تک نہیں پہنچی ہے) جبکہ انھوں نے اپنے ایک نبی (شمویل) سے کہا کہ آپ بھیجئے (مقرر کر دیجئے) ہمارے لئے ایک بادشاہ کہ ہم (اس کے ساتھ مل کر) اللہ کی راہ میں قتال کریں (جو ہماری تنظیم کر سکے اور ہم اس کو مرجع سمجھیں) فرمایا (پیغمبر نے اُن سے) کیا یہ ممکن ہے (لفظ عسیتم فتحہ سین اور کسرہ سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم جہاد نہ کرو (الا تقاتلوا خبر ہے عسیٰ کی اور استفہام تقریر توقع کے لئے ہے) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے لئے کیا سبب ہے کہ ہم اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد نہ کریں، حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنی اولاد سے بھی جُدا کر دیئے گئے ہیں

قید یا قتل کی وجہ سے قوم جالوت نے اُن کے ساتھ یہ کارروائی کی تھی یعنے جہاد سے کوئی مانع موجود نہیں بلکہ مقتضیٰ موجود ہے، حق تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں) پھر جب اُن کو جہاد کا حکم ہوا تو سب پھر گئے (جہاد سے اور بزدلی اختیار کی) باستثنائے چند لوگوں کے (جنھوں نے طالوت کی معیت میں نہر کو پار کیا تھا جیساکہ آگے آرہا ہے) اور اللہ تعالےٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں (چنانچہ ان کو سزا دیں گے)

بیان ربط جہاد و قتال کی تمہید کے طور پر حضرت حزقیل کے زمانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، پھر انفاق فی سبیل اللہ کا مضمون اس کی تائید کے لئے بیان ہوا۔ اب اس پورے ڈیڑھ رکوع میں طالوت وجالوت کا واقعہ بھی جہاد کی تیاری کے لئے بیان ہو رہا ہے۔ نیز انفاق کے ذیل میں قبض وبسط مالی کا ذکر تھا۔ اس واقعہ میں اس کا مشاہدہ بھی کرا دیا کہ فقیر کو بادشاہ اور بادشاہ کو فقیر بنا دیا، اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

بیان شان نزول تفسیر کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے طوالت کیوجہ سے ترک کیا جا رہا ہے

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ ألم تر ضمنت معنیٰ ینتھی فعدیت بالی کما تقدم نظیرہٗ والاستفھام ھنا نظیرہ ما تقدم

قولہ الجماعۃ (جماعت) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ املاء بمعنیٰ جماعت ہے۔ ملاء اور املاء۔ دونوں لفظ جماعت کے معنیٰ میں ہیں اور ملاء۔ قوم کی طرح اسم جمع ہے جس کا واحد نہیں ہے۔ باقی ملاء بمعنے بھرنا یعنی اہل شورہ یا اشراف جنکی ہیبت وعظمت سے جگہ بھری معلوم ہوتی ہے۔

قولہ موت ۔ بعدیت دو قسم ہے (۱) بعیدہ (۲) قریبہ ۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے موت کا لفظ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ بعدیت بعیدہ مُراد ہے نہ کہ قریبہ

قولہ ای الیٰ قصتھم وخبرھم (یعنی ان کا قصہ اور اُن کی خبر تم تک

نہیں پہنچی ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ ذکر تو جماعت بنی اسرائیل کا ہے لیکن مراد اس سے قصہ و خبر ہے کیونکہ کسی جماعت کی ذات مقصود نہیں ہوتی اور نہ وہ قابل عبرت و دلیل ہوتی ہے بلکہ اصلاً قابلِ عبرت و قابل دلیل ان کا قصہ اور ان کی خبریں ہوتی ہیں، اس لئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ مقدر کیا ہے یعنی بیان مضاف مقدر ہے دوم مرادی معنی بیان کیا ہے۔

قولہ هو شموبل تعیین نبی ہے بعض نسخہ میں اول ہمزہ زائد ہے اور یہ لفظ مرکب ہے۔ شمو یعنی اسمع اور ایل بمعنے اللہ یعنی اسمع یا اللہ دعائی ان کے اور حضرت یوشع علیہ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہوتے اور بعض کی رائے ہے کہ حزقیل اور الیاس اور یسع علیہم السّلام کے بعد ہوتے ہیں۔

قولہ (اقم) مقرر کردیں) البعث کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قولہ معہ (اس کے ساتھ مل کر) مَلِکًا موصوف نقاتل اس کی صفت ہے، موصوف اور صفت کے درمیان رابطے کا ہونا ضروری ہے جو بشکلِ ضمیر ہو، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ربط پیدا کرنے کے لئے ضمیر کو مقدر کیا ہے، یعنی بیان ربط ہے۔

قولہ تنتظم کلمتنا و نرجع الیہ (جو ہماری تنظیم کرسکے اور ہم اس کو مرجع سمجھیں) غرض قیام ملک ہے۔ ثانیاً، اشارہ فرمایا کہ ملک سے مُراد سید الجیش ہے۔

قولہ النبی۔ بیان تعیین مرجع ہے۔

قولہ لھم مقول لھم کا بیان ہے۔

قولہ بالفتح والکسر۔ ای السین بیان قراءت ہے۔

قولہ خبر عسٰی الا تقاتلوا خبر ہے عسٰی کی۔ یعنی بیان ترکیب ہے عَسٰی اور اس کی خبر کے درمیان شرط فاصل (اِن کُتِبَ) ہوگئی ہے اصل عبارت تھی ای اتوقع جنبکم من القتال اِن کتب علیکم۔

قولہ والاستفھام لتقریر التوقع بھا (اور استفہام تقریر توقع کے لئے ہے) تعیین استفہام ہے یعنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ھل کو فعل متوقع (عسٰی)

پر داخل کرکے استفہام کیاگیاہے۔ تقریرِ تثبیت کے لئے تو اس جملے میں توقع اور متوقع دونوں آگئے۔

قولہ بسبیھم وقتلھم (قتل یا قید کی وجہ سے) بسبیھم کی باء تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اخراج من الدیار والابناء کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ وقد فعل بھم ذالک قوم جالوت (قوم جالوت نے ان کے ساتھ یہ کارروائی کی تھی) اخراج کی تاریخ کا بیان ہے۔ قوم جالوت مصر و فلسطین کے درمیان رہائش پذیر تھی اور چارسو چار شہزادے ان کے گرفتار کرلیے گئے تھے، اسی طرف اس جملے میں اشارہ ہے، جالوت قوم عمالقہ کا بڑا سرکش بادشاہ تھا جو عملیق بن عاد کی اولاد سے تھا۔

قولہ ای لا مانع لنا منہ مع وجود مقتضیہ (یعنی جہاد سے کوئی مانع موجود نہیں بلکہ مقتضی موجود ہے) آیت سابقہ قالوا ومالنا الا نقاتل کا حاصل معنی بیان کیا ہے۔ ثانیًا اشارہ فرمایا کہ ان الاستفہام للانکار بمعنی النفی

قولہ قال تعالیٰ بیان ربط ہے اور فلما کتب سے پہلے عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فدعا شمویل ربہ بذالک فبعث لھم ملکا وکتب علیھم القتال۔ فلما کتب الخ

قولہ عنہ صلہ تولّوا بیان کیا ہے۔

قولہ جُبُنُوا (بزدلی اختیار کی) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اوّلؔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تولّی کا صلہ جب علیٰ آئے تو بمعنی پھرنا آتا ہے جو نشانی ہے بزدلی کی۔ دوّم اشارہ فرمایا کہ تولّی میدانِ جنگ کی نہیں بلکہ تولّی فی الطریق ہے یعنی میدانِ جنگ تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے سے بھاگ گئے۔

قولہ وھُمُ الذین عبروا النھر معَ طالوت (جنھوں نے طالوت

کی معیت میں نہر کو پار کیا تھا) تعیین ہے قلیلاً کی کہ یہ لوگ قلیل التعداد تھے ان خواص کی تعداد ۳۱۳ تھی، بدریین کی تعداد کے موافق۔

قولـــه كما سيأتی بیان قرینہ ہے۔

قولـــه فيجازيهم (چنانچہ اُن کو جزا دیں گے) بیان مُرادی معنیٰ ہے یعنی ذکر علیهم مُراد جزا ہے۔

وسال النبی ربه ارسال ملك فاجابه الی ارسال طالوت وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْا اَنّٰى كيف يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ لانه ليس من سبط المملكة ولا النبوة و وكان دباغا اوراعيا وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ يستعين بها على اقامة الملك قَالَ النبی لهم اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ اختاره للملك عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً سعة فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وكان اعلم بنی اسرائيل يومئذٍ واجملهم واتمهم خلقا وَاللّٰهُ يُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ايتاءه لا اعتراض عليه وَاللّٰهُ وَاسِعٌ فضله عَلِيْمٌ بمن هو اهل له وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ لما طلبوا منه اٰية على ملكه اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ الصندوق

كان فيه صُور الانبياءِ انزلهُ اللهُ تعالیٰ علیٰ آدم واستمرّ
اليهم فغلبتهم العمالِقة عليه واخذوه وكانُوا يستفتحون
به علیٰ عدوّهم ويقدّمونه فی القتال ويسكنون اليه
كما قال تعالیٰ فِيهِ سَكِينَةٌ طمانية لقلوبكم مِّن رَّبِّكُمْ
وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ موسیٰ وآلُ هَارُونَ ای تركاه
وهو نعلا موسیٰ وعصاه وعمامته هارُون قفيز من المنّ
الذی كان ينزل عليهم ورضاض الالواح تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ
حال من فاعل يأتيكم إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ علیٰ
ملكه إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فحملته الملٰئكة بين السماءِ
والارض وهم ينظرون اليه حتیٰ وضعته عند طالوت
فاقروا بملكه وتسارعوا الی الجهاد فاختار من شبابهم سبعين الفًا

ع ۶

ترجمہ

نبی علیہ السلام نے بادشاہ مقرر کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جو طالوت کی صورت میں منظور ہوئی) فرمایا پیغمبر نے ان لوگوں سے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے، کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمرانی کا حق کہاں (کیسے) حاصل ہو سکتا ہے، حالانکہ بہ نسبت ان کے حکمرانی کے ہم زیادہ مستحق ہیں (کیونکہ اوّل تو خاندانِ شاہی یا نبوت کے گھرانہ سے نہیں ہیں بلکہ رنگریز یا چرواہے ہیں دوسرے) ان کو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ہے

(جس کی اعانت سے مہماتِ ملکی چلا سکیں) فرمایا (پیغمبر نے ان سے) کہ (اولاً تو) اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے (سلطنت کے لئے ان کو نامزد کیا ہے) اور (دوسرے) ان کو زیادتی (وسعت) عطا فرمائی ہے، علم و جسامت میں (اور وہ اس دور میں تمام بنی اسرائیل سے اعلم اور خلقتاً اجمل تھے) اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں عطا فرمائیں (کس کو مجالِ اعتراض ہے) اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں (اپنے فضل کو) جاننے والے ہیں (کون سلطنت کے لائق ہے) اور فرمایا ان سے ان کے پیغمبر نے (جب کہ لوگوں نے پیغمبر سے اس کی بادشاہت کی علامت معلوم کرنی چاہی) ان کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا (اس صندوق میں انبیاء علیہم السّلام کی تصویریں تھیں جن کو خدا نے بھیجا تھا، آدمؑ کے پاس اور لوگوں کے پاس یہ صندوق برابر رہا حتیٰ کہ بنی عمالقہ ان لوگوں پر غالب آگئے، اور انہوں نے یہ صندوق اُن سے چھین لیا، حالانکہ یہ لوگ ان صندوق کی برکت سے دشمنوں پر فتوحات حاصل کرتے تھے، میدانِ جنگ میں اس کو آگے آگے رکھتے تھے اور اس سے تسکین حاصل کرتے۔ جیساکہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ) جس میں تسکین (دلوں کی) ہے) تمہارے پروردگار کیطرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں، جن کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السّلام چھوڑ گئے تھے (یعنی ان دونوں بزرگوں کا متروکہ تبرک ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے نعلین مبارک اور عصا مُبارک اور حضرت ہارون علیہ السّلام کا عمامہ مُبارک اور ایک تھیلہ اس گوند کا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اُتاری تھی اور تورات کی کچھ تختیاں تھیں) اس صندوق کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (یہ حال ہے یاتیکھ کے غافل سے) اس میں تمہارے لئے مکمل نشانی ہوگی (ان کی سلطنت پر) اگر تم یقین لانے والے ہو! چنانچہ فرشتوں نے اس صندوق کو آسمان و زمین کے درمیان اس طرح اُٹھا لیا کہ وہ دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ اس کو طالوت کے سامنے لاکے رکھا، لوگوں نے ان کی حکومت تسلیم کرلی اور جہاد کی تیاری شروع کردی، ستّر ہزار نوجوان بہادر منتخب کیئے۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ وسأل النبي بیان تفصیلِ قصہ ہے یعنی قصہ کی تفصیل اب یہاں سے شروع ہو رہی ہے۔

قولہ کیف (کیسے) اشارہ فرمایا کہ انّٰی بمعنی کیف ہے نہ کہ بمعنی این کے ہے

قولہ لانہ لیس من سبط المملکۃ ولا النبوۃ (کیونکہ وہ شاہی خاندان یا نبوت کے گھرانہ سے نہیں ہے) قَالُوْا اَنّٰی یَکُوْنُ سوال ہے اور نحن احق منشا سوال ہے۔ اب علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے منشا سوال کے دو سبب یا دو علتیں بیان کی ہیں لانہ سے علتِ اوّل بیان فرمائے ہیں کہ طالوت کا تعلق نہ تو خاندانِ نبوت سے اور نہ ہی خاندانِ شاہی سے ہے کیونکہ بادشاہت کا سلسلہ یھوذ بن یعقوب کی اولاد میں اور سلسلہ نبوّت لاوی بن یعقوب کی اولاد میں رہا ہے، برخلاف طالوت کے وہ ان دونوں سلسلوں سے الگ بنیامین بن یعقوب کی اولاد میں تھے جن میں نہ نبوت کا سلسلہ تھا اور نہ سلطنت کا بلکہ گناہوں اور برے کاموں میں لگے رہے۔

قولہ وکان دبّاغا او راعیاً (رنگریز یا چرواہے ہیں) یہ علت ثانی ہے جو وہ لوگ طالوت کے بادشاہ بننے کے لئے رکاوٹ سمجھتے تھے۔

قولہ یستعین بھا علی اقامۃ الملک (جس کی اعانت سے ملکی مہمات چلاسکیں) وَلَمْ یُؤْتَ سَعَۃً مِّنَ الْمَالِ یہ علت ثالث ہے ونحن احق بالملک کی اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یستعین سے حاصل معنٰی بیان کیا ہے وَلَمْ یُؤْتَ سَعَۃً مِّنَ الْمَالِ کا جبکہ بعض حضرات کے نزدیک یستعین بھا حاصل معنٰی ہے سعۃ کا اور علٰی اقامۃ الملک محل وسعت ہے۔

قولہ النبي لھم (پیغمبر نے ان سے) النبي بیان مرجع اور لھم مقول لھم کا بیان ہے۔

قولہ اختارہ (نامزد کیا ہے) اصطفٰی کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ

بلفظ آخر، اللہ تبارک وتعالٰی نے ان کے سوال (قَالُوْا اَنّٰى يَكُوْنُ الخ) کے چار جواب دیتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى سے جواب اوّل ہے۔

قولہ لِلْمُلْكِ (سلطنت کے لئے) اس کی دو غرضیں ہیں ا۔

اوّل محل اصطفیٰ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو حکومت کرنے کے لئے منتخب کیا ہے

دوم عموماً کلمہ اصطفیٰ کا اعطائے نبوت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ الخ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مقام ہذا پر اصطفیٰ للنبوۃ نہیں بلکہ حکومت کے لئے ہے۔

قولہ سَعَةً (وسعت) بَسْطَةً کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر، نیز وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ جواب ثانی ہے اَنّٰى يَكُوْنُ کا۔

قولہ وکَانَ اَعلم بنی اسرائیل یومئذٍ واجملھم واتمھم خَلْقًا (اور وہ اس دور میں تمام بنی اسرائیل میں اَعلم اور خلقۃً اجمل واتم تھے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے وکان اعلم بنی اسرائیل یومئذٍ سے بَسْطَةً فِی العلم کا حاصل معنے بیان کیا ہے اور واجملھم الخ سے بَسْطَةً فی الجسم کا حاصل معنے بیان کیا ہے

یقول ابو الاسعاد اُمور مملکت چلانے کے لئے سربراہِ مملکت میں دو شرائط کا ہونا ضروری ہے

اوّل: قوت علمی کہ اس وقت کے دین کا اس کو پورا پورا علم ہو اور اس میں اسکو مہارتِ تامّہ حاصل ہو اور یہ قوت علمی سربراہِ مملکت کو امور سیاست کی معرفت میں ممدّ و معاون ہوگی۔

دوم: قوتِ بدنی کہ صحت کے اعتبار سے سربراہِ مملکت تندرست و توانا ہو اور یہ قوت بدنی سربراہِ مملکت کو اُمور حرب میں معاون ہوسکتی ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے وکان اعلم سے قوت علمی کیطرف اشارہ فرمایا اور اَجملھم

سے قوت بدنی کی طرف اشارہ فرمایا۔

سوال مقام ہذا پر ایک سوال ہے جو خالی از فائدہ نیست، کیفیتِ سوال یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ جواب بھی مال کا ہوتا جبکہ اس کے مقابلے میں علم اور جسم کو نقل فرمایا۔

جواب بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ کا اندازِ بیان اختیار فرما کر اشارہ کیا، علم وسعت اولیٰ و افضل ہے، جہالت اور مال سے کیونکہ لانّ المال یمکن سلبها بخلاف العلم فافهم وتفکر یاأیها السامع

قوله ایتاءه يَشَاءُ کا مفعول بیان کیا ہے یعنی بیان ترکیب ہے، نیز وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ سے جوابِ ثالث ہے قَالُوْا اَنّٰى يَكُوْنُ الخ کا۔

قوله لا اعتراض علیه (کس کو مجال اعتراض ہے) بیان حاصل معنیٰ ہے۔

قوله فضله (اپنے فضل کو) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ وسعت ذاتی مراد نہیں (کما قاله الصوفیاء) بلکہ وسعت صفتی مراد ہے، یعنی ای فیوسع علی الفقیر ویغنیه کہ فقیر راعی یا زنگریز کو بادشاہ بنا دے، نیز وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ سے جوابِ رابع ہے قَالُوْا اَنّٰى يَكُوْنُ کا۔

قوله بمن هو اهله (کون سلطنت کے لائق ہے) صلہ علیم یا محل علم ہے

قوله لما طلبوا منه اٰیةً علی مُلکه (جبکہ لوگوں نے پیغمبر سے اس کی بادشاہت کی علامت معلوم کرنا چاہی) بیان ہے زمان قال کا کہ کب فرمایا تھا ان کے نبی نے ان کو جب انھوں نے بادشاہت پر نشانی طلب کی۔

قوله الصندوق تابوت کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔ تابوت توب سے ہے جس کے معنے رجوع کے ہیں۔ صندوق کو بھی توب کہتے ہیں، کیونکہ اس میں چیزیں بار بار رکھی اور نکالی جاتی ہیں۔ یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، تین ہاتھ چوڑا اور دس ہاتھ لانبا اس پر سونے کا ملمع ہوا تھا، اس میں تورات و تبرکات رکھے ہوتے تھے چنانچہ اس سے تبرکات کا مفید ہونا معلوم ہوا مگر اس میں اعتدال ملحوظ رہنا چاہیے

قولہ وکان فیه صُورُ الانبیاء الخ علامہ سیوطی رحہ نے کیفیت صندوق یا بیان حالت صندوق ذکر فرمایا ہے ہیں۔

قولہ واستمر الیهم الخ یعنی حضرت آدم علیہم السّلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام ثم الی موسیٰ بعدہ حضرت شمویل کے پاس رہی۔

قولہ فغلبتهم العمالقة علیه علیہا کا ضمیر صندوق کی طرف راجع ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اس مقام پر وعدہ خلافی کی ہے اُنہوں نے خطبہ میں فرمایا کہ میں ارجح الاقوال نقل کروں گا حالانکہ صُورت انبیا۔ والا قول اسرائیلی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صندوق میں تورات کی الواح اور صُورت انبیا۔ نہیں تھیں۔

قولہ کما قال تعالیٰ بیان قرینہ ہے۔

قولہ طمانیة (دلوں کی چین) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ سکینہ کا معنیٰ کیا ہے عند البعض سکینہ کی تفسیر باللازم بیان کی ہے کیونکہ سکون کے لئے اطمینان لازم ہے۔

قولہ لقلوبکم محل سکون بیان کیا ہے۔

قولہ ای ترکاہ (یعنی ان دونوں بزرگوں کا متروکہ مُراد ہے) علامہ سیوطی رح نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ آل کا لفظ زائد ہے محاورۃً یا تفخیم شان کے لئے بڑھا دیا جاتا ہے جیسے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ مگر مقام ہٰذا پر ذکر ال کا ہے لیکن مُراد وہ خود بزرگ ہستیاں ہیں۔

قولہ وهو نعلا موسیٰ وعصاہ۔ مما ترک کے ما بیان ہے کہ اس سے مُراد یہ یہ چیزیں تھیں۔

قولہ رضاض ای قطع یعنی ٹکڑے۔

قولہ حال من فاعل من یاتیکم (یہ حال ہے یاتیکم کے فاعل سے) یعنی تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ حال بن رہا ہے تابوت سے جو یاتیکم کا فاعل ہے۔ هٰذا بیان الترکیب

قولہ علی مُلکہٖ ان کی سلطنت پر امحل آیت یا علیہ الآیت ہے صندوق کا واپسی آنا، حضرت شموسیل علیہ السلام کا معجزہ تھا اور طالوت بزرگ کی کرامت تھی۔

قولہ فحملتہُ الملٰئکۃ بین السماءِ والارض الخ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے کیفیتِ حمل صندوق بیان فرمائی ہے

یقول شیخ جاجروی رحمۃ القوی بعض روایات میں ہے کہ جب جالوت والے وہ صندوق لے گئے جو کہ کبھی نشان فتح تھا۔ ان کے لئے مصیبت کا نشان بن گیا، جہاں اس کو رکھتے، مصیبتوں اور بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا، چنانچہ انہوں نے اس صندوق کو بیل گاڑی پر رکھ کر چھوڑ دیا، جو چلتی چلتی حضرت طالوت کے پاس آکر ٹھہر گئی، یہ روایت غیر صحیح ہے، صحیح قول علامہ سیوطی والا ہے کہ فحملتہ الملٰئکۃ کہ فرشتے اس کو اٹھا کر لائے تھے۔

فَلَمَّا فَصَلَ خرج طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ من بیت المقدس وکان حرًّا شدیدًا وطلبوا منہُ الماء قَالَ اِنَّ اللہَ مُبْتَلِیْکُمْ مختبرکم بِنَهَرٍ لیظهر المطیع منکم و العاصی وھو بین الاُردن وفلسطین فَمَنْ شَرِبَ مِنْہُ ای من مائه فَلَیْسَ مِنِّیْ ای من اتباعی وَمَنْ لَّمْ یطعمه یذقه فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بالفتح والضم بِیَدِهٖ فاکتفیٰ بھا ولم یزد علیھا فَاِنَّهٗ مِنِّیْ فَشَرِبُوْا مِنْهُ لما وافوہ بکثرۃ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ

فاقتصروا على الغرفة روی انها کفتهم لشربهم و
دوابّهم وکانوا ثلاثمائة وبضعة عشر فَلَمَّا جَاوَزَهٗ
هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ هم الذین اقتصروا علی الغرفة
قَالُوْا ای الذین شربوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ
وَجُنُوْدِهٖ ای بقتالهم وجبنوا ولم یجاوزوه قَالَ
الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ یوقنون اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ بالبعث
وهم الذین جاوزوه کَمْ خبریة بمعنی کثیر مِّنْ فِئَةٍ
جماعة قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ بارادته
وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ بالنصر والعون

ترجمہ پھر جب طالوت نوجوانوں کو لے کر چلے (بیت المقدس سے سخت گرمی پڑ رہی تھی، اُن سے لوگوں نے پانی طلب کیا) طالوت کہنے لگے کہ اللہ تعالےٰ تمہارا امتحان کریں گے (آزمائیں گے) ایک نہر کے ذریعے (تاآنکہ فرمانبردار اور نافرمان کھل جائیں) اور وہ نہر اُردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ سو جو شخص اس سے پانی پیوے گا (یعنی اس پانی کو پیئے گا) وہ میرے ساتھیوں میں نہیں ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں داخل نہیں ہے) اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے (نہ چکھے) وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو پیئے گا ایک چلو بھر (غرفة بفتح الغین والضم) اپنے ہاتھ سے (اور اسی پر اکتفا کرے اس سے زیادہ نہ بڑھے وہ بھی میرے ساتھ ہے) سو سب نے اس سے پینا شروع کر دیا، جب اس شہر پہنچے اکثروں نے بجز چند آدمیوں کے ان میں سے

(یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے صرف چُلو پر اکتفا کیا۔ روایت ہے کہ یہی ایک چُلو اُن کے اور ان کے گھوڑوں کے لئے کافی ہوگیا اور وہ تین سو تیرہ تھے) سو جب طالوت اور ان کے مؤمن ساتھی نہر کے پار اُتر گئے (جنھوں نے ایک چلو پر اکتفا کیا تھا) کہنے لگے (جنھوں نے پیا تھا) آج ہم میں تو جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت معلوم نہیں ہوتی (یعنی ان سے لڑنے میں بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آگے نہیں بڑھ سکے) کہنے لگے وہ لوگ کہ جن کو خیال (یقین) تھا کہ اللہ تعالیٰ کے رُوبرُو پیش ہوں گے (قیامت کے روز اور ایسے وہ لوگ تھے جو نہر سے پار ہو گئے تھے) اکثر (کم خبریہ ہے بمعنے کثیر) چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم (ارادہ) سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں (اعانت اور امداد فرما کر)

بیانِ اغراضِ جلالین

قولہ خرج فصل کا معنی بیان کیا ہے، دوم: دفعیہ سوال مقدر کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ فصل متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے لاحاجۃ دخول الباء فی مفعولہ وھو الجنود۔

جواب ان فصل جاء فی استعمال العرب متعدیا ولازما اور مفعول کا حذف بکثرت ہوتا ہے، اس لئے بمنزلے لازم کے ہوگیا۔

قولہ من بیت المقدس۔ خروج کا مبدأ بیان کیا ہے کہ نکلنے کی ابتداء بیتُ المقدس سے ہوئی۔

قولہ وکان حرًّا شدیدًا وطلبوا منہُ الماءَ (سخت گرمی پڑ رہی تھی ان سے لوگوں نے پانی طلب کیا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے وقتِ خروج کی کیفیت بیان کی ہے کہ جب طالوت کا لشکر بیتُ المقدس سے نکلا تو سخت گرمی پڑ رہی تھی، پیاس کی شدت ہوئی جس کی وجہ سے لشکر نے پانی مانگا۔

قولہ مختبرکم (آزمائیں گے) مبتلیکم کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر لیکن بعض حضرات مبتلیکم کا معنی کرتے ہیں۔ ای یعاملکم

معاملة المختبر یعنی امتحان والا معاملہ کرنے والا ہے کیونکہ اللہ پاک تو عالم الغیب ہیں ان کو تمامی مخلوق کے حال کا علم ہے ان کو امتحان لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

قولہ لیظهر المطیع منکم والعاصی (تا آنکہ فرمانبردار اور نافرمان کھل جائیں) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ کی علت بیان کی ہے کیونکہ آزمائش کے وقت کھوٹے کھرے کی پہچان ہوتی ہے۔

قولہ وهو بین الاردن وفلسطین (وہ نہر اُردن اور فلسطین کے درمیان تھی) تعیین نہر ہے۔

قولہ ای من مائہ (یعنی اس پانی کو پئے گا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مضاف مقدر کیا ہے۔ کیونکہ ذات نہر کو پینا غیر ممکن ہے۔

قولہ ای من اتباعی (یعنی میری جماعت میں نہیں ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج از ایمان نہیں جبکہ مقام ہذا پر تو خُرُوج عن الایمان سمجھا جا رہا ہے یعنی جس نے پانی پیا فلیس منّی جبکہ پانی پینا گناہ کبیرہ تھا۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے مضاف مقدر کر کے جواب دیا کہ فلیس منّی میں مطلقاً نفی نہیں بلکہ ساتھ چلنے کی نفی ہے یعنی بیان مضاف مقدر ہے اس کی مثال جیسے کہ حدیث پاک میں ہے لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا۔

قولہ یذقہ (نہ چکھے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ مطعومات کا تعلق اَکَلَ سے ہوتا ہے اور مشروب کا تعلق شرب سے ہوتا ہے جبکہ مقام ہذا پر معاملہ برعکس ہے۔ یعنی ذکر پانی کا ہے اور اس کا تعلق شرب کے بجائے اکل سے ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ لگا کر اشارہ فرمایا کہ مطعوم کا تعلق اکل وشرب دونوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی لم یطعمہ سے مُراد نفسِ ذوق نہیں ہے بلکہ مَا یُوْذِیہ الذوق مُراد ہے ماکول ہو یا مشروب

حاصل الجواب طعم کا استعمال ماکول ومشروب میں شائع وذائع ہے یقال طعم الشیئ اذا ذاقه ماکولاً او مشروبًا کما قال الشاعر۔

فَاِنْ شئتُ لم اَطعم نقاخا ولا بردًا

والنقاخ الماء العذب وقد جعله مفعول لم اطعم والبرد النوم

قوله بالفتح والضم بیان قرأت ہے

قوله فاکتفی بھا ولم یزد علیھا (اور اسی پر اکتفا کرے اس سے زیادہ نہ بڑھے) اس کا تعلق غُرْفَۃً کے ساتھ۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے الا من اغترف غرفة کا حاصل معنی بیان کیا ہے کہ بس ایک چلو پر گزارا کرتا ہے اس سے زیادہ نہیں پیتا۔

قوله فانه منی (وہ بھی میرے ساتھ ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غَرْفَةً کی استثناء۔ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّیْ سے ہے لا من قوله وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ سے جیسے کہ قریب کا تقاضا ہے اور استثناء بھی منقطع ہے

قوله لما وافوه (جب اس نہر پر پہنچے) بیان زمانہ شرب ہے کہ پہنچنے کے بعد انہوں نے پانی پیا۔

قوله بکثرة (اکثروں نے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اِلَّا قَلِيْلًا کی استثناء۔ شَرِبُوا کی ضمیر سے ظاہرًا صحیح نہیں ہے کیونکہ شرب قلیل تو اس نہر سے تھا اور اس کی اجازت تھی۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ مقدر کر کے اشارہ فرمایا کہ استثناء مطلق شرب کی نہیں جیسے کہ فمن شرب منه فلیس منی سے سمجھا جارہا ہے بلکہ شرب جو مقید بالکثرت ہو اس کی استثناء ہے۔

حاصل الجواب یہ ہے کہ فشربوا منه سے اِلَّا قَلِيْلًا کی استثناء مقید بکثرت ہے۔

قوله فاقتصروا علی الغرفة (یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے صرف

چلو پر اکتفا کیا) اس کی دو غرضیں ہیں۔
اوّل: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اِلا قلیلًا کا حاصل معنٰی بیان کیا ہے کہ قلیلاً سے مُراد یہ ہے کہ بس ایک چُلو پر اکتفاء کر لیا۔ دوّم: صحت استثناء کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو مقید بالکثرت ہے فتامل

قولہ وروی انہا کفتہم الخ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے وروٰی سے فاقتصروا علی لغرفۃ پر قرینہ بیان کیا ہے کہ اتنی تعداد پھر ان کے جانور وغیرہ بھی ساتھ تھے، تمامیوں کو ایک چلو پانی کافی ہو گیا یعنی بیانِ قرینہ ہے۔

قولہ وبضعۃ عشر۔ البضعۃ من ثلثۃ عشر الی تسعۃ عشر لکن المراد ہنا ثلاثۃ عشر کما فی اکثر الروایات وہم عدۃ غزوۃ بدر

قولہ ہم الذین اقتصروا علی لغرفۃ (جنھوں نے ایک چلو پر اکتفا کیا تھا) الذین موصول کی تعیین فرمائی ہے یعنی تعیین موصول ہے

قولہ ای الذین شربوا (جنہوں نے پیا تھا) بیانِ مرجع ہے۔

قولہ ای بقتالہم (یعنی ان سے لڑنے کی) بیان مضاف مقدر ہے یعنی اشارہ کیا کہ لا طاقۃ لنا کا تعلق فعل قتال سے ہے لا ذاتِ جالوت کیا تھ

قولہ وجبنوا ولم یجاوزوہ (بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آگے نہیں بڑھ سکے) اس کی دو غرضیں ہیں۔
اوّل لا طاقۃ لنا الیوم کا حاصل معنی بیان کیا ہے
دوّم علامہ سیوطی رحمۃ اللہ اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جنہوں نے پیٹ بھر کر پانی پیا، وہ نہر عبور نہ کر سکے ایک چُلو پانی پینے والے نہر پار کر گئے۔

قولہ یوقنون (یقین تھا) اشارہ فرمایا کہ ظن فی معنی الیقین ہے کما مر

فائدہ آخرت کی ملاقات کا یقین اگرچہ ہر مومن کے لئے ضروری ہے لیکن یہاں تخصیص کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کو اپنی قریبی شہادت کا یقین ہو گیا

ہو کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی اور اس ملاقات کا ظن بھی موجب طاعت ہے تو یقین محکم اور عزم راسخ تو کیوں باعثِ اطاعت نہیں ہوگا گویا اسمیں مبالغہ ہے۔

قولہ بالبعث (قیامت کے روز) اس کی با تصویر یہ ہے، علامہ سیوطیؒ رحمہ اللہ نے ملاقات کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ وھم الذین جاوزوہ (اور ایسے لوگ وہ تھے جو نہر سے پار ہو گئے تھے) الذین یظنون موصول کی تعیین کی ہے یعنی تعیین موصول ہے۔

قولہ کم خبریہ بمعنیٰ کثیر (کم خبریہ ہے بمعنیٰ کثیر) کم کی تعیین کی ہے کہ کم خبریہ ہے جو کثیر کے معنیٰ میں ہے لیکن استفہامیہ نہیں ہے۔ چنانچہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کم استفہامیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ استفہامیہ کی تمیز پر بغیر فصل مِن داخل نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ کم خبریہ ہے۔

قولہ جماعۃ فئۃ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللّفظ بلفظٍ آخر۔

قولہ بارادتہ (ارادہ سے) اذن بمعنٰی رضا بھی ہے اذن بمعنیٰ فضل بھی ہے، علاّمہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اذن ارادے کے معنیٰ میں ہے یعنی تعیین احدُ المعانی ہے۔

قولہ بالنّصر والعون (اعانت اور امداد فرما کر) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّل بالنّصر کی با تصویریہ ہے۔ علاّمہ سیوطی رحمۃ اللہ نے معیّت کی صورت بیان کی ہے کہ ساتھ ہونے کا مقصد اعانت و امداد فرمانا ہے۔ دوّم: صوفیاءِ کرام کے نزدیک معیّت ذاتی ہے (اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا) بے کیف جبکہ علمائے ظواہر کے نزدیک معیّت صفاتی ہے علاّمہ سیوطی رحمۃ اللہ نے بالنّصرِ والعون کا کلمہ نکال کر علمائے ظواہر کی تائید کی ہے کہ معیّت صفات والی مُراد ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِہٖ ای ظھروا القتالھم وتصافوا قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ اصبب عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ

اَقْدَامَنَا بتقويته قلوبنا على الجهاد وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكَافِرِيْنَ ۝ فَهَزَمُوْهُمْ كسروهم بِاِذْنِ اللهِ بارادته
وَقَتَلَ دَاؤٗدُ وكان فى عسكر طالوت جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ
اى داؤد اللهُ الْمُلْكَ فى بنى اسرائيل وَالْحِكْمَةَ النبوة
بعد موت شمويل وطالوت لم يجتمعا لاحد قبله وَ
عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ كصنعة الدروع ومنطق الطير وَلَوْلَا
دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بدل بعض من الناس بِبَعْضٍ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ بغلبة المشركين وقتل المسلمين و
تخريب المساجد وَلٰكِنَّ اللهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ
فدفع بعضهم ببعض تِلْكَ هذه الْاٰيات اٰيٰتُ اللهِ
نَتْلُوْهَا نقصها عَلَيْكَ يا محمد بِالْحَقِّ بالصدق
وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ التاكيد بان وغيرها رد لقول
الكفار له لست مرسلاً

ترجمہ اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے (جنگ کے لئے تیار ہوگئے اور صف بندی کرلی) تو کہنے لگے
اے ہمارے پروردگار انڈیل دیں (برسادیں) ہم پر صبر اور ہمارے قدم جمائے رکھے (جہاد

پر ہمارے دل مضبوط فرما کر) اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب فرمادیں چنانچہ طالوتیوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی (ان کو توڑ کر رکھ دیا) اللہ تعالیٰ کے حکم (ارادہ) سے اور قتل کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے (جو لشکر طالوت میں تھے) جالوت اور عطا فرما دیا ان کو (داؤد علیہ السلام کو) اللہ نے سلطنت (بنی اسرائیل کی) اور حکمت (نبوت شموییل اور طالوت کی وفات کے بعد اور یہ دونوں باتیں اس سے پہلے کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوئی تھیں) اور بھی جو اللہ کو منظور ہوا اُن کو تعلیم فرمایا (مثلاً مخصوص زرہ سازی اور جانوروں کی بولی سمجھنا) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ دفع فرماتے رہتے ہیں بعض لوگوں کو (یہ الناس سے بدل البعض ہے) بعض لوگوں کے ذریعے سرزمین فساد سے لبریز ہوجاتی (مشرکین غالب آجاتے مسلمان قتل ہو جاتے (مساجد برباد ہو جاتیں) لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں اہل جہان پر (چنانچہ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض لوگوں کو دبا دیا) یہ (آیات) اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم پڑھ کر (بیان کر کے) آپ کو سناتے ہیں (اے محمد) صحیح صحیح (سچ کے طریقے پر) اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں (انّ وغیرہ کی تاکید لاکر قول کفار لست مرسلاً کی تردید کرنی ہے۔

بیان اغراضِ جلالین

قولہ ای ظھروا (ظاہر ہوتے) برزوا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر کھلی زمین کو براز کہتے ہیں اور برزوا کہتے ہیں ایسی زمین میں آنے کو۔

قولہ لقتالھم (جنگ کے لئے) علت ظہور یا علت بروز بیان کی ہے کہ کھلی زمین پر آنے کا مقصد جہاد تھا۔

قولہ وتصافوا (اور صف بندی کر لی) بیان مضاف مقدر ہے، عند البعض قتال اور صف بندی یہ دونوں علتیں ہیں ظہور کے لئے۔

قولہ اصبب (برسادیں) افرغ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ

بلفظ آخر۔ کصبِ الماءِ علَی الارض

قولہ بتقویۃ قلوبنا علی الجھاد (جہاد پر ہمارے دل مضبوط فرماکر) بتقویۃ کی با تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ثبات قدمی کی صورت بیان کی ہے

قولہ کسروھم (اُن کو توڑ کر رکھدیا) علامہ سیوطیؒ نے ھزموھم کی تفسیر باللازم بیان کی ہے کیونکہ جس کو شکست دی جاتی ہے اس کی توڑ پھوڑ کی جاتی ہے

قولہ بارادتہ قد مرّ تحقیقہ آنفًا

قولہ وکان فی عسکر طالوت (جو لشکر طالوت میں تھے) قتل کا زمانہ بیان کیا ہے اور یہ اس وقت نبی نہیں تھے عام فوجی تھے یعنی بیان زمانہ قتل ہے۔

قولہ ای داؤد بیان مرجع ہے۔

قولہ فی بنی اسرائیل (بنی اسرائیل کی) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ ملک مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔

قولہ النبوۃ (نبوت) اشارہ فرمایا کہ الحکمۃ کی الف لام عہد کی ہے ثانیًا: اشارہ فرمایا کہ لیس المرادُ بالحکمۃِ معناہ الاصلی وھو اتقانُ العلم والعمل کیونکہ اگر حکمت سے علم وعمل مُراد لیں تو پھر وعلمہ مما سے کیا مُراد ہوگا۔

قولہ بعد موت شمویل وطالوت (شمویل اور طالوت کی وفات کے بعد) ایتاءِ نبوت کے زمان کا بیان ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت شمویل اور طالوت کی وفات کے بعد ملی تھی۔

قولہ لم یجتمعا لاحد قبلہ (اور یہ دونوں باتیں اس سے پہلے کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوئی تھیں۔ بیان فضائل حضرت داؤد علیہ السلام یعنی بیک وقت نبی بھی ہو اور بادشاہ بھی ہو۔

قولہ کصنعۃ الدروع ومنطق الطیر (مخصوص زرہ سازی اور جانوروں کی بولی سمجھنا) بیان جزئی تعلیم ہے یا مما یشاء کے ما کا بیان ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَعَلَّمْنٰہُ صنعۃَ لبوسٍ لکم۔ وفی مقامٍ اٰخر ولقد اٰتینا داؤد وسلیمان علمًا وفی مقامٍ اٰخر وَالطَّیرَ محشورۃً کلٌّ لَّہٗ اَوّابٌ۔!

قولہ بدل بعض مِّنَ النَّاسِ بعض کا کلمہ بدل البعض ہے۔ النّاس سے یعنی بیانِ ترکیب ہے۔

قولہ بغلبۃ المشرکین وقتل لمسلمین وتخریب المساجد (مشرکین غالب آجاتے، مسلمان قتل ہوجاتے، مساجد برباد ہوجائیں) بغلبۃ کی با، تصویر یہ ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے فسادِ ارض کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ فدفع بعضھم ببعض (چنانچہ بعض لوگوں کے ذریعے بعض لوگوں کو دبا دیا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے وَلَوْلَا دَفْعُ اللہ اور وَلٰکِنَّ اللہَ ذُو فَضْلٍ کے درمیان ربط بیان فرمایا ہے کیونکہ ولکنّ اللہَ ذو فضلٍ دفع اللہ پر منطبق نہیں ہوتا کہ پہلے دَفعِ اللہ کا ذکر ہے پھر فضل کا ذکر ہے۔ فَضل کو دَفع سے کیا مناسبت ہے تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر ربط بیان فرمایا کہ یہ میرا فضل سمجھو کہ میں نے جہاد معین کردیا جس کی وجہ سے بدامنی ٹل گئی۔

قولہ ھٰذِہِ الآیات (یہ آیات) بیان مشار الیہ ہے۔

قولہ نقصھا (بیان کرکے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے نتلوھا کی تفسیر باللازم بیان کی ہے کیونکہ تلاوت کے لئے قصّہ (یعنی بیان ہونا) لازم ہے۔

قولہ یا محمد تعیین مخاطب ہے۔

قولہ بالصدق (سچ کے طریقے پر) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہاں حق مقابل کذب ہے اور کذب کا مقابل صدق (سچائی) ہے یعنی بیان تقابل ہے۔ عندَ البعض بالصدق حق کے لئے تفسیر باللازم ہے کیونکہ حق کے لئے صادق ہونا لازم ہے۔

قولہ التاکید بانّ وغیرھا ردّ لقول الکفّار لستَ مُرسلاً۔ انّ وغیرہ کی تاکید لاکر قول کفار لَسْتَ مُرْسَلًا کی تردید کرنی ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ مقام ہٰذا پر اتنی تاکیدات کی کیا ضرورت تھی۔ انّ سے تاکید لامؔ سے تاکید پھر خود جملہ اسمیہ تاکید پر دال ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ تاکیدات کا مقصد قول کفار کی تردید ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تم تو میرے پیغمبر کی رسالت کے منکر ہو لیکن اے کم فہم انسانو! بتلاؤ تو سہی کہ یہ قصہ جات اور یہ غیب کی خبریں تم تک کیسے پہنچ رہی ہیں، یہی مکرم و محترم انسان ہی تو ہیں جن کو ہم نے منصب رسالت عطا فرما کر دنیا میں بھیجا ہے اور وہ تمہیں اس پر مطلع فرما رہے ہیں پھر آگے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لست مرسلاً سے قرینہ بیان فرما دیا ہے مکمل آیت یوں ہے ویقولُ الذین کفروا لست مرسلاً۔ (پ۱۳: رعد)

تِلْكَ مبتداء الرُّسُلُ صفة والخبر فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ بتخصيصه بمنقبة ليست لغيره مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ كموسٰى وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ اى محمدًا صلى الله عليه وسلم دَرَجٰتٍ على غيره بعموم الدعوة وختم النبوة به وتفضيل امته على سائر الامم والمعجزات المتكاثرة والخصائص العديدة وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ قويناه بِرُوْحِ الْقُدُسِ جبرئيل يسير معه حيث سار وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ هدى الناس جميعًا مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ بعد الرسل اى اممهم مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ لاختلافهم وتضليل بعضهم بعضا وَلٰكِنِ

اختَلَفُوا المشيئة ذالك فَمِنهُم مَّن اٰمَنَ ثبت على
ايمانه وَمِنهُم مَّن كَفَرَ كالنصارىٰ بعد المسيح وَلَوشَاءَ
اللّٰهُ مَا اقتَتَلُوا توكيد ولٰكِنَّ اللّٰهَ يَفعَلُ مَا يُرِيدُ من
توفيق من شآء وخذلان من شاء يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا
اَنفِقُوا مِمَّا رَزَقنٰكُم زكوته مِن قَبلِ اَن يَّأتِيَ يَومٌ لَّا
بَيعٌ فداء فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ صداقة تنفع وَّلَا شَفَاعَةٌ
بغير اذنه وهو يوم القيامة وفى قراءة برفع الثلاثة
وَالكَافِرُونَ بالله او بما فرض عليهم هُمُ الظّٰلِمُونَ
لوضعهم امر الله تعالىٰ فى غير محله

ترجمہ

یہ (مبتدا ہے) حضرات مُرسلین (صفت ہے اور خبر آگے ہے) کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ہے (ایسی خصوصی منقبت عطا کر کے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے) اور بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں (حضرت موسیٰؑ) اور بعض کو ان میں سے سرفراز فرمایا ہے (یعنی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کو) بلند درجات کے ساتھ (بنسبت انبیائے سابقین کے مثلاً عموم دعوت ختم نبوّت دوسری امتوں کے مقابلے میں امّت محمدیہ کا فائق ہونا کثیر معجزات اور خصائص کبریٰ) اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السّلام کو صاف اور کھلے معجزات عطا کئے اور ہم نے ان کی تائید (تقویت) رُوح القدس (جبرائیل علیہ السّلام) کے ذریعے کی (کہ جہاں جاتے وہ ان کے ساتھ رہتے)

اور اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہوتا (سب لوگوں کو ہدایت بخشنا) تو باہمی قتل و قتال نہ کر سکتے ان کے (مُرسلین کے) بعد (یعنے اُن کی اُمتیں) اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل پہنچ چکے تھے (ان کے آپس کے اختلاف اور ایک دوسرے کی تضلیل کی وجہ سے) لیکن وہ لوگ باہم مختلف ہوگئے (کیونکہ خدا کی مشیت اس سے وابستہ ہوچکی تھی) تو ان میں کوئی تو ایمان لے آیا (اپنے ایمان پر ثابت رہا) اور کوئی کافر رہا (جیسے حضرت مسیحؑ کے بعد عیسائی) اور اگر اللہ میاں چاہتے تو وہ لوگ آپس میں قتل و قتال نہ کر سکتے (یہ ماقبل کی تاکید ہے) لیکن اللہ تعالےٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں (جس کو چاہتے ہیں توفیق بخشتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں رُسوا کر دیتے ہیں) اے اہل ایمان خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو ہم نے عطا کیں ہیں (مُراد زکوٰۃ دینا ہے) ایسا دن آنے سے پہلے کہ جس میں نہ تو خرید و فروخت ہو سکے گی (مُراد فدیہ) اور نہ دوستی ہوگی (نافع دوستی) اور نہ کوئی سفارش چل سکے گی (بلا اجازت یعنے بروز قیامت اور ایک قراءت میں تینوں لفظ بیعٌ، خلۃٌ، شفاعۃٌ کا رفع پڑھا گیا ہے) اور (اللہ یا ان کی طرف سے مقررہ فرائض کا) انکار کرنے والے ہی لوگ ظلم کیا کرتے ہیں (خدا کے احکام کو بے محل رکھنے کی وجہ سے)

بیان اغراض جلالین

قولــہ مُبتداء تِلْكَ مبتداء ہے یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولــہ صفۃ (صفت ہے اور خبر آگے ہے) یعنی الرُّسُل صفت ہے اور موصوف اس کا تِلْكَ سے جو رُسول سمجھے جا رہے ہیں، وہی ہیں اور وہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت داؤد علیہ السّلام تک ہیں۔

سوال علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے تِلْكَ کا مشار الیہ کیوں بیان نہیں کیا؟

جواب آگے تِلْكَ کی صفت مذکور ہے، وہی اس کا مشار الیہ بنے گا، نیز جب تِلْكَ کی صفت مذکور ہو تو اس وقت مشار الیہ نہیں نکالا جاتا۔

قولہ والخبر اور فضلنا الخ خبر ہے تلک مبتدا کی یعنی بیان ترکیب ہے

قولہ بتخصیصہ بمنقبۃ لیست لغیرہ ۔ ایسی خصوصی منقبت عطا کرکے جو دوسروں میں موجود نہیں ہے۔ اس کی دو غرضیں ہیں :-

اول بتخصیصہ کی تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے فضیلت کی صورت بیان کی ہے۔ عند البعض بتخصیصہ سے تعریف فضیلت ہے یعنی ایسی خاص صفت جو دوسروں میں موجود نہ ہو۔ دوم : دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال مقام ہذا پر فرق مراتب کا ثبوت ہے جبکہ اور مقام پر فرمایا لا نفرق بین احد منھم تو ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ جہاں فرق مراتب کا ثبوت ہے وہاں فرق بین المناقب والمراتب مراد ہے اور جہاں عدم تفریق ہے، وہاں ایمان مراد ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ لا نفرق بین احد منھم کا تعلق ایمان لانے کے ساتھ ہے کہ ہمارا ایمان جمیع رسولوں پر ہے۔ لا نفرق بین احد منھم اور مقام ہذا پر یہ فرق مناقب اور مراتب کا ہے۔

قولہ کموسٰی مَن کلم اللہ کے مَن کی تعیین ہے۔

یقول شیخ چاچڑوی رحمۃ القوی۔ بہتر تھا کہ علامہ سیوطی رح یہاں بلا واسطۃ کا کلمہ مقدر فرماتے کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے ساتھ فرمائی ہے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیوں ہے تو بلا واسطۃ سے یہ سوال دفع ہو جاتا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام بلا واسطہ اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بالواسطہ ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے سورۃ نساء پ رکوع ۲۳ آیت وکلم اللہ موسیٰ تکلیما میں بلا واسطۃ کی قید مقدر کی ہے۔

قولہ ای محمدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دو غرضیں ہیں

اول اشارہ فرمایا کہ بعضھم کی اضافت عہدی ہے۔ اس سے مخصوص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اقدس اظہر ہے اور بعضھم کا ابہام بھی باعث

فضیلت سے ہے کیونکہ علم معانی والوں کا قانون ہے کہ ابہام کے اندر بھی عظمت ہوتی ہے کما فی قولہ تعالیٰ : فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ
دوم اشارہ فرمایا کہ ذکر مبہم (بعضهم) ارادہ معین (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے یہ بھی تفخیم شان کے لئے ہے۔
قولہ علیٰ غیرہ (بہ نسبت انبیاء سابقین کے) اس کی دو غرضیں ہیں اول بیان صلہ ہے رفع کا۔ دوم مفضل علیہ کا بیان ہے کہ اُن پر اللہ پاک نے حضرت کی ذات مبارک کو فضیلت دی ہے۔ والعقیدۃ ھکذا
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
قولہ بعموم الدعوة یعنی بعموم کی یا تصویر یہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے درجات کی صورت بیان کی ہے۔ چنانچہ آپ کا انس وجن یعنی ثقلین کی طرف مبعوث ہونا۔ آپ کی خصوصیت ہے، آپ سے پہلے انبیاء کرام کی دعوت خاص جماعتوں کے لئے ہوتی تھی۔ اسی طرح جوامع الکلم سے آپ کو سرفراز فرمانا، مال غنیمت کا حلال ہونا، ساری زمین کا مسجد کا بنا دینا، قیامت میں شفاعت کبریٰ کا ملنا، یہ سب خصائص ہیں جو مطول کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، چنانچہ علامہ سیوطی نے بھی اس فن پر خصائص کبریٰ کتاب لکھی ہے۔
قولہ قوینا ہ آیدنا ہ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر قد مرّ تحقیقہٗ فی جزء اول فی قولہ وایدنا ہ بروح القدس
قولہ جبرئیل بیان تعیین رُوح القدس
قولہ یسیر معہ حیث سار بیان تقویت ہے قد مرّ تحقیقہ فی قولہ وَاَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فی جزء اول۔
قولہ هُدَى النَّاسِ جميعًا (سب لوگوں کو ہدایت بخشنا) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے شَاءَ کے حذف مفعول کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی بیان ترکیب ہے اگرچہ تقدیر عبارت بلا مفعول اس طرح بھی ہو سکتی ہے فلو شاء اللہ عدم اقتتالھم

ما اقتتلوا الخ

قولہ بعد الرسل (مُرسلین کے بعد) بیان مرجع ہے۔

قولہ ای امھم (یعنی ان کی امتیں) الذین من بعدھم کے موصول کی تعیین فرمائی ہے یعنی بیان تعیین موصول ہے

قولہ لاختلافھم وتضلیل بعضھم بعضاً (ان کے آپس کے اختلاف اور ایک دوسرے کی تضلیل کی وجہ سے) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے علت قتال بیان کی ہے اور یہ متعلق ہے اقتتل کے ساتھ اور اقتتل کی تفسیر بھی اختلف کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ وہ سبب قتل ہوتا ہے۔

قولہ المشیئۃ ذالک (کیونکہ خدا کی مشیت تھی) اس کی دو غرضیں ہیں:
اوّل اختلفوا کی علت ہے

دوم اختلفوا کا فاعل ہے یعنی بیان ترکیب ہے یعنی لو شاء اللہ ان لا یقتتلوا لم یقتتلوا

قولہ ثبت علی ایمانہ (اپنے ایمان پر ثابت رہا) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ جب اختلاف پیدا ہوا تو ان میں بعض ایمان دار تو تھے پھر مَنْ اٰمَنَ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مَنْ اٰمَنَ سے مُراد مطلقاً ایمان نہیں بلکہ ثبات علی الایمان مُراد ہے یعنی مَن اٰمَنَ کی ماضی احداث کے لئے نہیں بلکہ بقاء کے لئے ہے۔

قولہ کالنصاری (حضرت مسیح کے بعد عیسائی) تعیین مَن کفر ہے کہ مَنْ کَفَرَ سے مُراد نصاریٰ ہیں۔

قولہ بعد المسیح تعیین زمان کفر ہے۔

قولہ توکید (یہ ماقبل کی تاکید ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال تکرار کلام ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ تکرار نہیں ہے تاکید کلام مقصود ہے فھو فی الکلام شائع و ذائع

قولہ من توفیق من شاء و خذلان من شاء (جس کو چاہتے ہیں توفیق بخشتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں رُسوا کر دیتے ہیں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے مَا یرید کے مَا کا بیان فرمایا ہے۔ **ثانیًا** : فیه ردّ علی المعتزلة لانهم یقولون انّ الشرّ لیس بمشیئة و انّ الخذلان لیس بفعله تعالٰی لانّ الاصلح یجب علی اللہ تعالٰی عندھم

قولہ زکوٰتہٗ مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ کے مَا کا بیان ہے۔

ثانیًا اشارہ فرمایا کہ انفاق فرضی و واجبی مُراد ہیں نہ کہ نفلی۔

قولہ فداء (فِداد فدیہ) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بیع کی تفسیر فداء سے تفسیر بالسبب بیان کی ہے کیونکہ بَیْعٌ کا معنی فداء میں موضوع لہٗ نہیں ہے یعنی ذکر سبب ارادہ مسبّب ہے۔

قولہ صداقة تنفع (نافع دوستی) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے خُلّة کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر کیونکہ خُلّة اور صداقة ایک ہیں۔

سوال علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تنفع کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب نافع کی قید اس لئے لگائی کہ متقین کے لئے خلہ نافعہ ہوگی۔ کما فی قولہ تعالٰی : الاخلاء یومئذٍ بعضھم لبعض عدوّ الّا المتقین اس سے دونوں باتیں صراحتًا معلوم ہو رہی ہیں۔

قولہ بغیر اذنه (بلا اجازت) دفعیہ سوال مُقدر ہے۔

سَوال یہ ہے کہ اس جگہ شفاعت کی نفی ہے حالانکہ شفاعت قرآن و حدیث سے ثابت ہے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی رسول ہیں اور اُنھوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت میں شفاعت کا سوال کیا آپ نے ارشاد فرمایا اَنَا فَاعِلٌ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ نیز قرآن

مقدس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ مطلقاً شفاعت کی نفی نہیں بلکہ شفاعت بغیر اذن کی نفی ہے شفاعت بالاذن تو متحقق ہے

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی کافر کے لئے شفاعت نہیں ہوگی اور مومن کے لئے شفاعت ہوگی یہ آیت کافر کے متعلق ہے۔ فلا اعتراض علیہ۔

قوله وهو يوم القيمة (یعنی بروز قیامت) تعیین یوم ہے کہ اس سے مُراد قیامت کا دن ہے

قوله وفی قراءة برفع الثلاثة (یعنی تینوں لفظ بیع۔ خُلّة۔ شفاعة رفع کے ساتھ ہیں یعنی بیان قراءت ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ امام حفص رح کی قراءت بیان فرماتے ہیں کہ حفص رح کے نزدیک رفع ہے مگر خود علامہ سیوطی رح کی قراءت نصب کے ساتھ ہے۔

قوله بالله (اللہ کے ساتھ) اس کی دو غرضیں ہیں:۔

اولؔ: صلہ کفر ہے دوؔم: اشارہ فرمایا کہ کفر سے مُراد کفر حقیقی ہے یعنی شرک کرنا، توحید کا انکار کرنا، قرینہ هم الظّٰلمون ہے۔

قوله او بما فرض عليهم (یا اُن کی طرف سے مقرر کردہ فرائض کا) کفر مجازی کیطرف اشارہ کیا ہے یعنی زکوٰۃ و فرائض وغیرہ کا انکار کرنا، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے تفسیر کفر میں حقیقی و مجازی دونوں معنوں کی رعایت کی ہے۔

قوله لوضعهم امر الله تعالٰی فی غیر محله (خدا کے احکام کو بے محل رکھنے کی وجہ سے) علامہ سیوطی رح نے ظلم کی علت بیان کی ہے کہ کافر کو ظالم کیوں فرمایا ہے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ ای لا معبود بحق فی الوجود اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الدائم البقاء اَلْقَیُّوْمُ المبالغ فی القیام بتدبیر خلقه

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ نعاس وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ ملكا وخلقا وعبيدا مَنْ ذَا الَّذِي
اى لاحد يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ له فيها يَعْلَمُ مَا
بَيْنَ أَيْدِيهِمْ اى الخلق وَمَا خَلْفَهُمْ اى امر الدنيا
والاخرة وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ لا يعلمون شيئا
من معلوماته إِلَّا بِمَا شَاءَ اى يعلمهم به منها باخبار
الرسل وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ قيل احاط
علمه بهما وقيل ملكه وقيل الكرسى بعينه مشتمل
عليهما لعظمته لحديث ما السموات السبع فى الكرسى
الا كدراهم سبعة القيت فى ترس وَلَا يَئُودُهُ يثقله
حِفْظُهُمَا اى السموت والارض وَهُوَ الْعَلِيُّ فوق خلقه
بالقهر الْعَظِيمُ الكبير لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ على الدخول
فيه قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ اى ظهر بالايت
البينات ان الايمان رشد والكفر غيٌّ نزلت فى
من كان له من الانصار اولاد اراد ان يكرههم على
الاسلام فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ الشيطان او الاصنام

وهو يطلق على المفرد والجمع وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ تمسك بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ بالعقد المحكم
لَا انْفِصَامَ انقطاع لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ لما يقال عَلِيمٌ
بما يفعل اللَّهُ وَلِيُّ ناصر الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ
مِنَ الظُّلُمَاتِ الكفر إِلَى النُّورِ الايمان وَالَّذِينَ
كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ
النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ذكر الاخراج اما في مقابلة قوله
يخرجهم من الظلمت او في كل من امن بالنبي
صلى الله عليه وسلم قبل بعثته من اليهود ثم كفر به
وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○

ترجمہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں ہے (یعنی کوئی معبودِ حقیقی موجود نہیں ہے) وہ زندہ ہے (ہمیشہ باقی رہنے والا) تھامنے والا ہے (تدبیر سے اپنی مخلوق کو بہت سنبھالنے والا ہے یعنی) نہ اس کو اونگھ (نُول) مغلوب کر سکتی ہے اور نہ نیند۔ اس کی ملک میں آسمان و زمین کی سب چیزیں (مملوک و مخلوق بندے ہیں) ایسا کون شخص ہے (کوئی نہیں ہے) جو اس کے پاس بلا اس کی اجازت کے سفارش کر سکے (تا وقتیکہ اس کو اذن شفاعت نہ ہو) وہ جانتا ہے تمام حالات موجودہ (مخلوق کے) اور آئندہ (یعنی دنیا و آخرت کے احوال) اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطۂ علمی

میں نہیں لاسکتے (یعنی اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو نہیں جان سکتے ہیں) مگر جس قدر وہ چاہے (کہ پیغمبروں کے اطلاع دینے سے وہ اس کی معلومات میں سے جان جائیں) اس کی کرسی نے تمام آسمان و زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے (بعض کہتے ہیں کہ علم الٰہی نے آسمان و زمین کا احاطہ کر رکھا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے مُلک کی وسعت مُراد ہے اور بعض بعینہٖ کرسی کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی عظمت کی وجہ سے زمین و آسمان پر مشتمل ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ سات آسمان کرسی کے آگے ایسے ہیں جیسے سات درم ڈھال میں ڈھال دیئے جائیں اور گراں نہیں گذرتی ہے (ناگوار نہیں ہوتی) ان دونوں (آسمان و زمین) کی حفاظت اور وہ عالیشان (اپنی مخلوق پر قہراً غالب ہے) عظیم الشان (کبریا ہے) زبردستی نہیں ہے۔ دین میں (داخل ہونے کی) ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے (یعنی دلائلِ واضحہ سے یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ ایک انصاری نے اپنی اولاد کو اسلام لانے پر مجبور کرنا چاہا) سو جو شخص شیطان سے پھر جائے (طاغوت سے مُراد شیطان یا بُت ہے اس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر آتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کو جو مان لے تو اس نے تھام لیا (اِسْتَمْسَكَ بمعنیٰ تمسک ہے) بڑا مضبوط حلقہ (بڑی مضبوطی کے ساتھ) جس کو کسی طرح کی شکستگی (ٹوٹنا) نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں (جو کچھ کیا جاتا ہے) اور خوب جاننے والے ہیں (جو کچھ کیا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ ساتھی (مددگار) ہیں ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ان کو ظلمات (کفر) سے نکال کر یا بچا کر نور (ایمان) کی طرف لاتے ہیں اور جو کافر ہیں اُن کے ساتھی شیاطین ہیں وہ ان کو نور سے نکال کر یا بچا کر تاریکیوں میں لا ڈالتے ہیں (یہاں نکالنے کا ذکر یا تو اخراج من الظلمٰت کے مقابلے کی وجہ سے ہے اور یا وہ یہود مُراد ہیں جو آپ کی بعثت سے پہلے آپ کو مانتے تھے لیکن تشریف لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا) ایسے لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

بیانِ ربط گزشتہ آیت میں بلا اجازت شفاعت کی نفی کے ذیل

ہیں حق تعالٰی کی عظمت و قدرت پر بھی دلالت تھی، اس آیۃ الکرسی میں بھی توحید ذاتی اور کمال صفاتی کے ذیل میں عظمت شان کی خوب تصریح و توضیح ہو گی۔

بیانِ شانِ نزول

علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آیت لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّين ایک انصاری صحابی حصین رض من بنی سالم بن عوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان کے دو بیٹے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عیسائی ہو گئے تھے اور مدینہ طیبہ میں روغن زیتون کی تجارت کے لئے آئے تو اُن کے والد جو مسلمان ہو چکے تھے، اُنہوں نے اُن کو بھی جبراً مسلمان کرنا چاہا۔ بات بڑھی اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی، حضرت حُصین انصاری رض نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرا بعض حصہ نار جہنم میں داخل ہو اور میں دیکھتا رہوں، اس پر یہ آیت لا اکراہ فی الدین نازل ہوئی

بیان اعراضِ جلالین

قولہ لا مَعبُود بحق (یعنی کوئی معبود حقیقی) دفعیہ سوال مقدر ہے

سوال یہ ہے کہ لا الٰہ میں مطلقاً اِلٰہ کی نفی ہے حالانکہ اس جہان فانی میں کتنے معبود بناتے گئے ہیں۔ کالأصنام وغیرہ

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لا الٰہ میں نفی مطلق اِلٰہ کی نہیں بلکہ الٰہ برحق کی نفی ہے اور وہ صرف اور صرف رب ذوالجلال کی ذات یکتا ہی ہو سکتی ہے۔ دوم: اشارہ فرمایا کہ اِلٰہ بروزن فِعَال بمعنی اسم مفعول مألوہ کے ہیں اور مألوہ معبود کے معنی میں ہے

قولہ فی الوجود (موجود نہیں ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا، خبر لا محذوف ہے جو خبر اور اسم کو تقاضا کرتا ہے۔

قولہ الدائم البقاء (ہمیشہ باقی رہنے والا) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ حیٌّ کا معنے ہے زندہ حالانکہ حیات و زندگی تو سارے جہان

کو حاصل ہے پھر یہ صفت تو یکتائی نہ رہی

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر جواب دیا کہ حیّ سے مراد مطلق زندہ نہیں بلکہ زندہ کامل یعنے حیات کامل جس میں فنا کا شائبہ بھی نہ ہو اور حیات ابدیہ کے ساتھ متصف ہو۔ کما فی قولہ تعالیٰ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾

قولہ المبالغۃ فی القیام (بہت سنبھالنے والا ہے) اس کی دو غرضیں ہیں اول یہ قیّوم کا معنی بیان کیا ہے۔ دوم اشارہ فرمایا کہ قیّوم مبالغہ کا صیغہ ہے کیونکہ فیعول کا وزن یفیدُ المُبالغۃ

قولہ بتدبیر خلقہٖ (تدبیر سے اپنی مخلوق کو) قیّوم کا صلہ بیان کیا ہے یعنی بیان صلہ ہے

قولہ نعاس (اونگھ) سنۃ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

یقول ابو الاسعاد صانہ اللہ عن الشر والفساد: دو فائدے ملاحظہ فرمائیں، جو خالی از فائدہ نیست

فائدہ اوّل سِنَۃ کہتے ہیں سرگرانی کو جو مقدمہ ہوتا ہے نیند کا۔ اور نعاس کہتے ہیں آنکھوں کی نیند کو۔ اور نَوْم کہتے ہیں قلبی نیند کو، جس سے قلب غافل ہوجاتا ہے۔ سنۃ چونکہ وجوداً مقدم ہوتی ہے حالتِ نوم سے اس تقدم خارجی کی رعایت سے تقدم ذکری بھی کر دیا گیا ورنہ مبالغہ کا مقتضیٰ تو نوم کی تقدیم سِنَۃ کی تاخیر کا تھا اور اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ اخذ کو عروض اور اعتراء (   ) کے معنے میں لیا جاتے۔ لیکن قہر و غلبہ کے معنیٰ میں اگر لیا جاتے، جیساکہ امام راغب کی رائے ہے، چنانچہ اخذ عزیز مقتدر میں بھی یہی معنے ہیں تو پھر ترتیب بحسبِ الظاہر رہے گی اور کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔

فائدہ دوم لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ والا جملہ قیومیت کی تاکید کے لئے ہے یعنی نیند کے ساتھ قیومیت جمع ہی نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس حالت میں نظم عام سنبھالنا ممکن ہی نہیں ہے کَمَا فِی قِصَّۃِ مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَام

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو وحی فرمائی گئی قل لھٰؤلاء انی امسك السّمٰوٰت والارض بقدرتی فلو اخذنی نوم او نعاس لزالتا یعنی اللہ تعالیٰ اس عالم کو اپنی قدرت سے تھامے ہوتے ہیں جو نیند کی حالت میں ممکن نہیں ہے گویا حیاتؔ وعلمؔ وقیومیتؔ اُمہات ہیں۔ دوسری صفات انہی پر موقوف ہیں اور قیومیت بغیر علم کے اور علم بغیر حیات وُجود کے ممکن ہے۔

قولہ ملکًا وخلقًا وعبیدًا (مملوک ومخلوق بندے ہیں) علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ لہٗ کی لام اختصاص کی ہے۔ ساتھ ساتھ اشارہ فرما دیا کہ لیس اللام للنفع کما ھو الغالب یعنی تعیینِ لام ہے۔

یقول ابوالاسعاد مُلکًا پر ضمہ میم پڑھنا بہ نسبت کسرہ کے زیادہ بہتر ہے ورنہ لفظ عَبید کے ساتھ تکرار ہو جائے گا۔

قولہ ای لا احدٌ (کوئی نہیں ہے) اشارہ فرمایا کہ مَن ذا الّذی میں استفہام انکاری ہے گویا کہ مَن ذا لفظاً استفہام اور معنیً نفی ہے اسلئے اس کے بعد الّا آرہا ہے۔

قولہ لہٗ اذن کا صلہ نکالا ہے اور ضمیر راجع الی من ذا الّذی

قولہ فیھا محل شفاعت بیان کیا ہے۔

قولہ ای الخلق (مخلوق کے) بیانِ مرجع ہے۔

قولہ ای امر الدنیا والاخرۃ (یعنی دنیا و آخرت کے احوال) ما بین ایدیھم کے ما کا بیان ہے یعنی ما بین ایدیھم کے امرِ دنیا مُراد ہے اور وما خلفھم سے امرِ آخرت مُراد ہے۔

قولہ لا یعلمون شیئًا من معلوماتہ (یعنی اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو نہیں جان سکتے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اہل سُنّت والجماعت کے نزدیک علم الٰہی ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے اور صفاتِ الٰہیہ تجزّی (تقسیم) سے پاک ہیں، جبکہ مقام ہذا پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِلّا بِمَا شَآءَ یعنے میرے علم میں سے اِلّا بما شآء جانتے ہیں

تو یہ تجزی علم (تقسیم) ہوئی۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ احاطۂ علمی سے مراد احاطۂ معلومات ہے یعنی ذکر علم کا ہے اور ارادہ معلومات کا ہے معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے معلومات سے نہیں جانتے مگر الا بما شاء اور معلومات علم کا غیر ہیں کیونکہ معلومات حادث جبکہ علم الٰہی صفت باری تعالیٰ جو قدیم ہے۔ اس توجیہ میں علمہٖ کی ضمیر ذات باری تعالیٰ کی طرف راجع ہوگا۔

یقول ابو الاسعاد علامہ سیوطی نے دفعیہ سوال مقدر فرما کر ساتھ ساتھ معتزلہ کی تردید بھی فرما دی، کیونکہ علماء حضرات کے نزدیک ذات باری تعالیٰ عالم مع علم ہیں یعنی علم اُن کی ذات کے ساتھ قائم اور وابستہ ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ ذات باری تعالیٰ کو عالم بلا علم مانتے ہیں، اس میں ان پر رَد ہو گیا۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی میرے نزدیک اس توجیہ کے ساتھ جس میں علمہٖ کی ضمیر ذات باری کی طرف راجع ہے اور جس میں معتزلہ کا رَد ہے ایک اور توجیہ ہے جس سے ہمارے زمانے کے فرقہ بریلویہ ضالہ مضلہ کی تردید ہوتی ہے، وہ بہتر ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے کہ علمہٖ کی ضمیر ما بین ایدیھم و ماخلفھم کی طرف راجع ہے اور ما بین ایدیھم سے علم ما کان اور وماخلفھم سے علم ما یکون مراد ہے۔ اب معنٰی ہوگا کہ مخلوق کے ما کان و ما یکون کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا، مگر جو ما کان و ما یکون سے میں چاہوں بریلویہ حضرات کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی غیب حاصل ہونے کے ساتھ علم ما کان ما یکون بھی حاصل ہے، آیت ہٰذا اس کی صاف نفی کر رہی ہے۔

قولہ اَن یَعلمھم بہ (وہ اس کی معلومات میں سے جان جائیں) بہ کی ضمیر راجع ہے بِمَا کی طرف، علامہ سیوطیؒ نے شاءَ کا مفعول نکالا ہے یعنی بیان ترکیب ہے۔

قولہ منھا باخبار الرُّسُل (پیغمبروں کی اطلاع دینے سے) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اولؔ بِمَا شاءَ کے مَا کا بیان ہے۔ دوؔم منھا کا ضمیر راجع الی العلم اور

باخبار کی باتصویر یہ ہے، علامہ سیوطیؒ نے ان یعلمھم کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ قیل احاط علمہ بھما وقیل ملکہ (بعض کہتے ہیں کہ علم الٰہی نے آسمان وزمین کا احاطہ کر رکھا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے ملک کی وسعت مراد ہے) علامہ سیوطی رحمہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کرسی سے مجازی معنی احاطہ علمی اور ملکیت مراد لئے جاسکتے ہیں۔ وجہ مناسبت احاطہ ہوگا۔

قولہ وقیل الکرسی بعینہ (اور بعض بعینہ کرسی کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی عظمت کی وجہ سے زمین و آسمان پر مشتمل ہے۔) علامہ سیوطی رحمہ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کرسی کے حقیقی معنیٰ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

قولہ لحدیث بیان قرینہ ہے۔

قولہ یثقلہ (ناگوار نہیں ہوتی) یَؤُدُہٗ کی تفسیر بیان کی ہے، یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔ اَود اور ایداء کے معنیٰ قوت اور اعوجاج کے ہیں، بھاری چیز نیچے کو جھک جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تھکتے نہیں ہیں۔

قولہ ای السمٰوٰت والارض بیان مرجع ہے

قولہ فوق خلقہ (اپنی مخلوق پر) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے العلی کا معنیٰ بیان کیا ہے۔ ثانیاً اشارہ فرمایا کہ علیؔ للاستعلاء

قولہ بالقھر (قہراً غالب ہے) اشارہ فرمایا کہ علو صفتی مراد ہے جسمانی نہیں کیونکہ ذات باری تعالیٰ جسم (وجود) سے پاک ہیں۔

قولہ الکبیر (کبریا ہے) عظیم کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔ فسر العظیم بالکبیر لان المبادر من العظیم العظمۃ فی الجسم۔

قولہ علی الدخول (داخل ہونے کی) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا اکراہ فی الدین کہ دین میں اکراہ (زبردستی) نہیں ہے حالانکہ اکراہ کا محل دین تو نہیں بلکہ محل اکراہ تو مکرہ ہوتا ہے یعنی جس کو مجبور کیا جاتے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اکراہ کا صلہ دخول فیہ ہے یعنے داخل ہونے میں اکراہ زبردستی نہیں ہے نہ کہ مطلق دین۔

قولہ ای ظھر (ظاہر ہو چکی ہے) تبیّن کی تفسیر ہے یعنی تغیر اللفظ بلفظ آخر

قولہ بالآیات البیّنات (دلائل واضحہ سے) بالآیات کی با سببیہ ہے علامہ سیوطی رحمتہ ظہور کا سبب بیان کیا ہے کہ روز روشن کی طرح دلائل قدرت آ چکے ہیں۔ اب گمراہی اختیار کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ عند البعض ما بہ الظہور کا ذکر ہے۔

قولہ انّ الایمان رُشدٌ والکفر غیٌّ (کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے آیت کا حاصل معنی بیان کیا ہے)

قولہ نزلت فیمن کان لہ آیت ماضیہ کا شانِ نزول بیان کیا ہے

قولہ الشیطان او الاصنام (طاغوت سے مُراد شیطان یا بُت ہے) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے طاغوت کے دو معنی بیان کئے ہیں کہ اس سے مُراد شیطان ہے یا بُت ہیں جن کی اللہ تعالےٰ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔

قولہ وھو یطلق علی المفرد والجمع (اس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر آتا ہے) بیان تحقیق لفظی ہے، طاغوت کا لفظ طغیان سے ہے، پہلے طغیوت تھا، پھر قلب کرکے طیغوت ہو گیا۔ پھر طاغوت بن گیا۔ فعلوت کا وزن مصدر اسم جنس مُفرد جمع مذکر مؤنث سب طرح استعمال ہوتا ہے۔

قولہ تمسّك اشارہ فرمایا کہ استمسک میں س۔ تا طلب کا نہیں بلکہ استفعال بمعنی تفعّل ہے یا طلب الامساك من نفسہٖ کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

قولہ بالعقد المُحکم (بڑی مضبوطی کے ساتھ) اس کی دو غرضیں ہیں اوّل بالعقد سے بالعروۃ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر (بمعنی کڑا) اور المُحکم سے الوثقیٰ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر (بمعنی مضبوط) دوم اشارہ فرمایا کہ ذکر تو ظاہری کڑے کا ہے لیکن مُراد معنوی کڑا ہے۔ کیونکہ مؤمن کا ہاتھ کھڑے میں نہیں ہوتا۔

یقول ابوالاسعاد العروۃ الوثقیٰ میں استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے عروہ وثقی پیالے یا ڈول کے پکڑنے کے حلقہ کو کہتے ہیں، یہ کلام تمثیلی بھی ہو سکتی ہے حق کو مضبوط پکڑنے کی ہیئت عقلیہ کو حلقہ کی ہیئت حسیہ کے پکڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے اور استمساک اور عدم الانفصال مناسبات مشبہ بہ کا اثبات ہے اس لئے استعارہ ترشیحیہ ہے۔

قولہ انقطاع (ٹوٹنا) انفصام کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قولہ لما یقال قولہ بما یفعل صلہ جات سمیع و علیم ہیں یا محلات سَمِيعٌ و علیم ہیں۔

قولہ ناصر (مددگار) اشارہ فرمایا کہ ولی بمعنی ناصر ہے لیس بمعنی القریب یعنی تعیین احد المعانی ہے۔

قولہ الکفر اشارہ فرمایا کہ ظلمات سے مراد معنوی ظلمت ہے نہ کہ حسی کیونکہ ظلمت کا اطلاق بے دینی پر اور حسی ظلمت یعنی مصائب دونوں پر ہوتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ: قل من ینجیکم من ظلمات البر والبحر۔

قولہ الایمان اشارہ فرمایا کہ معنوی نور (ایمان) مراد ہے نہ کہ حسی (دن کی روشنی) علامہ واقدی کی رائے ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی ظلمت اور نور کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کفر و اسلام ہوتا ہے، بجز آیۃ انعام کے کہ وہاں ظلمت لیل اور نور نہار مراد ہے۔

قولہ ذکر الاخراج اما فی مقابلۃ قولہ یخرجھم من الظلمٰت (یہاں نکالنے کا ذکر یا تو اخراج من الظلمت کے مقابلے کی وجہ سے ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ کہ طاغوت نور سے نکال کر ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں حالانکہ طاغوت (کفار) کو پہلے نور حاصل ہی نہیں تھا پھر اس سے ظلمت کی طرف اخراج کے کیا معنی کما فی قولہ تعالیٰ: وان کانوا

مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اسکے دو جواب دیئے ہیں۔

جواب اوّل یہ ہے کہ یہ کلام مقابلتًا و مشاکلتًا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں نور سے ظلمت کی طرف حقیقی نکلنا مراد نہیں بلکہ پہلے جملے (اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ کی طرح صورتًا اور مشاکلتًا کے اعتبار سے اس کو نکلنے سے تعبیر کیا ہے۔

قولہ او فی کل من امن یہاں سے جواب ثانی کیطرف اشارہ ہے

جواب ثانی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اخراج سے مراد اخراج حقیقی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپکے اوصاف سُن کر یہود میں جو اعتقاد پیدا ہوا تھا اور ایمان آیا تھا وہ بعثت کے بعد کفر سے بدل دیا گیا ہے اس کو اخراج سے تعبیر کیا ہے۔

یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی : کُلُّ مولودٍ یُولَدُ علی فِطرۃِ الاسلام کے لحاظ سے ہر انسان کو جو فطری نور اور صلاحیت عطا ہوتی ہے وہی مراد ہے چنانچہ اگر وہ اس نور فطرت کو خارجی اثرات کی وجہ سے گنوادے تو کہا جائے گا کہ نور ایمان سے ظلماتِ کفر کیطرف چلا گیا ہے۔ کما فی ھذا المقام۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ جادل اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ای حمله بطره بنعمة الله علی ذلك البطر وهو نمرود اِذۡ بدل من حاج قَالَ اِبۡرٰهٖمُ لما قال له من ربك الذی تدعونا الیه رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ای یخلق الحیاة والموت فی الاجساد قَالَ هو اَنَا اُحۡیٖ وَاُمِیۡتُ بالقتل

والعفو عنه ودعی برجلین فقتل احدهما وترك الآخر فلما راٰه غبیا قَالَ اِبْرَاهِیْمُ منتقلا الی حجة اوضح منها فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا انت مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ تحیّر ودهش وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظالمین بالكفر الی محجة الاحتجاج

ترجمہ | کیا آپ کو اس شخص کے واقعہ کی تحقیق نہیں ہوئی، جس نے مباحثہ (تکرار) کیا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے اپنے پروردگار کی بابت اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو سلطنت عطا فرمائی تھی (یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اترانے نے اس کو شیخی پر آمادہ کیا تھا مُراد اس سے نمرود ہے) جبکہ (لفظ إذ بدل ہے حاجّ سے) ارشاد فرمایا ابراہیم علیہ السّلام نے (جواب میں اس شخص کے جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ جس رب کی طرف بلاتے ہیں وہ کون ہے) میرا پروردگار ایسا ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے۔ (یعنی اجسام میں زندگی پیدا کرتا ہے اور مَوت) کہنے لگا (وہ کہ) مَیں بھی جِلاتا ہوں اور مارتا ہوں (قتل کرکے اور معافی دے کر) چنانچہ دو آدمی طلب کئے، ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا، چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے سمجھ لیا کہ وہ غبیّ ہے) فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے (ایک دلیل سے زیادہ واضح دلیل کیطرف منتقل ہوتے ہوئے) کہ اللہ تعالیٰ تو آفتاب مشرق سے نکالتے ہیں تو نکال کر دکھا دے مغرب سے، اس سے مبہوت ہو کر رہ گیا کافر (متحیّر اور ہکا بکا رہ گیا) اور اللہ تعالیٰ ایسے بے راہوں کو راہ نہیں دکھلایا کرتے (جو کفر سے آلودہ ہوں طریق استدلال کی طرف)

بیانِ ربط | پچھلی آیت میں نورِ ایمان اور ظلمت کفر کا ذکر ہوا تھا، اُسی کی نظیریں

تین واقعے نقل کیے جا رہے ہیں جن میں ایک طرف حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عزیرؑ جیسے مؤمن ہیں اور دوسری طرف نمرود جیسا مردود ہے۔

بیان اغراض جلالین

قولہ جادل حاج کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر بمعنی تکرار خلاصہ یہ نکلا کہ حاج بمعنے جادل ہے لا بمعنی غلب فی الحجۃ کما فی قولہ علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات فحج آدم موسیٰ (الحدیث)

یقول الشیخ جاجروی رحمہ القوی: نمرود مشرک تھا یا دہری۔ بعض حضرات نے دہری کہا ہے تو پھر فی ربہ میں تاویل کی ضرورت نہیں، اگر کہو کہ مشرک تھا مگر ضد کی وجہ سے اقرار توحید نہیں کرتا تھا تو پھر مضاف مقدر کریں گے ای فی توحید ربہ لیکن عند الاکثر دہری تھا۔

قولہ ای حملہ بطرہ بنعمۃ اللہ علی ذالک البطر (یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اترانے نے اس کو شیخی پر آمادہ کر دیا تھا) علت حاج ہے کہ جھگڑا کرنے کی اصل بنیاد دولت وحکومت کا نشہ تھا۔

یقول ابو الاسعاد خلاصۂ علت یوں ہے کہ اصل عبارت یوں بنے گی آن آتاہ ای حاج لاجلہ شکراً لہ یہ برعکس نہند نام زنگی کافور کے لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسے عربی محاورہ میں کہا جاتا ہے۔ عادیتنی لانی احسنت الیک یعنے میرے ساتھ عداوت میرے احسان کرنے کی وجہ سے کر رہے ہو، یعنی جو چیز دوستی کا سبب ہونی چاہیئے، اس کو دشمنی کا سبب بنا دیا۔ اسی طرح یہاں ملک وحکومت کا عطا ہونا۔ اطاعت وفرمانبرداری کا باعث ہونا چاہیئے تھا نہ کہ حجت بازی اور مناظرہ کا۔

قولہ وھو نمرود تعیین موصول ہے یعنی الذی موصول کی تعیین کی ہے کہ اس سے مراد نمرود ہے۔ یہ نمرود بن کنعان یا ابن کوش ہے جس نے دنیا میں سب سے پہلے پہل، تاج سر پر رکھا اور ظلم وجور پھیلایا اور ساری زمین کی بادشاہت،

حاصل کرکے خدائی کا اعلان کردیا۔ اس قسم کے جہانگیر اور عالمگیر بادشاہ چار گزرے ہیں حضرت سلیمان اور ذوالقرنین خدا کے دو فرمانبردار اور نمرود و بخت نصر دو کافر۔

قولہ بدل من حاج الفظ اذ بدل ہے حاج سے یعنی بیان ترکیب ہے

قولہ لما قال لہ من ربک الذی تدعونا الیہ (جواب میں اس شخص کے جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ جس رب کی طرف بلاتے ہیں وہ کون ہے) قول ابراہیم کا زمانہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام رَبِّیَ الَّذِی والا قول کس وقت فرمایا تھا۔

قولہ ای یخلق الحیوۃ والموت فی الاجساد (یعنی اجسام میں زندگی پیدا کرتا ہے اور موت) موت وحیات کے دو معنی ہیں:۔

اوّل: حقیقی موت وحیات کا حقیقی معنی یہ کہ روح نکالنا اور روح ڈالنا۔

دوم مجازی موت وحیات کا مجازی معنی یہ کہ اسباب موت و اسباب حیات کو استعمال کرنا۔ مثلاً کسی نے زہر پی لی اور مرگیا یا کسی کو قتل کر دیا گیا۔ مجازی حیات کہ پھانسی کے سزا یافتہ مجرم کو معاف کردیا جاتے، اوّل معنی حقیقی کو مافوق الاسباب بھی کہتے ہیں اور معنی دوم مجازی کو ماتحت الاسباب کہتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحہ نے یہ جملہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ حیات وموت کا حقیقی معنی (روح نکالنا) مراد ہے نہ کہ مجازی (مجرم کو چھوڑ دینا) یعنی حیات وموت مافوق الاسباب مراد ہے نہ کہ ماتحت الاسباب۔ خلاصہ یہ نکلا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام موت وحیات کا حقیقی معنی مراد لے رہے تھے جبکہ نمرود مردود مجازی معنی سمجھ رہا تھا

قولہ ھو تعیین فاعل قال ہے کہ قال کا فاعل یا قال کی ضمیر کا مرجع نمرود ہے

قولہ بالقتل والعفو (قتل کرکے اور معافی دے کر) اکی بار تصویر یہ ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے امیت کی صورت بیان کی ہے اور عفو سے احی کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ ودعیٰ برجلین بیان قرینہ ہے کہ موت وحیات کے مجازی

معنیٰ مُراد لینے پر قرینہ بیان فرمارہے ہیں۔

قولہ فلمارآہ غبیاً (جب حضرت ابراہیمؑ نے سمجھ لیا کہ یہ غبی ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلیلِ اوّل کو چھوڑ کر دلیل ثانی کیوں پیش کی، یہ تو ابطالِ دلیل ہے جبکہ آں النبی معصوم عنہ

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ یہ ابطال دلیل نہیں بلکہ عدول عن مثال خفیٍ إلیٰ مثال جلی ہے یا انتقال من الأدق الی الأسھل ہے چنانچہ علم مناظرہ والوں کا قانون ہے کہ مناظر دیکھے کہ میرا مدِ مقابل غبی ہے، میری دلیل کو نہیں سمجھ رہا تو اس دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل پیش کرسکتا ہے۔ یہ ابطال دلیل نہیں بلکہ ابقاء دلیل ہے۔ کما فی قصۃ سیدنا ابراھیم۔

قولہ مُنتقلاً الی حجۃ اوضح مِنھا (اس دلیل سے زیادہ واضح دلیل کی طرف منتقل ہوتے ہوتے) قال ابراھیم کی کیفیت کا بیان ہے۔

قولہ أنت (توں اے نمرود) بیان مرجع ہے

قولہ تحیّر و دَھِشَ (متحیر اور ہکا بکا رہ گیا) یہ فبُھِتَ کی تفسیر ہے لیکن یہ مجہول کی تفسیر ہے معلوم کے ساتھ کیونکہ بھت ان افعال میں سے ہے کہ صورتاً مجہول اور معنیً معروف ہوتے ہیں، چنانچہ الذی کفر اس کا فاعل ہوگا نہ کہ نائب فاعل

قولہ بالکفر اس کی باء تصویر یہ ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ظلم کی صورت بیان کی ہے

قولہ او محجۃ الاحتجاج (طریقِ استدلال کی طرف) اس کی دو غرضیں ہیں، اوّل لایھدی کا صلہ بیان کیا ہے یعنی بیانِ صلہ ہے۔ دوم مھدی الیہ کا بیان ہے۔

سوال یہ احتمال تھا کہ اگر نمرود کہہ دیتا کہ مغرب سے سورج، تو میں نہیں لاسکتا۔ تیرا رب اگر ہے تو وہ مغرب سے لے آتے یا یوں کہہ دیتا کہ مشرق سے

آفتاب نکالنا میرا کام ہے تیرا رب اگر ہے تو اس سے مغرب سے نکلوا کر دکھلائے۔

جواب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات مبارک کی ہیبت اس پر ایسی طاری ہوئی کہ ضدی ہونے کے باوجود اس کا دماغ اس سوال کی طرف نہ جاسکا یعنی ہیبت کی وجہ سے اس کو ایسا سانپ سونگھ گیا کہ دیوار بولے تو وہ بولے۔

یقول الشیخ جاجردی رحمہ القوی نمرود مردود کو دل میں اعتقاد تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام واقعی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں، اگر میں نے مشرق والا سوال کر لیا تو اللہ پاک ضرور اس کو پورا فرمالیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ میری مٹی پلید ہوگی، میں اور زیادہ خراب ہوں گا۔

اَوْ رأیت كَالَّذِیْ الكاف زائدة مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ هی بیت المقدس راكبًا على حمار ومعه سلة تين وقدح عصير وهو عزيرٌ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ ساقطة عَلٰى عُرُوْشِهَا سقوفها لما خربها بخت نصر قَالَ اَنّٰى كيف يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا استعظاما لقدرة الله تعالٰى فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ والبثه مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ احياه ليريه كيفية ذالك قَالَ تعالٰى له كَمْ لَبِثْتَ مكثت هنا قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ لانه نام اول النهار فقبض واحيى عند الغروب فظن انه يوم النوم

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ التين وَشَرَابِكَ العصير لَمْ يَتَسَنَّهْ يتغير مع طول الزمان والهاء قيل اصل من سانهت وقيل للسكت من سانيت وفى قراءة بحذفها وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ كيف هو فراه ميتًا وعظامه بيض تلوح فعلنا ذالك لتعلم وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً على البعث لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ من حمارك كَيْفَ نُنْشِزُهَا نحييها بضم النون وقرئ بفتحها من انشز ونشز لغتان وفى قراءة بضمها والزاى نحركها ونرفعها ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فنظر اليها وقد تركبت وكسيت لحمًا ونفخ فيه الرّوح ونهق فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ذالك بالمشاهدة قَالَ اَعْلَمُ علم مشاهدة اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وفى قراءة اِعْلَمْ امر من الله له

ترجمہ

یا تم کو اس طرح کا قصہ (معلوم ہے) کَالَّذِیْ میں کاف زائد ہے جیسے ایک شخص تھے کہ ایک بستی پر ان کا گزر ہوا (یعنی بیت المقدس پر اپنے گدھے پر سوار ہو کر اس حال میں تشریف لانے کہ ان کے ہمراہ انجیروں کا تھیلہ شیرہ انگور کا پیالہ تھا حضرت عزیرؑ) درآنحالیکہ وہ بستی گری (پڑی ہوئی تھی) اپنی چھتوں پر (جگہ بخت نصر نے اس کو برباد کر دیا تھا) کہنے لگے کیسے (کس طرح) زندہ کریں گے اللہ تعالیٰ

اس بستی کو مَر جانے کے بعد (اللہ کی قدرت کا اظہار عظمت کرتے ہوئے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان صاحب کو وفات دے دی (اور ان کو اس حال میں ٹھہرائے رکھا) سو سال پھر ان کو زندہ کر دیا (حیات بخش دی تاآنکہ وہ اس کیفیت احیاء کا مشاہدہ کر سکیں، حق تعالیٰ نے) ارشاد فرمایا (اُن سے) کہ تم کتنی مدت اس حالت میں رہے (یہاں کتنا ٹھہرے رہے) عرض کیا کہ ایک روز رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم (کیونکہ صبح کے اول وقت ان پر یہ مناسی کیفیت طاری ہوئی تھی اور غروب کے وقت زندہ ہو گئے اس سے یہ سمجھے کہ یہ وہی سونے کا دن ہے) ارشاد ہوا کہ نہیں بلکہ تم سو سال رہے ہو، ذرا اپنے کھانے (انجیر) پینے (شیرہ انگور) تو دیکھئے کہ ذرا بھی گلے سڑے نہیں (باوجود کافی مدت گزرنے کے اور یتسنہ میں بعض کے نزدیک ھا اصلی ہے سانھت سے ماخوذ ہے اور بعض سانیت سے ماخوذ مان کر ھائے سکتہ کہتے ہیں اور ایک قرأت حذفِ ھاء ہے) اور اپنے گدھے کو دیکھئے (کہ وہ کس حال میں ہے چنانچہ انھوں نے اُسکو مردہ پایا کہ اس کی ہڈیاں تک سفید ہو چکی تھیں جو صاف چمک رہی تھیں، یہ ہم نے اس لئے کیا تاکہ آپ سمجھ جائیں) اور تاکہ ہم آپ کو (دوبارہ زندہ ہونے کی) ایک نظیر بنا دیں گے، لوگوں کے لئے اور ہڈیوں کی طرف نظر کیجئے (اپنے گدھے کی) کہ ہم اس کو کس طرح پہنائے دیتے ہیں (زندہ کیسے کرتے ہیں، ضم نون کے ساتھ اور نیز فتح نون کے ساتھ یہ لفظ پڑھا گیا ہے۔ انشز اور نشز دونوں لغت ہیں اور ایک قرأت میں ضم نون و زاء کے ساتھ ہے بمعنی نحرکہا ونرفعہا پھر ہم ان ہڈیوں پر گوشت چڑھائے دیتے ہیں (چنانچہ ان صاحب نے حمار کی طرف نظر اُٹھائی تو وہ جڑ چکا تھا اور گوشت کا خول پہن رہا تھا اور اس میں جان ڈالی جا رہی تھی اور وہ بولنے لگا تھا) پھر جب یہ سب کیفیت اُن کے مشاہدے میں آ گئی (اُنھوں نے ملاحظہ کر لیا) تو وہ بول اُٹھے کہ میں (مشاہدہ کا علم) الیقین رکھتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ جل شانہٗ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں (اور ایک قرأت میں اِعۡلَمۡ یعنی خدا نے اُن کو یہ امر فرمایا۔)

بیان اغراضِ جلالین

قولہ رَأَیْت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ اَو کالّذِیْ کا عطف اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَاجَّ پر ہے تو یہ عطف جملہ علی الجملہ ہوا یعنی بیانِ حاصلِ عطف ہے۔ عند البعض لَمْ نے تری کو معنًا ماضی بنا دیا ہے، اس لئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے بھی رأیت ماضی نکالی ہے۔

سوال یہ ہے کہ الم تر پر تو عطف ہے اِلَی الَّذِیْ پر عطف کیوں نہیں کیا۔

جواب الذی حاجّ پر اس لئے عطف نہیں کیا کہ کاف پر الی داخل کرنا پڑتا حاصل عبارت یوں ہوتی۔ اِلَی الذی و اِلی کالذی اور کاف پر الی کا داخل کرنا ممتنع ہے۔

قولہ الکاف زائدۃ (کاف زائدہ ہے) تعیین کاف ہے۔

یقول ابوالاسعاد (صانہ اللہ عن الشرّ والفساد) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ کالّذِی میں کاف اسمیہ بمعنٰے مثل ہے لیکن علامہ صاحب رُوح اس کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں و تعجب من الذی صنع مثلہ مع ان الغرض التعجب منہ لا من مثلہ فتامل

قولہ وھی بیت المقدس تعیین قریہ ہے کہ بستی سے مُراد بیت المقدس کی بستی ہے۔

قولہ راکبًا علی حمار الخ کیفیت مرور کا بیان ہے یعنی پیدل نہیں تھے بلکہ گدھے پر سوار تھے۔ سَلّۃ پھلوں کی ٹوکری یا تھیلہ تین بمعنی انجیر عصیر بمعنی شیرہ انگور

قولہ وھو عزیر الذی موصول کی تعیین فرمائی ہے۔ حضرت ہارون علیہ السّلام کے خاندان سے تھے۔

ثانیًا ان لوگوں کی تردید فرمادی جو کہتے ہیں کہ الذی سے مراد حضرت خضر یا حضرت حزقیل علیہما السلام ہیں۔

قولہ ساقطۃ (پڑی ہوئی تھی) خاویۃ کی تفسیر ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ سقوفہا (اپنی چھتوں پر) عُروش کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اولاً چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں آن پڑیں۔

قولہ لما خربہا بخت نصّر (بختِ نصر نے اس کو برباد کر دیا تھا) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے خاویۃ علی عروشہا کا سبب بیان کیا ہے کہ بیت المقدس کی بستی کو اس کافر بادشاہ نے برباد کیا تھا نہ کہ مرورِ زمانہ کے سبب یعنی بیان سببِ ہلاکت ہے۔

قولہ کیف اشارہ فرمایا کہ اَنّٰی بمعنیٰ کیف لا بمعنیٰ مَتٰی لانّ مجیئ انّٰی بمعنیٰ کیف کثیر واما بمعنیٰ متٰی فلم یجیئ الا نادرًا۔

قولہ استعظامًا لقدرۃ اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار عظمت کرتے ہوئے) کیفیت سوال کا بیان ہے یعنی زندہ کرنے پر اللہ قادر ہے لیکن کس کیفیت سے زندہ کرے گا۔

یقول ابوالاسعاد کیفیت سوال کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے کہ ان السؤال للاعتراف بالقصور عن معرفۃ طریق الاحیاءِ واستعظامًا لقدرتہٖ تعالیٰ لا استبعادًا لہ لانہ ینافی الایمان مع ان عزیرًا کان مومنًا یقینًا۔

قولہ البثہ (اور اُن کو اسی حال میں ٹھہرائے رکھا) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فاماتہ اللہ مائۃ عامٍ کہ مارا اس کو اللہ پاک نے سو سال حالانکہ انّ الامَاتۃ تکون فی ساعۃ واحدۃ فکیف یستغرق مائۃ عامٍ حالانکہ سو سال تک مارتے رہنا یہ تو سزا ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ موت تو آنًا فانًا تھی مگر موت دینے کے بعد ٹھہراتے رکھا، سوال یعنی موت (اخراج

(۳) تو ساعۃ واحد میں واقع ہوگئی تھی مگر مدتِ اقامت سو سال تھی، اس لئے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضح قرآن میں معنٰی کرتے ہیں مار رکھا اس کو سو سال هٰکذا قالہ الشیخ الھند

قولہ احیاہ (حیات بخش دی) بعثہ کی تفسیر بیان کی ہے، عند البعض اشارہ فرمایا کہ بعثت اپنے حقیقی معنٰی (حیات) میں ہے

قولہ لیُرِیَہ کیفیۃ ذالک (تا آنکہ وہ اس کیفیت احیا۔ کا مشاہدہ کرسکیں) علت بعثت ہے کہ زندہ کرنے کی علت ہی مشاہدہ قدرت ہے۔

قولہ تعالیٰ اشارہ فرمایا کہ قال کی قائل علو شان ہستی ہے یعنی ذات باری تعالےٰ

قولہ مکثت (یہاں کتنے ٹھہرے رہے) لبثت کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ ھنا۔ لبثت (ٹھہرنا) دو قسم ہے مطلق۔ کہ ساری حیاتی کتنی ہے مقید کہ اس کی جگہ کتنی مدت رہے ہو، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ بعثت مطلق کا سوال نہیں بلکہ بعثت مقید کا سوال ہے کہ قریہ بیت المقدس میں کتنی مدت ٹھہرے رہے

قولہ لانہ نام اول النھار فقبض واحییٰ وغیرہ سوال مقدر ہے۔

سوال حضرت عزیر علیہ السلام نے اتنی لمبی مدت (ایک صدی) کو ایک یوم یا آدھا یوم کیوں فرمایا؟

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ ان کا یَوْمًا اور بعض یوم فرمانا اس وجہ سے تھا کہ دن کے اول حصہ میں یہ نیند کی کیفیت طاری ہوئی تھی، جب زندہ ہوئے تو غروب کا وقت تھا تو یہ مدت تقریبًا یومًا أو بَعْضَ یَوْمٍ ہی بنتی ہے۔

قولــه التين (انجیر)   قولــه العصیر (شیرۂ انگور)
اشارہ فرمایا کہ طعامك اور شرابك کی اضافت عہدی ہے اس سے مخصوص طعام و مخصوص شراب مُراد ہے۔

قولــه یتغیّر (ذرا بھی گلے سڑے نہیں) یَتَسَنَّہ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیرُ اللفظ بلفظ آخر۔

قولــه مع طول الزمان (باوجود کافی مُدّت گزرنے کے) بیان مقتضی تغیّر ہے کہ اتنا لمبا زمانہ تو تبدیلی کا متقاضی ہے۔

قولــه والهاء قیل اصل بیان قراءت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لَمْ یتسنه کی دو قراءتیں ہیں۔ بالہَاء کما فی قراءۃ حفص۔ بغیر الھَاء یعنی لَمْ یتسنَّ جس کو وَفِی قراءۃٍ بحذفِھَا سے بیان فرما رہے ہیں، قراءت بالھَاءِ میں اختلاف ہے کہ ھَا نفسِ کلمہ کی ہے یا سکتہ کی ھَاء ہے، بعض حضرات کے نزدیک ھاء نفسِ کلمہ کی ہے یعنی اصلی ہے بدلیل کہ اس کی تصغیر سنیھہ ہے۔ کما قال سانھت النخلۃ (کھجور درست ہے) بعض کے نزدیک ھاء سکتہ کی ہے کیونکہ اس کی تصغیر سنّۃ ہے جس کی اصل سنوۃ ہے۔

قولــه کیف هو فراٰه میتًا وعظامه بیض تلوح (کہ وہ کس حال میں ہے چنانچہ انھوں نے اس کو مُردہ پایا کہ اس کی ہڈیاں تک سفید ہو چکی تھیں جو صاف چمک رہی تھیں) محل نظر بیان کیا ہے۔

قولــه فعلنا ذالك لتعلم علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے ولنجعلك کا معطوف علیہ مقدر کیا ہے۔

قولــه علی البعث (دوبارہ زندہ ہونیکی) ماعلیہ الآیت کا بیان ہے۔

قولــه مِن حمَارك (اپنے گدھے کی) اس کی دو غرضیں ہیں:۔
اوّلؔ اشارہ فرمایا کہ العظام کی الف لام عوض ہے مضاف الیہ محذوف کے اصل عبارت تھی۔ ای عظام الحمار۔ دوؔم: تردید فرمائی ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ عظام سے

مُراد خود حضرت عزیر علیہ السّلام کی ہڈیاں ہیں۔

قولہ نحییہا علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ننشزھا کا مجازی معنی بیان کیا ہے
قولہ نحرکھا و نرفعھا یہاں سے ننشزھا کا حقیقی معنی بیان کیا جارہا ہے
قولہ بضم النون بیانِ قراءت ہے۔ یہاں دو قراءتیں ہیں :-
(۱) بالزاء (۲) بالرّاء مَن انشز و نشز کی زاء غلط ہے، اصل لفظ بالراء ہے یعنی راء کے ساتھ ہے جو مقابل زاء ننشزھا۔ ننشرھا

یقول ابوالاسعاد : ثم نکسوھا لحمًا سے حقیقی معنی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ احیاء اس کے بعد ہوتا ہے نہ کہ پہلے الا یہ کہ احیاء کے معنی اگر بعض اجزاء کو بعض اجزاء کے ساتھ جمع کرنے کے معنی میں لیں تو دونوں قراءتوں کا مفہوم ایک ہو سکتا ہے جس طرح انشز و نشز دونوں کے معنی ایک ہیں اسی طرح انشر و نشر دونوں ایک معنی میں ہیں قولہ فنظر الیہا (چنانچہ حضرت نے حمار کی طرف نظر اٹھائی) وانظر الی حمارك یہ شرط ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فنظر سے اس کی جزاء بیان کی ہے

قولہ وقد ترکبت وکُسیتْ لحمًا نفخ فیہ الرّوح ونھق وہ حمار جُڑ چکا تھا اور گوشت کا خول پہن رہا تھا اور اس میں جان ڈالی جارہی تھی اور وہ بولنے لگا تھا) وانظر الی حمارك الخ والی آیت کا حاصل معنی بیان کیا ہے۔

قولہ ذٰلك بیان مرجع ہے اور ذالك سے مُراد کیفیت احیاءِ الموتٰی ہے۔

قولہ بالمشاھدۃ (انھوں نے ملاحظہ کرلیا) بالمشاھدۃ کی باء تصویریہ ہے، علامہ سیوطی رح نے تبیین کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ علم بالمشاھدۃ (مشاہدہ کا علم) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال حضرت عُزیر علیہ السّلام اللہ کے نبی ہیں اور نبی خدا کی قدرت کے زیادہ قائل ہوتے ہیں، بنسبت دوسروں کے اور حضرت عزیر علیہ السّلام کو تبیین تو پہلے ہی حاصل تھی پھر کیوں فرمایا فلما تبین لہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ احیاء حمار کے بعد تبیین حاصل ہو رہا ہے۔

جواب تو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر جواب دیا کہ پہلے تبیین و اطمینان استدلالی تھا۔ احیائے حمار کے بعد اطمینان و تبیین بالمشاہدہ ہوگیا۔ بالفاظِ دیگر پہلے علم الیقین کے درجہ میں اعتقاد تھا، احیائے حمار کے بعد اب عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے۔

قولہ فی قراءۃ اعلم بیان قراءت ہے امر کا وزن ہوگا کہ اللہ تعالٰی نے اُن کو حکم فرمایا۔

وَاذکر اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی
قَالَ تعالیٰ لہ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ بقدرتی علی الاحیاء سألہ
مع علمہ بایمانہ بذالك لیُجیب بما قال لہ فیعلم
السامعون غرضہ قَالَ بَلٰی اٰمنت وَلٰكِنْ سالتك
لِیَطْمَئِنَّ یسکن قَلْبِیْ بالمعاینۃ المضمومۃ الی
الاستدلال قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ
اِلَیْكَ بکسر الصّاد وضمها املهنّ الیك وقطعهنّ و
اخلط لحمهنّ وریشهنّ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ
من جبال ارضك مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ الیك
یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا سریعًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ لایعجزہ شیٔ
٤٢ حَكِیْمٌ فی صنعہ فاخذ طاؤسًا ونسرًا وغرابًا ودیكًا

وفعل بھن ما ذکر وامسک رؤسھن عندہ ودعاھن فتطایرت الاجزآء الی بعضھا حتی تکاملت ثم اقبلت الی رؤسھا

ترجمہ اور (یاد کیجئے اس واقعے کو) جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ فرمائیں گے، دریافت فرمایا (حق تعالےٰ نے اُن سے) کہ کیا تم یقین نہیں رکھتے ہو (میرے زندہ کرنے کی قدرت پر حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے باوجودیکہ اس پر ان کے ایمان رکھنے علم تھا، اس لئے دریافت فرمایا، تاکہ جو کچھ جواب ابراہیم علیہ السلام دیں۔ سامعین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غرض سے واقف ہو جائیں) عرض کیا کیوں نہ (یقین کرتا) لیکن (میری درخواست) اس لئے ہے کہ اطمینان (سکون ہو جائے میرے دل کو (استدلال کی تائید مشاہدہ سے ہوکر) ارشاد ہوا کہ اچھا لے لو تم چار پرندے پھر اُن کو اپنے پاس ہلا لو (صُرھُن صاد کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی اپنی طرف ان کو ہلالو اور ان کے ٹکڑے کرکے گوشت پوست آپس میں ملالو) پھر ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو (اپنی بستی کے پہاڑوں میں سے) ان کے ایک ایک حصّہ کو پھر ان سب کو (اپنی طرف) بلاؤ تو دوڑے چلے آئیں گے وہ تمہارے پاس (جلدی سے) اور خوب یقین رکھو کہ اللہ تعالےٰ زبردست ہیں (کہ کوئی چیز بھی ان کو عاجز نہیں کرسکتی اور (اپنی صفت میں) حکمت والے بھی ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مور اور ایک کرگس اور ایک کوّا اور ایک مرغ لئے اور ان کے ساتھ مذکورہ کارروائی کرکے ان کے سر اپنے پاس رکھ لئے اور ان جانوروں کو آواز دی تو ان کے اجزاء آپس میں اُڑ کر مل گئے اور اپنے اپنے سروں سے آکر جُڑ گئے۔

بیانِ اغراضِ جلالین قولہ اذکر اذ کا متعلق ذکر کیا ہے یعنے بیانِ متعلق ہے۔

قولہ تعالیٰ قال کے قائل کی علوِ شانی کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ لہ بیان مقول لہم ہے۔

قولہ بقدرتی (زندہ کرنے کی قدرت پر) مؤمن بہ کا بیان ہے۔

قولہ علیٰ الاحیاء صلہ قدرت ہے یا محلِ احیاء ہے۔

قولہ سألہ مع علمہ بایمانہ بذالک دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اصل حیات بعد الممات میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا بلکہ اسکے مشاہدہ کیفیت کی درخواست تھی تو پھر ذات باری تعالیٰ علام الغیوب ہونے کے باوجود اولم تؤمن کیوں فرمایا؟

جواب تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ عبارت نکال کر جواب دیا کہ ہر وقت سوال استعلام کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کبھی دوسری اغراض بھی مقصود ہوتی ہیں۔ کما فی ھٰذا المقام اب اس مقام پر کیا غرض تھی، اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تو ممکن تھا کوئی سائل کہہ دیتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کی قدرت میں شک ہے جس کے پیش نظر ممکن تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب اس غلط مفہوم کا انتساب کر دیا جاتا اس لئے حق تعالیٰ نے اس غلط انتساب سے اپنے پیارے کو بچانے کے لئے اولم تؤمن کا سوال قائم فرمایا۔ جس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔ بلیٰ: اب اس تہمت سے ان کی براءت ہو گی، یعنی غرض عبارت مذکورہ بیان پاکدامنی از تہمت بنے گی۔

قولہ اٰمنتُ (یقین کرتا) کلمہ بلیٰ کا منفی کو مثبت کرتا ہے تو بلیٰ کا ماقبل اولم تؤمن منفی تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے مثبت نکالا ہے جس کو بلیٰ ثابت کر رہا ہے یعنی بیان مثبت ہے۔

قولہ سألتک (میری درخواست) لیطمئن کا متعلق نکالا ہے یعنی بیان متعلق مقدر لیطمئن ہے۔

قولہ یسکن (سکون) اطمینان مقابل اضطراب ہے، اضطراب میں تحریک اطمینان میں سکون قلب ہوتا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یسکن کا کلمہ نکال کر یطمئن کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ بالمعاینۃ المضمومۃ الی الاستدلال (استدلال کی تائید مشاہدہ سے ہوکر) اس کی دو غرضیں ہیں:

اولاً بالمعاینۃ کی باتصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ اطمینان قلبی کی صورت بیان کی ہے، دوئم وہی سوال کا جواب ہے کہ جو علم بالمشاہدہ میں گزر چکا ہے کہ یہاں پر بھی درخواست کا منشا وہی عین الیقین حاصل کرنا ہے

یقول ابوالاسعاد حضرت عزیر علیہ السلام کی درخواست کی تکمیل میں پورے سو سال لگ گئے اور اُن کی فرمائش کا خود انہی پر تجربہ کیا گیا مگر ان کا نام نہیں لیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حُسن ادب اور مقبولیت اور خصوصیت کی وجہ سے ان کا نام لیا گیا اور فوراً ہی ان کی فرمائش پوری دی گئی، صحیح معنوں میں تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کا مظاہرہ فرمایا گیا ہے۔

قولہ بکسر الصاد وضمھا بیان قراءت ہے۔

قولہ اَمِلْهُنَّ الیک وقطعھُنَّ (یعنی اپنی طرف ان کو ہلا لو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرو) مفسرین حضرات میں اختلاف ہے۔ فصُرھن کا کیا معنٰی ہے۔ بعض مفسرین حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ پرندوں کے ذبح کرنے کا حکم نہیں تھا بلکہ صرف دانہ وغیرہ کھلا کر اُن کو مانوس کرنے کا حکم تھا۔ کما قالہ مولانا ابوالکلام وغیرہ کچھ حضرات اس کے قائل ہیں کہ ذبح کرنے کا حکم تھا کہ ذبح کرو پھر اُن کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑ پر رکھو، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے دونوں قولوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اگر فصُرھُنَّ بمعنٰی مانوس ہو تو اَمِلْهُنَّ اس کا مرادی معنٰی ہوگا۔ اگر ذبح کرنے کے معنی میں لیا جائے تو وقَطِّعْهُنَّ اس کا مرادی معنٰی ہوگا۔

قولہ واخلط لحمھنَّ وریشھنَّ (گوشت پوست آپس میں ملالو)

اقتضاء النص کے طور پر یہ کلمہ نکالا تاکہ اقطعھن کی مُراد واضح ہو جائے۔

قولہ من جبال ارضك (اپنی بستی کے پہاڑوں میں سے) علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ علی کُلّ جَبَلٍ میں کل استغراقی نہیں بلکہ کل عرفی ہے کیونکہ کل استغراقی ہونے میں سارے جہان کے پہاڑ مُراد ہوں گے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سارے پہاڑوں پر پہنچ سکیں، للازما کل عرفی ہوگا کہ آپ کی بستی والے پہاڑ ہیں۔

قولہ سعیًا (جلدی سے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ پرندے آئیں گے آپ کے پاس دوڑنے والے حالانکہ پرندے تو اُڑتے ہیں، دوڑتے تو نہیں

جواب علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ سعی کا حقیقی معنےٰ مُراد نہیں (دوڑنا) بلکہ لازمی معنےٰ مُراد ہے یعنی ذکر سعی کا مراد سریعًا ہے۔

قولہ لا یعجزہٗ شیء (کوئی چیز بھی ان کو عاجز نہیں سکتی، تعیین احد المعانی ہے کیونکہ عزیز بمعنےٰ مثل عزیز بمعنےٰ غالب وغیرقد مر تحقیقہ

قولہ فی ضعفہ قد مر تحقیقہٗ فی قولہٖ والذین یتوفون منکم الخ

قولہ فاخذ طاؤسًا ونسرًا الخ بیان خلاصہ قصہ ہے۔

اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ کی تخصیص کیوں ہے؟

ان چار جانوروں کے نام کسی حدیث سے تو ثابت نہیں البتہ علماء نے ذکر کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ مرغ۔ مور۔ کوآ۔ کرگس۔ پھر ان کی تخصیص اور چار پرندوں کا عدد۔ اس طرف مُشیر ہے کہ انسان بھی عناصر اربعہ کا مجموعہ ہے اور اس کے یہ بسائط جو درحقیقت الگ مرکبات ہیں، ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں اور زندگی سے تعبیر ہیں، لیکن مرنے کے بعد الگ الگ اپنے حیز میں پہنچ جائیں گے لیکن قیامت کے روز پھر حکم الٰہی سے دوڑ دوڑ کر آئیں گے، اسی کی نظیر کا مشاہدہ یہاں کرایا گیا ہے اور پرند کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ انسان سے زیادہ قریب ہیں اور خواص

حیوانی کے جامع ہیں اور ان جانوروں کی تعیین میں یہ نکتہ ہے کہ مور میں عُجب اور خود بینی اور تکبر ہوتا ہے۔ کرگس میں کھانے پینے کی شہوت مُرغ میں جفتی کی رغبت اور صَولت اور کوّے میں شدتِ حرص اور خستتِ نفس اور کبوتر میں ترفع اور سرعت الی الھوای ہوتی ہے، انسان کو چاہیے کہ ترقیٔ درجات اور حیات ابدی چاہے تو ان سب کو قربان کرے۔

مَثَلُ صفة نفقات الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اى طاعته كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ فكذالك نفقاتهم تتضاعف بسبع مائة ضعف وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ اكثر من ذٰلك لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ فضله عَلِيْمٌ بمن يستحق المضاعفة الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا على المنفق عليه بقولهم مثلاً قد احسنت اليه وجبرت حاله وَلَآ اَذًى له بذكر ذٰلك الى من لايحب وقوفه عليه ونحو ذالك لَهُمْ اَجْرُهُمْ ثواب انفاقهم عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فى الأخرة قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ كلام حسن ورد على السائل جميل

وَمَغْفِرَةٌ لہ فی الحاحہ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى بالمنّ وتعییرلہ بالسّوال وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عن صدقة العباد حَلِيْمٌ بتاخیرالعُقوبة عن المانّ والمُوذی يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ ای أجورها بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ابطالاً كَالَّذِىْ ای کابطال نفقة الّذی يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ مرائیًا لهم وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وھو المُنافق فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ حجرٍاَملس عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ مطر شدیدٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا اصلبًا اَملس لاشئ علیه لَا يَقْدِرُوْنَ استیناف لبیان مثل الْمُنافق المُنفق ریاء وجمع الضمیرباعتبارمعنی الّذی عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا عملوا ای لایجدُون لہٗ ثوابًا فی الاٰخرة کما لایوجد علی الصفوان شئ من التراب الذی کان علیه لاذهابِ المطر له وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۔

ترجمہ حالت (خرچ کرنے کی کیفیت) اُن لوگوں کی جو اپنے اموال کو اللہ (جل شانہٗ) کی راہ (طاعت) میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں اُگ آئیں، ہر بال میں سو دانے ہوں (یہی

حال اُن لوگوں کے انفاق کا ہے ۔ سات سو گنا اجر بڑھ سکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑھا سکتے ہیں (اس سے بھی زائد) جس کے لئے چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وُسعت والے ہیں (اپنے فضل میں) اور واقف ہیں (کون اضافے کا مستحق ہے) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں (جس سے یہ سُلوک کیا مثلاً یہ کہہ کر کہ میں نے یہ احسان کیا اور اس کی ٹوٹی پھوٹی حالت درست کی) اور نہ اذیت پہنچاتے ہیں (اس سُلوک کا تذکرہ ایسے شخص کے سامنے کر کے جس کے سامنے سائل اظہار پسند نہیں کرتا اسی قسم کی اور کوئی صُورت آزار ہو) اُن کے لئے اجر (ان کے انفاق کا ثواب) ہے ، ان کے پروردگار کے پاس اور ان کو خطرہ نہیں ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے (قیامت کے روز) مناسب بات (کلام شیریں اور سائل کو موزوں جواب) کہہ دینا اور درگزر کر دینا (اس کے حد سے زیادہ بڑھے ہوتے اصرار پر) بہتر ہے ایسی خیرات سے جس کے پیچھے تکلیف رسانی لگی ہوئی ہو (احسان جتلا کر یا مانگنے پر پھٹکار کر کے) اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں (بندوں کی خیرات سے) اور بردبار ہیں (کہ احسان جتلانے والے موذی کو ڈھیل دے رکھی ہے) اَے اہلِ ایمان ! تم برباد مت کرو اپنی خیرات کو (یعنی اسکے ثواب کو) احسان جتلا کر یا آزار پہنچا کر (برباد کرنا اس شخص کی طرح (یعنی جیسے ضائع ہو گیا خرچ کرنا اس کا) جو اپنا مال خرچ کرتا ہے ریا کاری کے طور پر (لوگوں کو دکھلانے کے لئے) اور اللہ اور یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتا (یعنی منافق ہے) چنانچہ ایسے شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر (صاف پتھر) جس پر کچھ مٹی آگئی ہو اور پھر موسلا دھار بارش اس پر پڑ جاتے (جو نہایت ہی زور کی ہو) کہ اس پتھر کو بالکل ہی صاف کر دے ۔ (ایسا صاف و چکنا کہ پھر اس پر کوئی چیز بھی باقی نہ رہے) ایسے لوگوں کو ہاتھ نہ لگے گی (یہ جملہ مستانفہ ہے ، ریاکار منافق منفق کی حالت کا اظہار ہے اور ضمیر جمع کا استعمال کرنا اَلَّذِیْ کی معنوی رعایت سے ہے) ذرا بھی اپنی کمائی (یعنے جس طرح چکنے پتھر پر بارش کی وجہ سے ذرا بھی کسی چیز کا اثر باقی نہیں رہتا ، اسی طرح آخرت میں ان کے لئے ثواب کا کوئی نشان نہیں ملے گا) اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دکھلائیں گے

بیانِ ربط

اِنفاق مالی کا ذکر ترغیب جہاد کے سلسلے میں چل رہا تھا ۔

اسی کا اعادہ کیا جارہا ہے کہ جو ذات احیائے موتیٰ کے ان عظیم واقعات پر قادر ہو وہ انفاق کے اضعاف مضاعفہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ہوگی۔

بیان شانِ نزول حضرت عثمان غنی اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے بارے میں آیت وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ نازل ہوئی، جب کہ اول الذکر نے غزوہ تبوک میں ہزار اونٹ غلہ سے بھرے ہوتے اور ثانی الذکر نے ہزار دینار کی پیش کش کی۔

بیانِ اغراضِ جلالین

قولــــه صفتہ تعیین احد المعانی ہے تد مر تحقیقہ فی قولہ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا۔

قولــــه نفقات (خرچ کرنا) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے نفقات کا لفظ مقدر کیا۔ تا آنکہ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ (انسان) کی تشبیہ حبۃ (جماد) کے ساتھ صحیح ہوجائے کیونکہ منفقین جاندار اور حبۃ بے جان چیز ہے لیکن مضاف مقدر (نفقات) کرکے تشبیہ دینے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

قولــــه ای طاعتہ (طاعت میں) اشارہ فرمایا کہ سبیل حسی نہیں بلکہ معنوی سبیل ہے۔

قولــــه فکذالک نفقاتھم تتضاعف بسبع مائۃ ضعف (یہی حال ان لوگوں کے انفاق کا ہے سات سو گونہ اجر بڑھ سکتا ہے) بیان تطبیق المثال بالممثل لہ یا بیان تشبیہ مشبہ بالمشبہ بہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انفاق (خرچ) کی مثال ہے (حبۃ) دانہ کی طرح کہ جس طرح ایک دانہ سے سات خوشے پھر سات خوشوں سے سات سو دانے ہوجاتے ہیں، اسی طرح ایک اجر کو بڑھا کر سات سو اجر تک ربّ ذوالجلال لے جاتے ہیں یا بالفاظِ دیگر انفاق اور دانہ مشبہ اور سبع سنابل وغیرہ اور سبع مائۃ ہوئے، مشبہ بہ

سوال یہ ہے کہ ایک دانہ سے سَبْعَ سنابل پھر سبع سنابل سے سات سو دانے مشاہدہ میں نہیں ہیں۔

جواب اوّل لفظ حبّۃ کا اطلاق صرف گندم پر نہیں ہوتا بلکہ اور اجناس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے مثلاً جوار، مکئی، باجرا وغیرہ اس میں اتنے دانوں کی تعداد ہوتی ہے۔

جواب ثانی یہ تمثیل فرضی ہے محض انفاق کے اضافہ کو سمجھانے کے لئے اس کا واقع اور نفس الامر میں ہونا ضروری نہیں ہے۔

یقول ابوالاسعاد کہ یہ مثال سبع سنابل و مائۃ حبۃ والی مبنی بر حقیقت ہے کیونکہ چھوٹے دانوں کے اناج میں بعض زمینوں کے لحاظ سے ایک ایک خوشے میں اتنی تعداد بھی ممکن ہی نہیں بلکہ شائع و ذائع ہے۔

قوله اکثر (اس سے بھی زائد) اشارہ فرمایا یُضاعِفُ کا مفعول محذوف ہے بشکل اکثر

قوله من ذالک بیان مفضل علیہ ہے یعنی اکثر اسم تفضیل کا مفضل علیہ نکالا ہے۔

قوله فضله (اپنے فضل میں) اشارہ فرمایا کہ وسعت ذاتی مُراد نہیں بلکہ وُسعت صفتی مُراد ہے۔

قوله لمن یستحق المضاعفة (کون اضافہ کا مستحق ہے) بیان محل علم ہے۔

قوله علی المنفق علیه (جس پر خرچ کیا) بیان ما علیہ المن ہے یعنی وہ انسان جس پر خرچ کیا یا بیان صلہ منّا ہے۔

قوله بقولهم (یہ کہہ کر) اس کی بار تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے منّا (احسان) کی صورت بیان کی ہے۔

قوله مثلاً قد احسنتُ الیه وجبرت حاله بیان مثال ہے۔

قوله له بیان صلہ اذی ہے اور ضمیر منفق علیہ کی طرف راجع ہے

قوله بذکر ذالک الی من لا یحب وقوفه علیه اس سلوک کا تذکرہ

ایسے شخص کے سامنے کرکے جس کے سامنے سائل اظہار پسند نہیں کرتا، بذکر کی بائ تصویریہ ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اذیٰ کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ ونحو ذالک تعمیم کی طرف اشارہ ہے

قولہ ثواب اجر کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر۔

قولہ انفاقھم بیان مضاف مقدر ہے کیونکہ آخرت میں ذات اجر نہیں ملے گا بلکہ انفاق کا اجر ملے گا۔

قولہ فی الآخرۃ محلِ حُزن بیان کیا ہے۔

یقول ابو الاسعاد انما قید بہ لاَنّ المؤمن لا یخلوا من الخوف والحُزن فی الدُّنیا بلکہ مؤمن کے لئے تو دنیا دارُ الحُزن ہے۔

قولہ کلام تفسیر قول ہے

قولہ حسنٌ (شیریں) تفسیر معروف ہے

قولہ وَرَدٌّ علی السائل جمیل (اور سائل کو موزون جواب دینا) تفسیرُ لکلام الحسن یعنی کلام حسن کی تفسیر ہے۔

قولہ لہٗ مغفرۃ کا صلہ بیان کیا ہے۔

قولہ فی الحاحۃ (حد سے زیادہ بڑھے ہوئے اصرار پر) بیان محل مغفرت ہے

قولہ بالمنّ وتعییرلہ بالسوال (احسان جتلاکر یا مانگنے پر پھٹکار کر) اس کی دو غرضیں ہیں۔ اوّلؔ اس کی بائ تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اذیٰ کی صورت بیان کی ہے دوؔم: قرآن مقدس نے صرف اذیٰ کا لفظ استعمال فرمایا ہے مگر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اذیٰ کی تفسیر منّ سے کرکے اشارہ فرمایا کہ منّ اور اذیٰ کا حکم ایک ہی ہے جس طرح اذیٰ سے تکلیف پہنچتی ہے، احسان سے بھی تکلیف پہنچتی ہے یا تکلیف عام ہے خواہ قولی ہو (اذیٰ) یا فعلی (احسان) ہو۔

قولہ عن صدقۃ العباد (بندوں کی خیرات سے) ما منہ الغناء کا بیان ہے یا بیان صلہ ہے غنیٌ کا۔

قولہ بتاخیر العقوبۃ (کہ احسان جتلانے والے موذی کو ڈھیل دے رکھی ہے) اس کی بار تصویر یہ ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے حلم کی صورت بیان کی ہے۔

قولہ المانّ والمؤذی عند البعض یہ کلمات بتاخیر العقوبۃ کے ساتھ ہیں یعنی یہ پورا جملہ صورتِ حلم ہے لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں یہ علیحدہ جملہ ہے اور محل حلم کا بیان ہے۔

قولہ ای اجورھا بیان مضاف مقدر ہے قد مر تحقیقہ فی قولہ انفاقھم

قولہ ابطالاً (برباد کرنا) اشارہ فرمایا کہ کالذی مفعول مطلق ہے لَا تُبْطِلُوا کا باعتبار موصوف مقدر کے اصل عبارت تھی ای ابطالاً کابطال الذی یعنی بیان متعلق کالذی ہے۔

قولہ ای کابطال نفقہ الذی (یعنی جیسے ضائع ہو گیا خرچ کرنا اس کا) اس کی دو غرضیں ہیں: اوّل اشارہ فرمایا کہ کمثل میں کاف محل نصب ہے دوم: علامہ سیوطیؒ نے دو مضاف مقدر کیئے ہیں ایک اَلَّذِیْ کا مضاف یعنی کابطال دوسرا نفقہ اشارہ فرمایا کہ ابطال ذات کا مراد نہیں بلکہ نفقہ کا ابطال مراد ہے۔

قولہ مرائیًا لھم: (لوگوں کو دکھلانے کے لیے) اشارہ فرمایا کہ رئاء مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ہے اور ینفق کی ضمیر سے حال بن رہا ہے

قولہ وھو المُنافق ـ بیانِ تعیین لا یؤمن باللہ الخ،

قولہ: حجر املس (پتھر صاف) املس بمعنیٰ لیسا ن جس پر پاؤں پھسل جائیں ـ خشونت کی ضد ہے علامہ سیوطیؒ نے صفوان کا مرادی معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہٗ مطرٌ شدیدٌ (بارش جو نہایت زور کی ہو) وَابِلٌ کی تفسیر بیان کی ہے کیونکہ معمولی بارش سے مٹی نہیں جاتی جب کہ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا سے قرآن پاک کا مقصود بالکل صفائی ہے۔

فائدہ: المطر واولہ رش ثمّ طش ثم طل ثم نضح ثم هطل ثم وابلٌ

قولہٗ صلبًا املس (سخت اور چکنا) علامہ سیوطیؒ نے صلدًا کا ترجمہ کیا ہے۔

قولہٗ لا شیئ علیہ (جس پر کوئی چیز بھی باقی نہ رہے۔ صلبًا املس کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہٗ استیناف لبیان مثل المنافق المنفق ریاءً (یہ جملہ مستانفہ ہے ریاکار منافق منفِق کی حالت کا اظہار ہے) لا یقدرون والا جملہ مستانفہ ہے اور جملہ مستانفہ دفعیہ سوال مقدر ہوتا ہے۔

سوال ہوتا تھا کہ سخت بارش کی وجہ سے فترکہٗ صلدًا تو ہو گیا لیکن انجام کیا ہوا تو:۔

جواب میں فرمایا لا یقدرون کہ نتیجہ صفر رہا۔

ثانیًا۔ لا یقدرون سے بیان مثال بھی ہے۔ ریاکار منفق کی طرح جیسے چکنے پتھر پر بارش کی وجہ سے کچھ نہیں رہتا۔ ریاکاری کی وجہ سے بھی منافق منفِق کے کھاتے میں کچھ نہ رہا۔

قولہٗ وجمع الضمیر باعتبار معنی الذی (اور ضمیر کا استعمال کرنا الذی کی معنوی رعایت سے ہے) دفعیہ سوال مقدر ہے۔

سوال۔ یہ ہے کہ لَا یَقْدِرُوْنَ اور مِمَّا کَسَبُوْا جمع ہیں اور کَالَّذِیْ (منافق مراد ہے) مفرد ہے راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔

جواب۔ تو علامہ سیوطیؒ نے یہ عبارت نکال کر اشارہ فرمایا کہ لَا یَقْدِرُوْنَ جمع لانے میں اَلَّذِیْ کی ذات کو نہیں دیکھا گیا بلکہ اس کی معنوی رعایت کی ہے یعنی معنیٰ جمع والا ہے اور منفق (کَالَّذِیْ) مفرد لانے میں لفظ کی رعایت کی ہے یا جنس اور فریق کی تاویل کر کے مفرد لایا گیا۔

قولہٗ عَمِلُوْا ۔ کَسَبُوْ کی تفسیر بیان کی ہے ۔ یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔

قولہٗ ای لایجدون لہٗ ثوابًا فی الآخرۃ کما لایوجد علی الصفوان من التراب الذی کان علیہ (یعنی جس طرح چکنے پتھر پر بارش کی وجہ سے ذرا بھی کسی چیز کا اثر باقی نہیں رہتا اسی طرح آخرت میں ان کے لیے ثواب کا کوئی نشان نہیں ملے گا) آیت کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہٗ لاذھاب المطر: یہ لایوجد علی الصفوان شیئٌ من التراب کی علت ہے۔

بیانِ فوائد

خیرات کے لیے گھن

انفاق کو خراب کرنے والی تین چیزیں ہیں: ۱۔ ریاکاری ۲۔ دل آزاری ۳۔ احسان سے زیر باری ۔ جہاں تک دکھاوے کی خیرات کا تعلق ہے وہ بالکل ہی اکارت چلی جاتی ہے کیونکہ جو شخص نیکی کو نیکی کے لیے نہیں بلکہ نام ونمود کے لیے کرتا ہے اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے وہ یقیناً خدا پر سچا یقین نہیں رکھتا۔ کسی کو احسان سے زیر بار کرنا چاہے قولاً ہو یا فعلاً اسی طرح آزار پہنچانا زبانی طعن وتشنیع سے ہو یا غلط برتاؤ سے ہو بہر صورت برا ہے۔ سائل اگر بدتمیز ہو کر لپٹ ہو کر رہ جائے تو اپنی استطاعت کے ہوتے ہوئے حاجت مند کو نہ دینا یقیناً برا ہے ۔ البتہ اگر خود مسئول عنہ بھی نادار ہو تو سائل کے اصرار پر تلخ وترش جواب کی بجائے شیریں کلامی خندہ پیشانی سے پیش آنا یقیناً بہتر اور موجب اجر ہے جس کو خیر فرمایا گیا ہے غرضیکہ خوش کلامی کیساتھ نہ دینا بھی بہتر ہے لیکن آزار رسانی کے ساتھ دینا بھی بدتر حرام اور موجب گناہ ہے۔

ریاکاری کے صدقہ کی مثال

جو لوگ دکھلاوے کے لیے دیتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ پر چٹان جس پر معمولی سی تہ جم گئی ہو اس جگہ جتنی بھی زیادہ بارش ہوگی اتنی ہی جلدی اور اتنی ہی زیادہ وہ جگہ صاف ہو کر رہ جائے گی کبھی بھی سرسبز نہیں ہوگی کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد نہیں ہے پانی جب برسے گا تو وہ جگہ دھل دھلا کر صاف ہو جائے گی۔

وَمَثَلُ نفقات الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اموا لَهُمُ ابْتِغَاءَ طلب مَرْضَاتِ اللهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اى تحقيقا للثواب عليه بخلاف المنافقين الذين لا يرجونه لانكارهم له ومن ابتدائية كَمَثَلِ جَنَّةٍ بستان بِرَبْوَةٍ بضم الرّاء وفتحها مكان مرتفع مستو اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اعطت اُكُلَهَا بضم الكاف وسكونها ثمرها ضِعْفَيْنِ مثلى ما يثمر غيرها فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ مطر خفيف يصيبها ويكفيها لارتفاعها المعنى تثمر و تزكوا كثر المطر ام قل فكذالك نفقات من ذكر تزكو عند الله كثرت ام قلّت وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

فيجازيكم به أيودّ ايحب أحدكم أن تكون
له جنّة بستان من نخيل وّأعناب تجري من
تحتها الانهار له فيها ثمر من كلّ الثمرات وقد
أصابه الكبر فضعف عن الكسب وله ذرّيّة ضعفاء
اولاد صغار لا يقدرون عليه فأصابها إعصار ريح
شديدة فيه نار فاحترقت ففقدها احوج ما
كان اليها وبقي هو واولاده عجزة متحيّرين لاحيلة
لهم وهذا تمثيل لنفقة المرائي والمآن في ذهابها
وعدم نفعها احوج ما يكون اليها في الآخرة والاستفهام
بمعنى النفي وعن ابن عباس هو لرجل عمل بالطاعات
ثم بعث له الشيطان فعمل بالمعاصي حتى اغرق
اعماله كذالك كما بيّن ما ذكر يبيّن الله لكم الآيات
لعلّكم تتفكّرون ع فتعتبرون ع ٤

ترجمہ اور حالت (خرچ کرنے کی) ان لوگوں کے مال کی جو خرچ کرتے ہیں اللہ کی رضا جوئی (تلاشِ رضا) کے لیے اور اس غرض سے

کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں (یعنی اس پر ثواب محقق کرنے کے لیے بخلاف منافقین کے کہ جن کو منکر ہونے کی وجہ سے امید ثواب نہیں ہے اور مِنْ ابتدائیہ ہے) مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو (لفظ ربوۃ ضم را اور فتحہ را کے ساتھ ہے اونچی اور سپاٹ جگہ) اس پر زور کی بارش پڑی ہو کہ وہ باغ لے آیا (اس نے دے دیا) ہو پھل (لفظ اکل ضم کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے بمعنی پھل) دو گنا (دوسرے باغ کے مقابلہ میں دوچند) اور اگر ایسی زور کی بارش نہ ہو تو ہلکی پھوار بھی اس کے لیے کافی ہو جائے (طل کے معنی ہلکی بارش کے ہیں جس کا ہونا بھی باغ کی بلندی کی وجہ سے کافی ہو جائے۔ حاصل یہ ہے کہ بارش کم ہو یا زیادہ باغ بہرصورت پھل جاتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کے نفقات کا ہے کہ کم ہوں یا زیادہ عند اللہ موجب اضافہ حسنات ہیں) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں (چنانچہ تم کو جزا ملے گی۔) بھلا پسند (مرغوب) ہے تم میں سے کسی کو یہ بات کہ اس کا باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے چلتی ہوں نہریں اس شخص کے یہاں اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے میوے ہوں درآنحالیکہ اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو (کہ کمانے کے قابل نہ رہا ہو) اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں جن میں قوت نہیں ہے (چھوٹے بال بچے جن میں کمانے کی صلاحیت نہیں ہے) کہ اس باغ پر ایک بگولہ آجائے (تیز تند لو) کہ جس میں آگ ہو پھر وہ باغ بھسم ہو جائے (ایسی حالت میں ایسے باغ کا تباہ ہو جانا مالک کو کس قدر زیادہ محتاج بنادے گا وہ اور اس کی اولاد حیران اور پریشان رہ جائے ان کے لیے، کوئی بھی سہارا نہ رہ جائے یہ ایک تمثیل ہے ریاء کار اور احسان جتلانے والے کے صدقہ کا آخرت میں باوجود ضروری ہونے کے بیکار اور ضائع ہو جانے کی۔ اور استفہام نفی کے معنی میں ہے اور حضرت ابن عباس کی رائے ہے کہ یہ تمثیل ایسے شخص کیلئے ہے جو طاعات بجا لاتا ہو لیکن شیطان کے غلبہ سے معاصی میں غرق ہو جائے) اسی طرح (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے) تمہارے سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نظائر بیان

فرماتے رہتے ہیں تاکہ تم سوچا کرو (اور عبرت حاصل کرو)

بیان اغراضِ جلالین

قولہٗ نَفَقَاتٍ - قد مرّ غرضہٗ -

قولہٗ طَلَبَ - (تلاش رضا) قد مر غرضہٗ فی قولہٖ ومن الناس من یّشری نفسہُ ابتغآءَ مرضاتِ اللّٰہِ -

قولہٗ ای تحقیقًا للثواب علیہ (یعنی ان پر ثواب محقق کرنے کے لیے) اس کی دو غرضیں ہیں -

اوّل تحقیقًا تثبیتًا کا معنیٰ کیا ہے کہ تثبیت یہاں تحقیق کے معنیٰ میں ہے، نہ شک کے معنیٰ میں اور للثواب علیہ تحقیقًا کا صلہ ہے -

دوم : اشارہ فرمایا کہ انفاق مال وصدقہ پر امیدِ ثواب بھی ضروری ہے - جو مقصود انفاق ہے -

قولہٗ بخلاف المُنافقین الّذین لا یرجونہ لانکارھولہٗ (بخلاف منافقین کے جن کو منکر ہونے کی وجہ سے امیدِ ثواب نہیں ہے) تثبیتًا من انفسھم کا مقابل بیان کیا ہے یعنی بیانِ مقابل ہے - جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کے دل میں انفاق مال کے وقت دو خیال ہوتے ہیں - ۱ رضائے مولیٰ ۲ امید ثواب - لیکن منافقین کے دل میں یہ دونوں خیال نہیں ہوتے -

قولہٗ لانکارھولہٗ - یہ لا یرجونہٗ کی علت ہے -

قولہٗ ومن ابتدائیۃ - من انفسھم کا من ابتدائیہ ہے یعنی یہ عقیدہ خود ان کے نفوس میں ہو یا بمعنیٰ لازم ہو - کقولہٖ تعالیٰ حسدًا من عند انفسھم -

قولہٗ بُستانٌ : جنّۃ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر ہے -

قولہٗ بضمّ الرّاء وفتحِها - بیانِ قرأت ہے۔

قولہٗ مکانٌ مُرتفعٌ مُستوٍ (اونچی اور سپاٹ جگہ) ربوۃ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر۔

سوال - یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے ربوہ کی تعریف میں مکان مرتفع کو کیوں خاص کیا ہے؟

جواب: اِنَّمَا خصّ بالمکان المرتفع لانّ شجرہ یکون احسن منظرًا وازکیٰ ثمرًا۔

قولہٗ اعطت - (اس نے دے دیا) فاتت کی تفسیر ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر - مگر یہ تفسیر تفسیر المجرد بالمزید ہے۔ نیز فاتت کا مفعول اوّل محذوف ہے ای صَاحِبَهَا۔

قولہٗ بضمّ الکاف وسکونها - بیان قرأت ہے۔

قولہٗ ثمرها (بمعنیٰ پھل) اکل بمعنیٰ ماکول الشیئ - مراد میوے ہیں یعنی ذکر اکل مراد ثمر ہیں۔

قولہٗ مثل ما یثمر غیرها - (دوسرے باغ کے مقابلہ میں دوچند) یعنی ضعفًا بعد ضعفٍ تثنیہ سے مقصود تکثیر ہے - یا دوچند یا چار چند ہونا مراد ہے علی اختلاف الاقوال - علامہ سیوطیؒ نے ضعفین کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہٗ مَطَرٌ خَفِیفٌ - (بمعنیٰ ہلکی بارش) طَلٌّ کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے اس کا معنیٰ شبنم نہیں بلکہ ہلکی بارش ہے۔

قولہٗ یصیبها ویکفیها (جس کا ہونا ہی باغ کے لیے کافی ہو جائے) علامہ سیوطیؒ نے اشارہ فرمایا کہ فَطَلٌّ مبتداء ہے اس کی خبر یُصیبها ویکفیها محذوف ہے۔

قولہٗ لارتفاعها (بلندی کی وجہ سے) یکفی اور یُصیب کی علت ہے

قولهٗ المعنیٰ تثمر و تزکوا لمطرام قلّ (حاصل یہ ہے کہ بارش کم ہو یا زیادہ باغ بہر صورت پھل جاتا ہے) بیان حاصل معنیٰ ہے۔

قولهٗ فکذالك نفقات من ذکر تزکوا عند اللّٰہ کثرت ام قلّت (یہی حال ان لوگوں کے نَفَقَات کا ہے کہ کم ہوں یا زیادہ عنداللہ موجب اضافہ حَسَنَات ہیں) یہاں سے علامہ سیوطیؒ تطبیق المثال علی الممثل لہٗ بیان فرمارہے ہیں جس کا خُلاصَہ یہ ہے کہ اگر دل میں اخلاص ہے تو تھوڑی خیرات بھی برکت وفلاح کا موجب ہوسکتی ہے جس طرح بارش کی چند ہلکی بوندیں بھی ایک باغ کو شاداب کرسکتی ہیں۔

یقول ابوالاسعاد - اشارہ ہے کہ عالمِ مادی اور عام معنوی کے احکام وقوانین دونوں یکساں ہیں۔ جو بوؤگے اور جس طرح بوؤگے ایسے ہی اور اسی طرح کا پھل کھاؤگے۔

قولهٗ فیُجازیکم بہٖ - اشارہ فرمایا کہ ذکر علم مراد جزا ہے۔

یقول ابوالاسعاد - علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر ماقبل سے ربط لگانا چاہتے ہیں کہ ماقبل میں انفاق کا مسئلہ بیان ہورہا ہے اور انفاق کے اندر تحذیر عن الریاء و ترغیب فی الاِخلاص ضروری ہے کیونکہ بھلی جزاء کے لیے یہ دو شرائط ضروری ہیں۔

قولهٗ اَیُحِبُّ (محبوب رکھوگے) اَیَوَدُّ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ہے۔ لیکن مع تمنائے ملاقات کے۔

قولهٗ بُستانٌ - (باغ) قد مرّ تحقیقہٗ

قولهٗ ثمرٌ - علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور وہ صفت ہے موصوف محذوف کی۔

قولهٗ وَقَدْ : علامہ سیوطیؒ نے قَدْ کا کلمہ مقدر کرکے اشارہ فرمایا کہ واو حالیہ ہے معنًا۔

یقول ابوالاسعاد : اَنْ تَکُوْنَ کا اَنْ مصدریہ اگرچہ اصاب ماضی پر داخل ہو سکتا ہے جیسے عجبت من ان قام لیکن مضارع منصوب چونکہ استقبال کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے ماضی کی صلاحیت اس میں قطعاً نہیں رہتی اس لیے اَصَابَ کا عطف تکون پر درست نہ ہوتا۔ علامہ سیوطیؒ نے اس اشکال کو حل کرنے کے لیے اشارہ کیا کہ اَصَابَ میں واو حالیہ ہے بتقدیر قد واو عاطفہ نہیں۔

قولہٗ فضعف عن الکسب (کہ کمانے کے قابل نہ رہا ہو) بیان معنیٰ لازمی ہے کیونکہ کبر میں ضعف لازم ہے۔

قولہٗ اولاد صغار (چھوٹے بال بچے) اولاد تفسیر ذریۃ ہے اور صغار تفسیر ضعفاء ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر

قولہٗ لا یقدرون علیہ (جن میں کمانے کی صلاحیت نہیں ہے) اولادِ صغار کا حاصل معنیٰ بیان کیا ہے۔

قولہٗ ریحٌ شدیدۃٌ تیز و تند لو) اِعْصَارٌ کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظ آخر ۔ اعصار کو ریح شدیدہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اَعْصَار بمعنیٰ نچوڑنا جس طرح کپڑے کو نچوڑنے سے پانی نکل جاتا ہے اور کپڑا جلدی خشک ہو جاتا ہے یہی حال اسی ہوا کا بھی ہے کہ لانھا تعصر السحاب۔

قولہٗ فقدھا احوج ماکان الیھا وبقی ھو واولادہٗ عجزۃٌ متحیرین لاحیلۃ لھم (ایسی حالت میں ایسے باغ کا تباہ ہو جانا مالک کو کس قدر زیادہ محتاج بنا دے گا۔ اور اس کی اولاد حیران و پریشان رہ جائے گی) علامہ سیوطیؒ نے آیت کا لازمی معنیٰ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احراق نار کے اندر فقدانِ باغ اور مالک کا مع اہل و عیال محتاج و تنگ دست ہونا یقینی ہے۔

قولہٗ وھذا تمثیل : یہاں سے تطبیق المثال علی الممثل لہٗ ہے جس کا

حاصل یہ ہے کہ ایک انسان ساری عمر ایک باغ لگانے میں صرف کرے اور سمجھے کہ اس کی یہ محنت اور اس کا ثمرہ بڑھاپے میں کام آئے گا لیکن جب بڑھاپا آئے تو دیکھے کہ سارا باغ ویران ہو کر رہ گیا ہے۔ یہی حال اس انسان کا ہے جو ساری عمر دکھاوے کی نیکیاں کرتا رہے اور سمجھتا رہے کہ یہ نیکیاں عاقبت میں اس کو کام آئیں گی لیکن جب عاقبت کا دن آئے تو دیکھے کہ اس کی ساری محنت رائیگاں گئی۔

قولہٗ والاستفهام بمعنى النفى (استفہام نفی کے معنی میں ہے) یعنی تعیین استفہام ہے اور یہ نفی والا استفہام انکار کے معنی میں ہے۔ یعنی لا یحب مسلم ذالك۔

قولہٗ وعن ابن عباس: علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر ثانی مذکورہ آیت کی بیان فرمائی ہے یعنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کا مضمون انفاق وغیر انفاق تمام طاعات کے لیے عام ہے خاص نہیں مزید تفصیل فوائد میں آئیگی۔

قولہٗ كما بيّن ما ذكر (جیسا کہ بیان ہو چکا) بیان مشار الیہ ہے۔ ای من نفقة المخلص ونفقة المرائى واعان۔

قولہٗ فتعتبرون (اور عبرت حاصل کرو) تتفكّرون کی تفسیر باللازم بیان کی ہے کیونکہ فکر کے لیے عبرت لازم ہے۔

بیانِ فوائد

سیّدنا ابنِ عباسؓ کے قول کی وضاحت

سیدنا ابن عباسؓ کے نزدیک ایود احدکم والی آیت کا مضمون انفاق اور غیر انفاق تمام طاعات کے لیے عام ہے خاص نہیں۔ چنانچہ انفاق کی طرح اور اعمال کے انوار و برکات کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں مثلاً ہر قسم کے معاصی اور سیئات سے

پرہیز کرنا اگر کوئی طاعات کے ساتھ گنا ہوں اور برائیوں میں بھی منہمک ومصروف رہتا ہے
تو اس سے دوطرح کے نقصان سامنے آتے ہیں ایک تو وہ حلاوت وبشاشت جو طاعات
کی وجہ سے قلب میں پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہونے لگتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طاعت
کے سبب انوار وبرکات سلب ہوجاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ برائیوں کی شامتِ اعمال
مزید طاعت کی توفیق بھی سلب ہوجاتی ہے بلکہ جن طاعات پر عمل درآمد ہے وہ بھی رفتہ
رفتہ چھوٹ جاتی ہیں اور آخرت میں جو فوائد وثمرات ان پر مرتب ہوتے ہیں ان سے
بھی بالکلیہ حرمان ہوجاتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا انفقوا زكوا مِنْ طَيِّبٰتِ جيد
مَا كَسَبْتُمْ من المال ومن طيّبٰت مَا اخرجنا لكم
مِنَ الْاَرْضِ من الحبوب والثّمار وَلَا تَيَمَّمُوْا تقصدوا
الْخَبِيْثَ الردّى مِنْهُ اى من المذكور تُنْفِقُوْنَ فى
الزكوٰة حال من ضمير تيمّموا وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ
اى الخبيث لو اعطيتموه فى حقوقكم اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا
فِيْهِ بالتّساهل وغضّ البصر فكيف تؤدّون منه
حقّ الله وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عن نفقاتكم حَمِيْدٌ
محمود على كلّ حال اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ يخوفكم
به ان تصدّقتم فتمسكوا وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ

الْبُخْلِ ومنع الزكوٰة وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ على الانفاق مَّغْفِرَةً
مِّنْهُ لذنوبكم وَفَضْلاً رزقا خلفا منه وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
فضله عَلِيْمٌ ۝ بالمنفق يُؤْتِي الْحِكْمَةَ العلم النافع
المؤدى الى العمل مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا لمصيره الى السّعادة الابدية
وَمَا يَذَّكَّرُ فيه ادغام التاء فى الاصل فى الذال يتعظ
اِلَّآ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ ۝ اصحاب العقول وَمَآ اَنْفَقْتُمْ
مِّنْ نَّفَقَةٍ اذّيتم من زكوٰة اَوْ صدقة اَوْ نَذَرْتُمْ
مِّنْ نَّذْرٍ فوفيتم به فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ فيجازيكم
عليه وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ بمنع الزكوٰة والنذر او بوضع الانفاق
فى غير محلّه من معاصى الله مِنْ اَنْصَارٍ ۝ مانعين لهم
من عذابه اِنْ تُبْدُوا تظهروا الصَّدَقٰتِ اى النوافل
فَنِعِمَّا هِيَ اى نعم شيئًا ابداؤها وَاِنْ تُخْفُوْهَا
تسرّوها وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ من ابدائها
وايتائها الاغنياء امّا صدقة الفرض فالافضل
اظهارها ليقتدى به ولئلّا يتهم وايتاؤها الفقراء

متعين وَيُكَفِّرُ بالياء وبالنون مجزومًا بالعطف على محل فهو مرفوعًا على الاستيناف عَنْكُمْ مِنْ بعض سَيِّئَاتِكُمْ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ عالم بباطنه كظاهره لا يخفىٰ عليه شيءٌ منه

ترجمہ

اے اہلِ ایمان خرچ کرو (زکوٰۃ ادا کرو) اپنی کمائی (کے مال) میں سے بہترین چیز اور (عمدہ چیز) اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے (دانے اور پھل) اور نیت مت لے جایا کرو ارادہ نہ کیا کرو) نکمی (ردی) چیز کی طرف کہ اس میں سے (مذکورہ ردی میں سے) تم خرچ کرنے لگو (زکوٰۃ میں یہ حال ہے ضمیر تَیَمَّمُوْا سے) حالانکہ خود تم کبھی بھی اس کو لینے کے لیے آمادہ نہیں ہو (ردی چیز اگر تمہارے حصہ میں لگا دی جائے) ہاں مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اس میں (سرسری طور پر نظر انداز کرتے ہوئے پھر اللہ کا حق کس طرح اس سے ادا کرتے ہو) اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (تمہارے نفقات کے محتاج نہیں ہیں (بہر حال ہیں) تعریف کے لائق ہیں۔ شیطان تم کو محتاجگی سے ڈراتا ہے (کہ اگر تم نے مال خیرات کر دیا تو تم خود محتاج ہو جاؤ گے اس لیے خرچ سے باز رہو) اور تم کو مشورہ دیتا ہے بری باتوں (بخل کرنے اور زکوٰۃ روکنے) کا اور اللہ تم سے وعدہ کرتے ہیں (انفاق پر) اپنی جانب سے (تمہارے گناہ) معاف کرنے کا اور زیادہ عطا کرنے کا (ایسے رزق کا جو صرف شدہ مال کے قائم مقام ہو جائے گا) اور اللہ تعالیٰ (اپنے فضل میں) وسعت والے ہیں خوب جاننے والے ہیں (منفق کو) دین کی فہم (علم نافع جو عمل کا باعث بن جائے) جس کو چاہتے ہیں عطا کر دیتے ہیں اور جس کو دولت حکمت مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی ہے (کیونکہ اس کا انجام دائمی سعادت ہے) اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں (یَذَّکَّرُ دراصل یتذکر تھا۔ تاء کو ذال کیا

اور ذال کو ذال میں ادغام کردیا بمعنیٰ یتعظ) جو عقلمند (اصحاب دانش) ہیں اور تم لوگ جو کسی طرح کا خرچ کرتے ہو (زکوٰۃ یا صدقہ ادا کرتے ہو) یا کسی قسم کی نذر مانتے ہو (اور اس کو پورا بھی کردو) سو اللہ تعالیٰ کو یقیناً سب باتوں کی اطلاع ہے (چنانچہ اس کے مطابق تم کو جزا دیں گے) اور بے جا کام کرنے والوں کا (جو زکوٰۃ و نذر پورا کرنے سے روکتے ہوں یا معاصی میں بے محل انفاق کرتے ہوں) کوئی حمایتی نہ ہوگا (جو اللہ کے عذاب سے اُن کو بچالے) اگر تم ظاہر کرکے (کھلم کھلا) صدقات (نافلہ) دو تو بہت اچھی بات ہے (بہ نسبت اظہار کے اور مالدار لوگوں کو دینے کے البتہ فرض زکوٰۃ تو اس میں اظہار ہی افضل ہے دو وجہ سے تاکہ دوسرے تقلید کرسکیں اور خود یہ متہم نہ رہے) اور مصارف زکوٰۃ میں فقراء متعین ہیں (بمقابلۂ اغنیاء) اور اللہ تم دور فرمائیں گے (یکفّر یاء اور نون کے ساتھ مجزوم پڑھا گیا ہے فھو کے محل پر عطف کرتے ہوئے اور استیناف کے طور پر مرفوع ہے) تمہارے کچھ (بعض) گناہ بھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں (ظاہر کی طرح باطن سے بھی باخبر ہیں ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے)

بیانِ ربط

پچھلی آیات میں آدابِ انفاق کا ذکر تھا کہ نیتِ انفاق درست اور صحیح رکھنی چاہیئے اس آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ میں منجملہ کے خود منفق کے بارہ میں اخلاص پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔ خراب اور ردی چیز دینا آدابِ نفقہ و اخلاص کے منافی ہے۔

بیانِ شانِ نزول

لُبابُ النقول میں حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ انصار باغات

رکھتے تھے اور معمولی و ردی کھجوریں بعض لوگ بے رغبتی کے ساتھ مسجد میں لٹکا دیا کرتے تھے اس پر آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ الخ نازل ہوئی۔

بیان اغراضِ جلالین

قولہٗ زکوا (زکوٰۃ ادا کرو) قد مرّ تحقیقہٗ فی قولہٖ یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا مِمّا رَزَقْنٰکُمْ۔

قولہٗ جیاد (عمدہ چیز) طیب کے دو معنی ہیں ۱۔ طیب بمعنیٰ حلال ۲۔ طیب بمعنیٰ عمدہ۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ طیبات بمعنیٰ جید وعمدہ ہے نہ کہ بمعنیٰ حلال۔

قولہٗ من المال۔ مَاکسبتم کے ما کا بیان ہے۔

قولہٗ طیّبات۔ ما اخرجنا لکم کا عطف مَاکَسَبْتُم پر ہے تو علامہ سیوطیؒ نے حاصل عطف کے طور پر یہ کلمہ نکالا ہے۔ اصل عبارت یوں تھی " انفقوا من طیّبات ماکسبتم ومن طیّباتِ ما اخرجنا لکم الخ یعنی بیان حاصل عطف ہے۔

قولہٗ من الحبوب والثمار (دانے اور پھل) اس کی دو غرضیں ہیں:۔ اوّل ما اخرجنا کے ما کا بیان ہے۔ دوئم اشارہ فرمایا کہ اموالِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔

قولہٗ تقصدوا (ارادہ نہ کیا کرو) تیمّمُوا کی تفسیر بیان کی ہے یعنی تفسیر اللفظ بلفظٍ آخر ہے۔

قولہٗ الرّدی : خبیث بمعنیٰ حرام بھی ہے۔ قل لا یستوی الخبیث والطّیّبُ : خبیث بمعنیٰ ردی بھی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے یہ کلمہ نکال کر اشارہ فرمایا کہ خبیث بمعنیٰ ردی ہے نہ کہ مقابلِ حرام۔

قولہٗ ای من المذکور۔ (مذکورہ ردی میں سے) اس کی تین غرضیں